فروع دین

تالیف

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج۔ لکھنؤ

[illegible]

فروعِ دین

تالیف

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج ۔ لکھنؤ ۔ ۱۸

فون: ۲۲۱۵۱۱۵ ——— فیکس: ۲۲۲۸۹۲۳

جُملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : فروعِ دین

تالیف : علامہ السید ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ

کتابت : ریاض احمد

سنہ طباعت : جون ۲۰۰۳ء

تعداد : ایک ہزار

ناشر : تنظیم المکاتب۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ ۱۸ (انڈیا)

ھدیہ :

منجانب :۔ حسن رضوی صاحب و صادق رضوی صاحب

برائے ترحیم

۱۔ سید تعشق حسین نقوی

۲۔ سید سخاوت حسین رضوی

۳۔ سید ریاض حیدر رضوی

۴۔ سیدہ طیبہ خاتون

۵۔ سید عشرت حسین رضوی

۶۔ زاہدہ خاتون

۷۔ سید توقیر حسین رضوی

۸۔ سیدہ طاہرہ خاتون

فہرست

۱۔ عرضِ تنظیم	۵	۱۷۔ حج	۷۴
۲۔ فروعِ دین	۷	۱۸۔ شرائطِ حج	۷۷
۳۔ عبادات کا امتیاز	۱۰	۱۹۔ اقسام و احکامِ حج	۸۲
۴۔ نماز	۱۲	۲۰۔ اعمالِ عمرہ	۸۵
۵۔ عظمتِ نماز کے ارکانِ اربعہ	۱۴	۲۱۔ اعمالِ حج	۹۲
۶۔ معراجِ ظاہری	۲۳	۲۲۔ احکامِ زکوٰۃ	۹۷
۷۔ معراجِ معنوی	۳۶	۲۳۔ مواردِ زکوٰۃ	۱۰۰
۸۔ افعالِ نماز	۴۱	۲۴۔ مصارفِ زکوٰۃ	۱۰۵
۹۔ ارکانِ نماز	۴۶	۲۵۔ شرائطِ مستحقین	۱۰۸
۱۰۔ اقسامِ نماز	۵۱	۲۶۔ زکوٰۃِ فطرہ	۱۱۱
۱۱۔ نقائصِ نماز	۵۶	۲۷۔ خُمس	۱۱۶
۱۲۔ روزہ	۵۹	۲۸۔ سال اور خرچ	۱۲۳
۱۳۔ روزہ کے اقسام	۶۲	۲۹۔ مصارف	۱۲۵
۱۴۔ مفطراتِ روزہ	۶۵	۳۰۔ سال تمام	۱۲۸
۱۵۔ قضا و کفّارات	۶۸	۳۱۔ بقایا دار حضرات	۱۳۳
۱۶۔ اجازتِ افطار	۷۱	۳۲۔ مستحقین خمس	۱۳۹

۳۳۔ جہاد ۱۴۴

۳۴۔ جہاد اور دفاع کا فرق ۱۴۹

۳۵۔ مذہبی دفاع ۱۵۳

۳۶۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۱۵۶

۳۷۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی نوعیت ۱۶۰

۳۸۔ شرائط امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۱۶۴

۳۹۔ علماء کرام کے فرائض ۱۷۰

۴۰۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراتب و درجات ۱۷۵

۴۱۔ سرکاری عہدے ۱۸۰

۴۲۔ گناہانِ کبیرہ ۱۸۳

۴۳۔ تولّا و تبرّا ۱۸۹

۴۴۔ اسلامی اخلاقیات ۱۹۴

۴۵۔ آدابِ معاشرت ۲۰۶

۴۶۔ آدابِ ولادت و تربیت ۲۱۴

۴۷۔ آدابِ طہارت ۲۱۹

۴۸۔ آدابِ سفر و مرض ۲۳۴

۴۹۔ آدابِ اکل و شرب ۲۴۳

۵۰۔ آدابِ موت و حیات ۲۵۱

۵۱۔ تکفینِ میّت ۲۵۹

۵۲۔ آدابِ دُعا ۲۷۶

عرضِ تنظیم

ادارہ تنظیم المکاتب کی ایک اور افتخار آفرین پیشکش حاضرِ خدمت ہے۔ زیرِ نظر کتاب سرکار علامہ جوادی طاب ثراہ کے رشحاتِ قلم کا ایک شاہکار ہے۔ سرکار علامہ جوادی طاب ثراہ تمام عمر قلمی مجاہدت میں سرگرم عمل رہے ہیں آپ ہی کے قلم کی برکت سے ادارہ گذشتہ ایک دہائی سے زائد عرصہ سے مسلسل گرانقدر کتابیں قوم کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا رہا ہے اور آپ کی رحلت کے بعد بھی آپ کے علمی آثار کا سلسلہ جاری ہے۔ امام جعفر صادقؑ اور مذاہب اربعہ، علم الحدیث، ادعیہ و زیارات امام عصرؑ، ترجمہ و تشریح صحیفۂ کاملہ کے بعد زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ آپ کے ظاہری وجود کے آنکھوں سے پنہاں ہوجانے کے باوجود آپ کی ایسی متعدد تحریریں موجود ہیں جو منتظرِ اشاعت ہیں اور تشنگانِ رشد و ہدایت ان سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ سرکار علامہ جوادی طاب ثراہ کی ذات پر قولِ معصومؑ مکمل طور پر صادق نظر آتا ہے "اَلْعَالِمُ حَیٌّ وَاِنْ کَانَ مَیِّتًا" "اَلْعُلَمَاءُ بَاقُوْنَ مَا بَقِیَ الدَّھْرُ وَاَعْیَانُھُمْ مَفْقُوْدَۃٌ"۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے متفرق اور منتشر قلمی مسودات میں یہ کتاب ملی اور افادیت کے پیشِ نظر ہم نے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔

اسی موضوع پر اگرچہ آپ کی ایک اور علمی و تحقیقی کتاب "اصول و فروع" کے نام سے شائع ہوچکی ہے جس میں آپ نے اصول دین اور فروع کے درمیان پائے جانے والے عمیق رابطہ کا بہترین انداز میں تجزیہ فرمایا ہے۔ موجودہ کتاب بھی اگرچہ

فروعِ دین سے ہی متعلق ہے اور بہت حد تک دونوں کتابوں کے موضوع میں مماثلت بھی ہے، لیکن قاری کو تکرارِ مضمون کے بجائے اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ سرکار علامہ کی تحریروں میں "ہر گلے را رنگ و بوی دیگری است" کی کیفیت پائی جاتی ہے اور ایک رنگ کا مضمون ہو تو سو رنگ میں باندھنے پر بھی آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔

علمی ماحول سے دوری، مسلسل تبلیغی سفر، کثرتِ مشاغل اور فکر کو پراگندہ کرنے والے اسباب کے باوجود باریک ترین جزئیات پر مشتمل کتاب کی ترتیب صرف تائیدِ غیبی کے سہارے ہی ممکن ہے۔

خانوادۂ علامہ جوادیؒ خصوصاً حجۃ الاسلام مولانا جواد حیدر صاحب، عزیزم رضوان حیدر صاحب اور حجۃ الاسلام مولانا احسان حیدر صاحب کا شکر گذار ہوں کہ ان حضرات کے تعاون کی بدولت ادارہ تنظیم المکاتب علامہ جوادیؒ کی اس علمی کاوش کو شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ بحق اہلبیت علیہم السلام سرکار علامہ جوادی طاب ثراہ کے درجات میں اضافہ فرمائے اور ہمیں ثباتِ قدم کے ساتھ جادۂ خدمتِ دینِ مبین پر قائم رکھے۔ آمین

والسلام

سید صفی حیدر

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبق ۱

فروعِ دین

عربی زبان میں اصول جمع ہے اصل کی ـــــ اور فروع جمع ہے فرع کی۔
اصل کے معنی ہیں جڑ اور فرع کے معنی ہیں شاخ ـــــ اسلام میں بنیادی عقائد کو اصولِ دین کہا جاتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے احکام و مسائل کو فروعِ دین کا درجہ دیا جاتا ہے۔

اصل و فرع کا بنیادی رشتہ یہ ہے کہ اصل زمین کے اندر پوشیدہ رہتی ہے اور فرع نگاہ کے سامنے آتی ہے ـــــ اصل شاداب ہے یا خشک ہوگئی ہے۔ اس میں زندگی باقی ہے یا ختم ہوگئی ہے ـــــ اس کی نشوونما کی صلاحیت کس منزل پر ہے۔ ان تمام باتوں کا اندازہ فروع یعنی شاخوں سے ہوتا ہے۔ شاخیں شاداب ہوتی ہیں تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ جڑوں میں زندگی باقی ہے اور ان کی نشوونما کی صلاحیت مردہ نہیں ہوئی، اور شاخوں کو زندہ و پائندہ و سرسبز و شاداب رکھنا ہوتا ہے تو ان پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں ہوتا بلکہ جڑوں میں پانی دیا جاتا ہے تاکہ شاخوں کی زندگی برقرار رکھی جاسکے۔

اسلام میں اصول و فروع اور عقائد و اعمال کا یہی رشتہ ہے کہ عقائد اصول کی حیثیت رکھتے ہیں اور اعمال فروع کی۔ عقائد کے استحکام سے اعمال میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور اعمال کی پاکیزگی اور پابندی سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقائد میں کس قدر صحت اور سلامتی پائی جاتی ہے۔

عقائد کے اعتبار سے سارے احکام فروع کا مرتبہ رکھتے ہیں لیکن فروعِ دین میں صرف چند محدود باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور اس کا غالباً راز یہ ہے کہ فروعِ دین میں ان امور کا شمار کیا جاتا ہے جو اصول اور عقائد کے تقاضے کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ انسانی زندگی کے مسائل دو قسم کے ہیں۔ بعض مسائل اس کے عقائد کے تقاضے اور نتائج ہیں اور بعض کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ پہلی قسم کو عبادات کہا جاتا ہے جن کا براہِ راست تعلق عقائد اور اصول سے ہے کہ ان میں قربت خداوندی کا تصور ذہن سے نکل جائے تو ان کی واقعی حیثیت ہی ختم ہو جائے۔ قربت الٰہی کے تصور کے بغیر نماز نماز ہے اور نہ روزہ روزہ۔ دنیاوی معاملات کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ ان میں قربت الٰہی کا تصورِ تقدس، پاکیزگی، بلندی اور ثواب تو پیدا کر سکتا ہے لیکن ان کی بنیاد نہیں بن سکتا کہ اس کے بغیر معاملہ کا تصور ہی ختم ہو جائے، تجارت بہرحال تجارت ہی رہے گی قربت خداوندی کے لئے ہو یا ریاکاری کے لئے، نکاح بہرحال نکاح رہے گا ثواب کی غرض سے ہو یا جنسی خواہش کی تسکین کے لئے ـــــ عبادات کی یہ شان نہیں ہے۔ ان میں قرب الٰہی کا تصور مفقود ہو جائے تو عبادت کی شان ہی ختم ہو جاتی ہے۔

فروعِ دین میں انہیں مسائل کو شمار کیا جاتا ہے جن کا بہرحال عقائد سے تعلق ہے اور جنھیں عقائد کے تقاضوں کی حیثیت حاصل ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولّا، تبرّا۔

کہ نماز و روزہ عقیدۂ توحید کے براہِ راست تقاضے ہیں۔ جس کا ایمان رب العالمین اور اس کی عدالت پر ہے اسے بندگی کرنا چاہئے۔ حج بیت اللہ کی بھی یہی حیثیت ہے کہ وہ بیت اللہ کے متعلق اعمال انجام دینے کے لئے ہے۔ زکوٰۃ خمس و جہاد کی یہی نوعیت ہے کہ جس کا ایمان اس بات پر ہے کہ ہماری جان و مال سب اللہ کے لئے ہے اور اسی کا دیا ہوا ہے۔ اسے اس کی راہ میں جان و مال دونوں کی قربانی دینی چاہئے۔ خمس کا تعلق رسالت و امانت پر ایمان سے بھی ہے کہ اس میں رسولؐ اور ان کے قرابتداروں کا بھی حصہ ہے۔ تولّا اور تبرّا بھی رسالت اور امامت سے

متعلق اعمال ہیں کہ تولا ان سے اور ان کے محبوب کردار سے عملی محبت کا نام ہے اور تبرا ان کے ناپسندیدہ کردار اور دشمن افراد سے عملی بیداری کا مظاہرہ ہے۔ امر و نہی ان تمام عقائد کا ماحصل ہے کہ انسان خود بھی اپنے ایمان کے تقاضوں کی پابندی کرے اور دوسروں کو بھی اس نظام کا پابند بنائے۔

اعمال میں جزا و سزا کا تصور انسان کے کردار کو پختہ تر بناتا ہے اور اس کی قوتِ عمل کو تیز تر بنا دیتا ہے اس لئے عقیدہ قیامت بھی پوری عملی دنیا سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ دنیاوی معاملات کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ ان معاملات کا براہِ راست ثواب و عذاب سے تعلق نہیں ہے۔ لہذا انھیں عقائد کا بلا واسطہ تقاضا نہیں قرار دیا جا سکتا۔

علما، اعلام نے فروعِ دین میں عبادات کا تذکرہ اسی لئے کیا ہے کہ یہ شاخیں جڑوں سے براہِ راست رابطہ رکھتی ہیں اور ان سے اصول و عقائد کے احکام و عدم استحکام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بندگیٔ پروردگار سے انحراف کرنے والا انسان لاکھ اصول کی پختگی کا دعویٰ کرے اسکا دعویٰ قابلِ قبول نہیں ہے۔ جڑ مضبوط، شاداب اور مستحکم ہوگی تو درخت میں شاخیں ضرور ہوں گی۔ شاخوں کا فقدان دلیل ہے کہ جڑیں کمزور یا خشک ہو چکی ہیں اور ان میں زندگی باقی نہیں رہ گئی ہے۔

ایک صحیح العقیدہ انسان تجارت، زراعت، اجارہ، نکاح، طلاق، قرض، شرکت، مزارعہ، مساقات وغیرہ کے بغیر زندگی گذار سکتا ہے لیکن نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ خمس، جہاد جیسے اعمال کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتا اور اسے اپنے اپنے ظرف پر عمل کا پابند بننا پڑے گا ورنہ اس کا عقیدہ بے جان اور بے روح کہا جائے گا۔

سبق ۲

عبادات کا امتیاز

معاملات کے مقابلہ میں عبادات کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ معاملات عام طور سے مخلوق مخلوق کے روابط کا نظام ہے اور عبادت عبد و معبود کے رابطہ کی تنظیم ہے اور انسان مخلوق کے رابطہ سے بے نیاز ہو سکتا ہے لیکن خالق کے واسطہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ـــــ اور یہی وجہ ہے کہ مخلوق کے واسطہ کا نظام حالات کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اور خالق سے رابطہ کا ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ نماز کی رکعتیں معین ہیں، روزہ کا زمانہ معین ہے، خمس کا سال معین ہے ـــــ لیکن معاملات کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ ان میں حالات کے ساتھ تبدیلی بھی ہوتی رہتی ہے اور اس کا راز یہی ہے کہ عبادات تبدیل نہ ہونے والے رشتہ کا تقاضا ہے اور معاملہ تبدیل ہونے والے رشتہ کا علاج ہے اور ہر علاج اپنے مسئلہ کی نوعیت سے مربوط و متعلق رہتا ہے۔

فروعِ دین میں انھیں مسائل کو شمار کیا گیا ہے جن کا تعلق عبد و معبود کے واسطہ سے ہے اور جن میں اسلامی شریعت پر عمل کرنے یا عملدرآمد کرانے کی دعوت دی گئی ہے اور اس طرح عبادت کا ایک مسلسل و مفصل نظام مرتب کیا گیا ہے۔

فروعِ دین میں امر و نہی کے ساتھ تولا، تبرا کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ عملی زندگی عملی نمونہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمان اچھائیوں کو اختیار کرے، ان کی دعوت دے، برائیوں کو ترک کرے، ان سے پرہیز کرنے کی ہدایت کرے ـــــ اور پھر نیک

بندوں سے محبت بھی رکھے اور بدکردار افراد سے نفرت بھی کرے تاکہ امر ونہی کے جذبہ میں استحکام پیدا ہو اور محبت ونفرت کے جذبات قوتِ عمل کو مزید مستحکم تر بنائیں۔

امر ونہی اور تولّا وتبرّا کی اس اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر علماء محققین نے ہمیں فروعِ دین میں امتیازی حیثیت سے بیان کیا ہے ورنہ اکثر مقامات پر فروعِ دین کی فہرست جہاد پر ختم ہوجاتی ہے۔ امر ونہی، تولّا وتبرّا، تذکرہ فروع میں اس لئے بھی ضروری ہے کہ مسلمان کو روزِ اوّل یہ احساس پیدا ہو کہ اسلام خود غرضی اور مفاد پرستی کا نام نہیں ہے، اس کا مقصد صرف اپنے کردار کو پاکیزہ بنالینا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ سارے سماج اور معاشرہ کو لے کر چلنے کا قائل ہے اور وہ مسلمان میں ایک اجتماعی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور پھر تولّا وتبرّا کے ذریعہ یہ بھی سمجھنا چاہتا ہے کہ عمل صاحبِ عمل سے الگ کوئی شے نہیں ہے اور عمل صاحبِ عمل کی زندگی پر بہرحال اثر انداز ہوتا ہے۔ عمل بہتر ہے تو صاحبِ عمل اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس سے محبت کرے اور عمل خراب ہے تو صاحبِ عمل اس قابل ہے کہ ہر صاحبِ ایمان اس سے بیزاری کا اظہار کرے۔

تولا وتبرا میں ہر صاحبِ عمل سے محبت اور نفرت کا عقیدہ اس لئے داخل نہیں ہے کہ عام طور سے ہر انسان مرکب اعمال کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں اچھے اعمال بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ـــــ ایسا انسان نہ نمونۂ عمل بن سکتا ہے اور نہ اس کے کردار کو مذہب میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مذہب نے تولّا وتبرّا کا مرکز ان افراد کو قرار دیا ہے جن کے کردار کو بنیادی حیثیت دی جاسکے۔ اس نے انھیں افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا جن کے کردار میں نیکی ہی نیکی ہے اور بدی کا تصور ہے ـــــ اور انھیں افراد سے بیزاری کو جزو مذہب قرار دیا ہے جن کے کردار میں برائی ہی برائی ہے اور ان کی ظاہری اچھائی بھی حقائق کی نگاہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی اور اس طرح اسلام کا نظامِ محبت ونفرت ایک مکمل نظام بن جاتا ہے۔

سبق ۳

نماز

فروعِ دین میں سب سے پہلا درجہ نماز کا ہے۔ نماز دین و دنیا کی خوبیوں کا مرکز اور ہر برائی سے روکنے والی ہے۔ قرآن مجید نے نماز کو مختلف اوصاف سے یاد کیا ہے۔

* نماز برائی سے روکنے والی ہے۔
* نماز قائم کرو اور مشرکین میں شمار نہ ہو جاؤ۔
* نماز صاحبانِ ایمان کے لئے اوقات کی تعیین کے ساتھ فرض ہے۔
* نماز اللہ کے نیک بندوں کے علاوہ سب کو گراں گزرتی ہے۔
* نماز وہ نیکی ہے جس سے برائیوں کو زوال ہوتا ہے۔
* نماز خدا سے مدد مانگنے کا بہترین ذریعہ ہے۔
* نماز بھول جانے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔
* نماز کی ملائکہ گواہی دیتے ہیں۔
* نماز میدانِ جہاد میں بھی قائم ہونی چاہئے۔
* نجات پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے صاحبانِ ایمان کے لئے ہے۔

معصومینؑ کے ارشادات میں بھی نماز کے مختلف فضائل و امتیازات کا تذکرہ کیا گیا ہے:۔

* نماز دین کا ستون ہے۔
* نماز مومن کی معراج ہے۔

* نماز متقی کا وسیلۂ تقرب ہے۔
* نماز بہترین حکمِ شرعی ہے۔
* نماز پر اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے۔
* نماز اسلام وکفر کے درمیان حدِ فاصل ہے۔
* نماز ایمان وکفر کو الگ کرنے والی ہے۔
* نماز مومن کی تطہیر کا بہترین ذریعہ ہے۔
* نماز بارگاہِ خداوندی میں حاضری ہے۔
* نماز ہی کے بارے میں روزِ قیامت سب سے پہلے سوال کیا جائے گا۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہے تو ان تمام عناصر پر نگاہ کرنا ہوگی جن سے نماز مرکب ہوئی ہے۔اس لئے کہ ہر چیز کی اہمیت حسب ذیل امور سے معلوم ہوتی ہے :۔

* یہ چیز خود کیا ہے اور اس کے اجزا ترکیب کیا ہیں۔
* ان کا انتساب کس کی طرف ہے اور اس کا مطالبہ کس نے کیا ہے اور کس انداز سے کیا ہے۔
* اس کا مقصد کیا ہے۔
* اس کے اثرات ونتائج وفوائد کیا ہیں اور دیگر اشیاء کے مقابلہ میں اس کی جگہ کیا ہے۔

سبق ۴

عظمتِ نماز کے ارکانِ اربعہ

۱۔ نماز کیا ہے؟

نماز کے اعمال و افعال پر نگاہ رکھنے والا جانتا ہے کہ نماز کے جملہ افعال و اعمال، حرکات و سکنات سے ایک سے زیادہ ایک اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے بے ورزش یا غیر اہم قرار دیا جا سکے۔

نماز کا آغاز تکبیر ہے اور انجام تسلیم۔ تکبیر عظمتِ پروردگار کا اقرار و اظہار ہے اور تسلیم بندگی کی آخری منزل ہے جس کا مظاہرہ مختلف سلاموں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

نماز میں تکبیر کے بعد قرائت ہے ـــــ قرائت کے بعد رکوع و سجود اور ان کے اذکار ہیں جن میں عظمت و علوِ پروردگار کی تسبیح ہے۔ رکوع و سجود کے بعد تشہد و سلام کی منزل ہے جن میں عقائد کا اعلان اور عظمتوں کا اعتراف ہے۔

نماز اپنے اذکار اور اعمال دونوں کے اعتبار سے انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں کوئی ایسا ذکر نہیں ہے جو انسانی زندگی کے لئے کردار ساز نہ ہو اور کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو بندگی کی تکمیل کا وسیلہ نہ ہو ـــــ وہ انسان جسے سرفراز و سربلند بنایا گیا ہے اور جس کے جسم کی ساخت جانوروں جیسی نہیں ہے کہ ان کا سر ہر وقت ہر شے کے سامنے جھکا رہے۔ اسے سربلند پیدا کیا گیا ہے تاکہ جب، سر جھکائے تو منزل پہچان کر جھکائے اور کسی آن اپنی اشرفیت سے

غافل نہ ہو۔ ایسا انسان جب سجدۂ معبود میں سر رکھتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عرفان کی کس منزل پر ہے اور اس نے اپنے پروردگار کی معرفت کے کتنے درجات طے کر لئے ہیں۔

اذکار میں بھی تکبیر سے لے کر تشہد تک سارے اذکار انسان کے ذہن کی بلندی، اس کے خیالات کی پاکیزگی، اس کی احسان شناسی اور اس کے عرفانِ کامل کی بہترین دلیل ہے۔ اس طرح درحقیقت ایک صاحبِ ایمان و عرفان اور صاحبِ کردار و اعتبار کے اعضاء و جوارح کے مناسب و متوازن حرکات و سکنات کا نام ہے۔ نماز کسی بے معرفت کا کام نہیں ہے۔ نماز بیجا سر جھکانے کا نام نہیں ہے۔ نماز نا اہل کے سامنے خضوع و خشوع نہیں ہے۔ نماز درباروں میں حاضری نہیں ہے۔ نماز صرف چند مقررہ اوقات پر معمول کے چند کام انجام دینے سے عبارت نہیں ہے۔ نماز عبادت ہے، نماز معرفت ہے، نماز شریعت ہے، نماز طریقت ہے، نماز حقیقت ہے، نماز انبیاء کی سیرت ہے، نماز اولیاء کی امانت ہے، نماز اعمال کے لئے مدارِ قبولیت ہے، نماز رب العالمین کی بارگاہ میں حاضری اور اس سے استعانت ہے، نماز معصومین کی زندگی ہے ـــــ اور نماز اصل اصولِ بندگی ہے۔

۲۔ نماز کا انتساب

نماز کسی رئیس، سلطان، شیخ یا وزیر و سفیر کا پیغام ہوتا تو اس کی حیثیت کا اندازہ ان افراد کی حیثیت اور ان کے عہدوں سے لگایا جاتا کہ ہر حکم اپنے حاکم کے معیار سے اہمیت پیدا کرتا ہے اور ہر شے اپنے مالک کے انتساب سے اپنی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے۔

نماز رب العالمین کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے جس کا قرآن مجید میں تقریباً چھتیس ۳۶ مقامات پر مطالبہ کیا گیا ہے اور پھر یہ پابندی بھی عائد کی گئی ہے کہ اسے جب بھی ادا کیا جائے میرے ہی لئے ہو "اقم الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی" نماز میری یاد کے لئے قائم کرو ـــــ یعنی اس کی ابتدا بھی میں ہوں اور اس کی انتہا بھی مجھ کو ہی ہونا چاہئے۔ اسے میں نے ہی فرض

کیا ہے۔ اور اس کی ادائیگی بھی میرے ہی تقرب کے لئے ہونی چاہئے۔ ایسی باعظمت عبادت جسے رب العالمین صرف اپنی طرف منسوب رکھنا چاہتا ہو اور جسے پورے اہتمام کے ساتھ نازل کیا گیا ہو۔ اس سے زیادہ بلند و بالا کس عمل کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی روایات میں اس نکتہ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ مالک کائنات نے سارے احکام جبرئیل امین کے ذریعہ عرشِ اعظم سے زمین پر نازل کر دیئے ہیں لیکن جب نماز پنجگانہ کا وقت آیا تھا تو اس کے لئے معراجِ پیغمبرؐ کا موقع منتخب کیا تھا اور جب پیغمبرؐ کو معراج کی رات بلایا تو واپسی پر نماز پنجگانہ کا حکم بھی ساتھ کر دیا تاکہ پیغمبرؐ اپنی امت کے لئے کوئی تحفہ لئے بغیر نہ جائے ——— نور زہراؑ معراج سے تحفظِ نماز کا وسیلہ بن کر نازل ہوا ہے۔

دنیا کا اصول ہے کہ جب انسان کسی طویل سفر سے واپس آتا ہے تو لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ دوسرے ملک سے ہمارے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لایا ہوگا بلکہ مقامات پر تعلقات اور محبت کی آزمائش کا ذریعہ بھی یہی ہے کہ کیا تحفہ لایا ہے اور کیسا تحفہ لایا ہے۔ رب العالمین سے بہتر کون جانتا ہے کہ میرا حبیب ایسے طویل سفر پر آیا ہے جیسے سفر پر نہ اس سے پہلے کوئی آیا تھا اور نہ اس کے بعد کوئی آئے گا۔ یہ جب اپنی امت سے ایسے طویل سفر اور اس کے منازل کا ذکر کرے گا تو ہر ایک میں یہ اشتیاق پیدا ہوگا کہ کاش وہاں سے کوئی تحفہ لائے ہوتے ——— میرے امکان میں یہ بھی تھا کہ جنت کے میوے یا کوثر کا پانی بھیجتا جو بندوں کے لئے بے حد مفید ہوتا ——— لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جنت کا میوہ یا کوثر کا پانی ایک جگہ، ایک وقت اور ایک دور کے لئے کام آئے گا اور یہی لوگ آپس میں تقسیم کر کے ختم کر دیں گے اور میرا حبیبؐ کسی ایک ملک، وقت اور دور کا پیغمبر نہیں ہے۔ اس کی معراج مکہ و مدینہ اور جزیرۃ العرب کی معراج نہیں ہے۔ اس کی معراج انسانیت، عبودیت اور عظمتِ بشر کی معراج ہے، اس کا تحفہ ایسا ہونا چاہئے جو بندگی، عبودیت اور معراج کے شایانِ شان ہو۔ لہذا اس نے حکم نماز کو ساتھ کر دیا جس میں شانِ بندگی بھی ہے، رازِ عبدیت بھی ہے اور معراجِ مومن بھی ہے۔ اب نماز صرف ایک حکم الٰہی ہی نہیں

ہے بلکہ معراج کا تحفہ بھی ہے ـــــ اور تحفہ کا مزاج یہ ہے کہ انسان اگر ایک تحفہ کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتا ہے تو مسافر دوسرے عظیم تحفہ کو خود ہی پیش نہیں کرتا ـــــ وہ تحفہ انھیں کو دیا جاتا ہے جو بظاہر معمولی تحفہ کو پہلے قبول کر چکے ہوں ۔ اسی لئے معصومینؑ نے اعلان کر دیا ہے کہ ہماری طرف سے دنیا میں نماز ایک عطیہ ہے اور قیامت میں شفاعت ایک کرم ہے ۔ اگر کسی شخص نے دنیا میں ہم سے نماز کو لے لیا تو آخرت میں شفاعت کا بھی امیدوار رہے گا اور اگر یہاں نماز کو سبک ، ہلکا اور معمولی سمجھ کر ٹھکرا دیا تو قیامت میں ہماری شفاعت سے بھی محروم رہے گا ۔

۳۔ مقصدِ نماز

کسی شے کی اہمیت کا اندازہ اس کے مقصد کی بلندی سے بھی ہوتا ہے ۔ مقصد بلند ہوتا ہے تو اس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شے بلندی کی حامل ہے ورنہ ایسے مقصد کی تحصیل کا ذریعہ اسے نہ بنایا جاتا ۔

نماز کے مقاصد آیات و روایات میں مختلف انداز سے بیان کئے گئے ہیں ۔

کہیں ارشاد ہوا کہ نماز قائم کرو ہماری یاد کے لئے ـــــ جس کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کا سب سے بڑا مقصد یادِ پروردگار ہے اور انسان کے لئے یادِ معبود سے زیادہ کسی شے کی اہمیت نہیں ہے ۔ یادِ خدا سکونِ نفس کا بہترین ذریعہ ہے ـــــ یادِ خدا مصائب سے ٹکرانے کا بہترین حوصلہ ہے ۔ یادِ خدا تنہائی کی بہترین مونس ہے ۔ یادِ خدا راحتوں میں بہترین مبلغ ہیں ـــــ یادِ خدا خلوتوں میں بہترین واعظ ہے ـــــ یادِ خدا ذہن کی بلندی ہے ۔ یادِ خدا دماغ کی عظمت ہے ۔ یادِ خدا دل کی تقویت ہے ـــــ اور نماز یادِ خدا کا بہترین وسیلہ ہے ۔

نماز یادِ خدا کا ایک ایسا وسیلہ ہے کہ اس کا وضو یا غسل قربۃ الی اللہ ہوتا ہے ۔ اس کی نیت قربۃ الی اللہ ہوتی ہے ۔ اس کی تکبیر ذکرِ پروردگار ہے ۔ اس کی تلاوت کلامِ الٰہی ہے ۔ اس میں تکبیرۃ الاحرام ، تکبیرِ رکوع ـــــ تکبیرِ سجدۂ اول ـــــ تکبیر بعد از سجدہ ۔ تکبیر سجدۂ دوم ۔

تکبیر بعد از سجدہ مسلسل تکبیرات ہیں اور ہر تکبیر ایک ذکر پروردگار ہے۔ اس کا تشہد بھی یادِ خدا کا وسیلہ ہے اور اس کے مبطلات بھی حکمِ خدا کی طرف التفات اور توجہ کا ذریعہ ہیں۔ غرض اوّل سے آخر تک نماز صرف یادِ خدا کا ذریعہ ہے کہ انسان توجہ کے ساتھ نماز ادا کرے تو خدا اس کے ذہن سے نکل ہی نہیں سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عادت اور عبادت میں فرق نہ کرنے والے بربنائے عادت نماز پڑھ لیتے ہیں اور ان کے ذہن میں خدا کا تصور بھی نہیں پیدا ہوتا لیکن ایسے قیام و تصور کو نماز کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ نماز ایک عبادت ہے اور عبادت کی روح و جان قربت الٰہی کا تصور ہے۔

بعض صاحبانِ معرفت نے یہ بالکل صحیح بات کہی ہے کہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ غفلت میں نماز ادا کرتا ہے تو پوری نماز سکون سے پڑھ لیتا ہے اور اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو شکیات اور سہویات کا شکار ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے انسان عادت پر عمل کرتا ہے، عبادت نہیں کرتا ـــــ عادت غفلت میں بھی مکمل ہو جاتی ہے لیکن عبادت کے لئے التفات اور توجہ درکار ہے۔ توجہ کے بغیر عبادت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

نماز کا دوسرا مقصد معصومینؑ نے اپنی حدیثوں میں بیان فرمایا "فرض عَلَیکم تنزیہًا لکم من الکبر" خدا نے تم پر نماز واجب کی ہے تاکہ تمہیں تکبّر اور غرور سے پاک و پاکیزہ رکھے۔

نماز انسانی ذہن کو غرور سے پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ تاریخوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدر اسلام میں نماز کا حکم آیا تو مغرور عرب کے سامنے یہ مسئلہ بھی پیدا ہو گیا کہ ہم کسی کے سامنے سر جھکانے کے لئے تیار نہیں ہیں ـــــ اور جھکنا بھی ایسا کہ پیشانی خاک تک پہنچ جائے۔ یہ ہماری قومی عظمت اور نسلی برتری کے خلاف ہے۔ ہم نے آج تک کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا تو اب یکبارگی پیشانی خاک پر رکھ دیں، یہ کس طرح ممکن ہے۔

سرکار دو عالمؐ نے اس نکتہ کی وضاحت فرمائی کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے جھکے اور وہ کسی کے سامنے سر نہ جھکائے۔ میرے

اعلانِ لَآ اِلٰہ کا مقصد بھی یہی ہے ـــــ لیکن انسان کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ عظمت اور برتری اس کی اپنی ذاتی نہیں ہے۔ اس کا وجود خود بھی اپنا نہیں ہے۔ اس کی صلاحیت بھی کسی اور کی دین ہے۔ لہذا اس کا یہ غرور اس کے مقابلہ میں مناسب نہیں ہے جس نے اسے ان عظمتوں اور بلندیوں کا حامل بنایا ہے۔ اسلام نے یہ نماز اس لئے واجب قرار دی ہے کہ انسان اپنی عظمت کے ساتھ اس کی عظمت کا بھی خیال رکھے جس نے اسے صاحبِ عظمت بنایا ہے اور اس کی بزرگی کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے تیار ہے۔

۴۔ اثراتِ نماز

اثرات کے اعتبار سے بھی نماز ایک بہترین عبادت ہے جس کے اثرات صرف آخرت تک محدود نہیں ہیں بلکہ دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور بعض اثرات تو زندگانی دنیا میں بہرحال ظاہر ہوتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا بشرطیکہ وہ نماز نماز ہو۔ اس کا تصور بارگاہِ احدیت میں حاضری ہو۔ اس کا اِیَّاکَ نَعْبُدُ دل کی آواز ہو اور اس کے اعمال و افعال حکمِ الٰہی کے مطابق حرکت کرنے سے عبارت ہوں ـــــ ورنہ نماز صرف قیام وقعود اور رسمی حرکات کا نام ہو جائے تو اسے اس کا اثر سے خالی ہونا ضروری ہے کہ اثرات واقعیات پر مرتب ہوتے ہیں ظاہرِیّت پر نہیں۔

نماز کا سب سے بڑا اثر قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ"۔ نماز ظاہر و باطن کی برائی سے روکتی ہے۔ قصّہ مشہور ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی بارگاہ میں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی کہ لاکھ کوشش کے باوجود گناہوں سے چھٹکارا نہیں ملتا ـــــ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ گناہوں میں کچھ تخفیف ہوجائے اور بعض گناہوں کی اجازت مل جائے؟

آپ نے فرمایا کہ فی الحال جھوٹ بولنا چھوڑ دے، پھر آزادی ہے۔ اس نے انتہائی مسرّت کا احساس کیا اور واپس آگر حسبِ عادت گناہوں کے ارادے سے نکلا لیکن جس طرف

گیا یہ احساس پیدا ہوا کہ کل سرکارِ دو عالمؐ کی بارگاہ میں حاضری دوں گا تو اگر انھوں نے اس گناہ کے بارے میں پوچھ لیا تو جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کر چکا ہوں اور سچ بولنے کی صورت میں سرکارؐ کے سامنے گناہ کا اقرار کرنا پڑے گا اور یہ اپنے بس کی بات نہیں ہے کہ حضورؐ کے سامنے یہ اعلان کر سکوں کہ میں نے فلاں گناہ کیا ہے ـــــ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے گناہوں سے باز آگیا اور جب دوسرے دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے صورتِ حال کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ ایک جھوٹ چھوڑنے کی برکت سے سارے گناہ چھوٹ گئے اور اب میں مکمل طور سے تائب ہو چکا ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف سرکارِ دو عالمؐ کی بارگاہ میں حاضری اور آپ کے محاسبہ کے خوف سے اس نے سارے گناہوں کو ترک کر دیا تو اگر مسلمان کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ نماز روزانہ پانچ مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا نام ہے اور محشر کا سارا حساب و کتاب اس کے اختیار میں ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس سے گناہ ترک نہ ہو جائیں اور وہ پاک سیرت نہ ہو جائے۔

نماز کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اجتماع میں بھی ہوتی ہے اور تنہائی میں بھی ـــــ اور دونوں صورتوں میں حاضری خدائے کریم ہی کی بارگاہ میں ہوتی ہے تو اگر توجہ قلب کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو یہ احساس خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ جو خدائے علیم و خبیر بند کمرہ میں میری نماز کو دیکھ کر مجھے اجر و ثواب دیتا ہے۔ میری عبادتوں کو دیکھ کر میری دعاؤں کو قبول فرماتا ہے ـــــ وہ بند کمرے میں میری شرارتوں کو بھی دیکھتا ہے۔ جو حالت نماز میں میرے دل کی آواز سنتا ہے وہ دیگر حالات میں بھی دل کے رازوں سے باخبر ہے۔

یہ احساس انسان کی زندگی میں انقلابِ عظیم پیدا کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کو یہ کہنے کا حق ہے کہ نماز ہر برائی سے روکتی ہے۔ نماز کے دنیاوی اثرات میں قوتِ قلب اور سکونِ نفس بھی ہے۔

انسان کا مزاج ہے کہ بڑی سے بڑی مہم پر جاتے وقت اگر کوئی دمساز و ہمراز مل جاتا

ہے تو دل کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور انسان پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھتا ہے۔ اس طرح سخت سے سخت مرحلۂ حیات سے واپس آنے کے بعد اگر کوئی ہمدرد اور مہربان مل جاتا ہے جو دردِ دل سن لیتا ہے اور سہارا دے دیتا ہے تو حوصلوں میں خود بخود اضافہ ہو جاتا ہے۔

اسلام نے نماز کو اسی ترتیب کے ساتھ رکھا ہے اور انسانی زندگی کو اس انداز سے منظم کیا ہے کہ انسان صبح کو گھر سے نکلنے سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں حاضری دے کر یہ گذارش کرے کہ میں زندگی کے مختلف مسائل و مشاکل کا سامنا کرنے کے لئے گھر سے نکل رہا ہوں۔ میرے سامنے کسبِ معاش۔ ظلمِ حکام، جورِ زمانہ، حسدِ حاسدین، شرِ اشرار جیسے بیشمار مسائل ہیں اور ان مسائل میں تیری مدد درکار ہے۔ "ایاک نستعین" — اور پھر اسے یہ احساس پیدا ہو کہ جس سے کہہ رہا ہے وہ سمیع و بصیر اور صادق الوعد ہے۔ اپنے بندوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑتا۔ غریبوں کو سہارا دیتا ہے۔ مظلوموں کی مدد کرتا ہے مستضعفین کے حوصلے بڑھاتا ہے اور پھر اپنی ہی زبان سے اعلان کرے کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہ خدا ہر حمد کرنے والے کی سُن لیتا ہے اور اس کی بات قبول کر لیتا ہے — تو میدانِ حساب میں قدم رکھتے وقت ایک نیا حوصلہ اور ایک نیا عزم ہوگا — اس کے بعد دوپہر کو تھکا ہارا واپس آئے گا اور پھر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مصائبِ دنیا کی سرگذشت بیان کر کے مستقبل کے لئے طالبِ امداد ہوگا تو غم کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور عمل کا حوصلہ بلند تر ہو جائے گا۔

یہی حال دوپہر سے شام تک کے اعمال اور شام کی واپسی کے موقع پر ہوگا — تو زندگی کا ہر لمحہ ایک نئے حوصلہ کا حامل ہوگا اور زندگی کے ہر موڑ پر ایک نیا عزم کارفرما ہوگا — اور یہ ایک ایسا فائدہ ہے جس کے مقابلہ میں سلاطین کا وعدہ، سپر پاورز کے سہارے اسلحوں کے انبار، لشکروں کے سلسلے کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

نماز اپنے مقدمات کے اعتبار سے بھی دنیاوی اثرات کی حامل ہے کہ ہر مقدمہ نماز ایک نئی تربیت کا سامان اور ہر شرطِ نماز سے ایک نئی کیفیت وجود میں آتی ہے۔

نماز اپنے اوقات کے اعتبار سے بھی بے شمار اثرات کی مالک ہے جس کے تفصیلات آئندہ اسباق میں بیان ہوں گے۔

نماز اپنی جماعت کے اعتبار سے ملتِ اسلامیہ میں ہم آہنگی، ایک قیادت کے اشارہ پر قیام و قعود کی نشاندہی کرتی ہے جس کا احساس خود بے خبر نمازی کو ہو یا نہ ہو دیکھنے والوں کو ضرور ہوتا ہے۔

قصہ مشہور ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ کی خدمت میں دوسرے ملک کا نمائندہ آیا اور اس نے کہا کہ مجھے اس ملک کے حاکم سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ـــــ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں اس ملک کا حاکم نہیں ہوں، اس کا حاکم کوئی اور ہے۔ درباری جاہ وجلال کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گیا کہ جب اس کا یہ عالم ہے تو واقعی حاکم کا کیا عالم ہوگا ـــــ اس نے گذارش کی کہ کیا ممکن ہے کہ اس ملک کے واقعی حاکم کی زیارت بھی نصیب ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا بیشک ممکن ہے۔ تمھیں تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔ وہ دربار میں منتظر بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ وقت نماز آیا۔ بادشاہ نے وضو کیا اور مہمان کو ساتھ لے کر عبادت گاہ تک پہنچا۔ وہاں نماز شروع ہو چکی تھی۔ بادشاہ نے فوراً نیت کی اور شریک جماعت ہو گیا۔ مہمان بغور صورتِ حال کا مطالعہ کرتا رہا اور جب نماز ہو گئی تو کہا کہ مجھے حاکم سے ملنا تھا۔ آپ مجھے یہاں لے آئے۔ بادشاہ نے کہا تھوڑی دیر اور صبر کرو ـــــ اور یہ کہہ کر عالمِ دین کی خدمت میں لے آیا اور کہا کہ اس ملک کے واقعی حاکم یہ ہیں جن کے اشاروں پر میرا قیام وقعود اور رکوع وسجود ہوتا ہے۔ یہ میرے احکام کے پابند نہیں ہیں۔ میں ان کے اشاروں پر اٹھتا بیٹھتا ہوں ـــــ وہ شخص حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ معمولی لباس کا انسان اس قدر عظمت کا مالک ہے اور مسلمانوں میں ایسی قیادت بھی پائی جاتی ہے ـــــ لیکن عزیزانِ محترم۔ یہ اسی ملک اور اسی قوم میں ہوتا ہے جس کے بادشاہ کو علم اور عالم کی عظمت کا احساس ہو ورنہ امامِ جماعت جماعت کا نوکر اور قوم کا خادم بن جائے تو جماعت بھی اپنی حیثیت، عظمت اور واقعیت کو کھو بیٹھتی ہے۔

سبق ۵

معراجِ ظاہری

نماز کے بارے میں مشہور و معروف بات ہے کہ "نماز مومن کے لئے معراج ہے"۔ اور اُس سے مسلمان کو عجیب و غریب بلندی حاصل ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ چند لمحے اس مسئلہ پر غور کیا جائے کہ نماز سے انسان میں کون سی بلندی پیدا ہوتی ہے اور نماز کس طرح مردِ مسلمان کو معراج کے مدارج طے کراتی ہے۔

یاد رکھئے کہ نماز کی دو حیثیتیں ہیں۔ ظاہری۔ واقعی۔

نماز دونوں حیثیتوں سے عظیم ترین بلندی کی حامل ہے اور مردِ مسلمان کو عظیم ترین بلندیوں کے مراحل تک پہنچا دیتی ہے۔

ظاہری اعتبار سے ـــــ نماز اسی بلند ترین منزل کا نام ہے جس میں قدم رکھنے کے لئے انسان کو احساسِ بندگی کے سات آسمان طے کرنا پڑتے ہیں۔ اس کے بعد انسان سرحدِ نماز میں قدم رکھتا ہے۔

احساسِ بندگی کے ان ساتوں آسمانوں کو مقدماتِ نماز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان نماز شروع کرنے سے پہلے یہ احساس پیدا کرے کہ وہ آزاد اور صاحبِ اختیار نہیں ہے۔ وہ کسی خدا کا بندہ ہے اور اس کے سارے اعمال اس کی مرضی کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ وہ بندگی ہی اپنی پسند اور مرضی کے مطابق نہیں کر سکتا بلکہ اس کے آداب بھی اسی کی بارگاہ سے حاصل کرنا ہوں گے جس کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔

پہلی منزل ـــــ طہارت

نماز میں داخلہ کی پہلی شرط ہے طہارت ـــــ اور طہارت کی بھی دو قسمیں ہیں ـــــ ظاہری، باطنی۔

ظاہری طہارت کا مطلب یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے لباس اور بدن کا جائزہ لے لے کہ اس پر کسی طرح کی نجاست نہ لگی ہو اور وہ بارگاہِ الٰہی کے آداب کے خلاف نہ ہو ـــــ وہ جس لباس میں حاضری کو پسند کرتا ہے اسی لباس میں حاضری دی جائے اور جس انداز سے بلانا چاہتا ہے اسی طرح پیش ہو۔

باطنی طہارت کا مطلب یہ ہے کہ حسبِ قوانین وضو یا غسل یا تیمم کر کے اس بارگاہ میں قدم رکھے تاکہ یہ احساس پیدا ہو کہ جس عبادت میں داخل ہونے کے لئے ظاہر و باطن کی طہارت درکار ہے وہ خود کس قدر پاک و پاکیزہ بنانے والی اور تزکیۂ نفس کا انتظام کرنے والی ہوگی۔

وضو و غسل کے ساتھ تیمم اس امر کی نشاندہی ہے کہ انسان کی پسند اور اس کی مرضی کی طہارت کی وہ قیمت نہیں ہے۔ طہارت وہی ہے جس کو خدا طہارت کہہ دے ـــــ وہ پانی سے صاف و شفاف بن جانے والے چہرہ کو پاکیزہ کہے تو وہ پاکیزہ ہے اور خاک سے گرد آلود ہو جانے والے چہرہ کو پاکیزہ کہے تو وہ پاکیزہ ہے۔ اس طرح قانون کی عظمت کا احساس پیدا ہوگا اور حکم الٰہی کے سانچہ میں اپنی پسند کو ڈھال دینے کا نیا جذبہ بیدار ہوگا۔

اسلام نے حالتِ مجبوری میں نجس لباس یا نجس بدن کے ساتھ نماز کو اسی لئے جائز قرار دیا ہے کہ انسان مقدمات میں گم ہو کر اصل کی عظمت سے غافل ہو جائے اور اسے یہ احساس رہے کہ قانونِ طہارت نماز کی عظمت اور برتری کا اعلان ہے ـــــ اب اگر طہارت کے اہتمام و انتظام میں اصل نماز ہی خطرہ میں پڑ جائے تو مقدمات کی خاطر اصل کو قربان نہیں کیا جا سکتا اور اصل نماز بہر حال ادا کی جائے گی تاکہ مسلمان کو یہ احساس ہو کہ وسائل جس مقصد کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اس مقصد کی اہمیت

ہمیشہ وسائل ووسائط سے زیادہ ہوتی ہے اور وسائل ووسائط کی راہ میں اصل اور مقصد کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری منزل ـــــ وقتِ نماز

اسلام نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ مسلمان اوقاتِ نماز کی تعیین اپنی مرضی سے کرے۔ اس نے مسلمان کے جذبۂ بندگی کا بھی احترام کیا ہے اور احساسِ بندگی کو بھی زندہ رکھنا چاہا ہے۔

جذبۂ بندگی کے احترام میں سنتی نمازیں رکھ دیں کہ جس وقت بھی عبادت کرنے کا جی چاہے مسلمان عبادت کرسکتا ہے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری دے سکتا ہے اور اس پر کسی طرح کی پابندی نہیں ہے۔

اور احساس بندگی کو زندہ رکھنے کے لئے واجب نمازوں کے اوقات مقرر کر دیئے تاکہ انسان کو یہ احساس رہے کہ وہ بندگی کے مرحلہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی آزاد نہیں ہے۔ اس کی نماز وقت سے ایک لمحہ قبل ہو جائے تو بھی بیکار ہے اور وقت سے ایک لمحہ آگے بڑھ جائے تو بھی وہ گنہگار ہے اور اس کا شمار واقعی نمازیوں میں نہیں ہے۔

امام حسین علیہ السّلام نے ابو شمامہ کو نماز گذاروں میں شمار ہونے کی دعا اسی وقت دی تھی جب انھوں نے اوّل وقتِ نماز کو یاد کیا تھا تاکہ مسلمان کو اوقات نماز کی اہمیت کا احساس پیدا ہو اور وہ بندگی میں من مانی اور خود پسندی سے کام نہ لے۔

اوقاتِ نماز کی تفصیل بھی انسانی زندگی کا بہترین موضوع ہے کہ جہاں جہاں یادِ خدا سے غفلت کا امکان پیدا ہوا اسلام نے نماز کے ذریعہ یادِ خدا کا بہترین سامان فراہم کر دیا اور مسلمان کو وقت کی اہمیت سے باخبر بنا کر اس میں وقت کی پابندی کا جذبہ پیدا کر دیا۔

صبح کو نیند کے عالم میں ٹھنڈی ہوا کے سہارے یادِ خدا سے غفلت کا امکان تھا تو نمازِ صبح کے لئے بیدار کر دیا اور یہ بیداری صرف آنکھوں کی بیداری نہیں بلکہ ذہن کی بیداری بھی ہے

کہ جس کی چلائی ہوئی نسیم سحر کے سہارے نیند آرہی ہے۔ اس کا حق ہے کہ اس کی اس نعمت پر بھی اس کا شکریہ ادا کیا جائے ـــــ اور اس کی نعمت کو اسی کی یاد سے غفلت کا ذریعہ نہ بنایا جائے ورنہ یہ انتہائی ناشکر گذاری اور نمک فراموشی ہوگی جو انسانیت کے خلاف، شرافت کے منافی اور جذبۂ بندگی کے سراسر مخالف ہے۔

تیسری منزل ـــــ لباس

نمازی کو منزلِ نماز میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے لباس کا بھی جائزہ لینا پڑتا ہے کہ اس کی حیثیت اور نوعیت کیا ہے۔ لباس کے سلسلہ میں حسب ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے:

۱۔ **لباس، لباس کہے جانے کے قابل ہو** ـــــ اسلام میں لباس کی وضع، قطع اور ساخت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ لباس کے ذریعہ تبدیلیٔ جنس کے اظہار کو حرام قرار دیتا ہے لیکن اصل لباس کی کسی مخصوص شکل پر زور نہیں دیتا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لباس، لباس کا کام کرے کہ جس قدر جسم کا چھپانا ضروری ہے لباس اس قدر جسم کے چھپانے کا کام دے سکے۔

مرد کے لئے ستر عورتین ضروری ہے تو لباس ستر عورتین کا کام دے۔ عورتوں کے لئے سارے جسم کی پوشش ضروری ہے تو لباس سر کے بالوں سے پنڈلی تک کی پوشیدگی کا کام دے سکے۔ اس کی نظر میں ململ کا ڈوپٹہ اگر سر کے بالوں کو نہ چھپا سکے تو نماز باطل ہے اور ڈوپٹہ کے بغیر اگر رومال سے بال چھپ جائیں تو کافی ہے۔

وہ نہ سوٹ کو اہمیت دیتا ہے نہ کرتہ پیجامہ کو ـــــ وہ نہ قمیص کو اہمیت دیتا ہے نہ جمپر شلوار کو۔ اس کی نظر میں بس ایک ہی بات کی اہمیت ہے کہ جسم چھپ جائے اور لباس پوشیدگی ہی کا ذریعہ رہے مزید نمائش کا ذریعہ نہ بن جائے۔

۲۔ **لباس پاک و پاکیزہ ہو** ـــــ اسلام نجس لباس یا نجس بدن کے ساتھ نماز کے

آغاز کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کی نظر میں نماز بارگاہِ قدس الٰہی میں حاضری ہے اور بارگاہِ قدس میں نجاست کے ساتھ حاضری ادب وتہذیب کے خلاف ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ مسلمان کی مجبوریوں پر نگاہ رکھتا ہے کہ اگر اسے پاک وپاکیزہ لباس میسّر نہیں ہے تو وہ اسے مالک کی بارگاہ میں حاضری سے محروم نہیں کرتا بلکہ نجس لباس کے ساتھ بھی حاضری قبول کرلیتا ہے کہ اس کی نگاہ میں نماز بارگاہِ احدیت میں حاضری ہے بارگاہِ سلطنت میں نہیں۔ سلاطین آدابِ شاہی پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ اس سے ان کا وقار شاہی وابستہ ہے اور اسلام میں ایسا کوئی بھی خطرہ نہیں ہے۔ انسان کسی بھی شکل میں معبود کی بارگاہ میں حاضر ہوجائے گا معبود کی عظمت میں فرق نہیں آئے گا۔ وہ لباس وآداب پر صرف اس لئے زور دیتا ہے کہ انسان کی شرافت وانسانیت محفوظ رہ سکے اور اس کی زندگی ادب وتہذیب کا مرقع بن جائے ورنہ ربّ العالمین کی عظمت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

۳۔ لباس مباح ہو غصبی نہ ہو ـــــ یعنی اپنی ذاتی ملکیت ہو یا جس کی ملکیت ہے اس کی رضامندی سے استعمال کیا جائے ورنہ مالک کی رضامندی شامل نہیں ہے تو اس لباس میں نماز حرام ہے۔

اس شرط سے اسلام نے مسلمانوں کی زندگی کو غصب وسلب اور لوٹ مار سے محفوظ بنایا ہے کہ جسے بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینا ہے اسے یہ احساس ہونا چاہئے کہ اس بارگاہ میں حاضری ان لوگوں کا کام ہے جو حلال وحرام، جائز وناجائز کا فرق سمجھتے ہوں اور اپنی زندگی میں کسی طرح کی خیانت کا ارتکاب نہ کرتے ہوں ـــــ ورنہ غیر کے پانی سے وضو اور غیر کے لباس میں نماز بندگی کی شان کے خلاف بلکہ مزید جرم اور عظمتِ بارگاہ کی توہین ہے۔

۴۔ لباس مردار وغیرہ کا نہ ہو ـــــ کہ اس طرح انسانی ذہنیت کی خباثت کا اندازہ ہوتا ہے اور خباثت بارگاہِ قدوس میں حاضری کے منافی ہے۔

مُردار سے اجتناب میں یہ اشارہ بھی رکھا گیا ہے کہ اس طرح انسان کو نامِ خدا کی عظمت اور قانون الٰہی کی برتری کا اندازہ ہوتا ہے کہ مُردار صرف مُردہ جانور کا نام نہیں ہے بلکہ مُردار وہ ذبیحہ

بھی ہے جس کا ذبح قانونِ الٰہی کے خلاف یا نام خدا کے بغیر ہوا ہو اور اسلام ایسے جانور کے لباس کو بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے منافی قرار دیتا ہے۔

۵۔ لباس حرام گوشت جانور کا نہ ہو ـــــ اس شرط کو مذکورہ بالا شرط سے ملایا جاتا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں جو حیثیت حرام گوشت جانور کی ہے کہ اس کا ایک بال بھی سرحدِ نماز میں قدم رکھنے کے خلاف ہے۔ وہی حیثیت حلال گوشت جانور کی ہے اگر اس کا ذبیحہ اسلام کے قانون کے مطابق نہ ہو کہ مذہب میں اہمیت قانون کی ہے اور قانون پامال ہو گیا تو نہ نماز کی کوئی حیثیت ہے اور نہ بندگی کی۔

ان تمام شرائط کے ساتھ اسلام نے اس نکتہ پر بھی توجہ دی ہے کہ حالتِ نماز میں انسان کا خضوع و خشوع اور انکسار محفوظ رہے اور اس میں کسی طرح کا غرور نہ پیدا ہونے پائے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ نماز تکبر کا زور توڑنے کے لئے واجب کی گئی ہے۔ اس کا منشا انسانی ذہن سے کبر و نخوت کو نکال کر اس میں عجز و انکسار کی ادا پیدا کرنا ہے اور شاید اسی بنا پر سونا پہن کر نماز پڑھنے کو حرام کر دیا گیا ہے اور ریشمی لباس کو بھی خلافِ آدابِ نماز قرار دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ سونے اور ریشم کی حرمت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ عورتوں کے لئے یہ چیزیں حرام نہیں ہیں اور شاید اس کا راز یہ ہے کہ سونا اور ریشم عورتوں کی زندگی میں زینت و آرائش کا ذریعہ ہے اور مردوں کی زندگی میں اظہارِ شخصیت و حیثیت یا مظاہرہ تانیث کا وسیلہ ہے اور اسلام ان دونوں باتوں کو جرم اور خلاف تہذیب قرار دیتا ہے اس لئے اس نے سونے کے استعمال کو نماز ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہر حال میں حرام قرار دے دیا ہے کہ ہم نے زینت و آرائش کے لئے عورتوں کو پیدا کیا ہے۔ ان کے لئے ان چیزوں کو حلال کر دیا ہے۔ مرد کو جہادِ زندگی کے لئے خلق کیا ہے۔ اس میں مردانگی درکار ہے اور اسے اپنی حیثیت و تشخص کا تحفظ کرنا چاہئے۔ اس کے لئے کوئی ایسی بات روا نہیں ہے جو اس کی مردانگی یا مردانہ شخصیت کے خلاف ہو۔

سونے اور ریشم میں یہ بھی ایک فرق ہے کہ ریشم میں زینت کا عنصر نمایاں ہے اور سونے میں

کبر و نخوت کا اور شاید اسی لئے اسلام نے ریشم کے مخلوط ہو جانے کے بعد حلال کر دیا ہے کہ اب اس کی وہ حیثیت نہیں رہ گئی جس حیثیت کی بنا پر حرام قرار دیا گیا تھا اور سونے کو مخلوط ہونے کے بعد بھی حلال نہیں کیا کہ اس کی تکبرانہ حیثیت بہر حال باقی ہے اور جب تک یہ حیثیت ختم نہ ہو جائے اور سونا سونے کی حد سے نہ نکل جائے، اس کا جواز نہیں پیدا ہوتا ہے۔

علاوہ اس کے کہ دونوں کی حرمت میں لمبی مصلحتیں بھی پائی جاتی ہیں اور اہلِ نظر باخبر ہیں کہ سونا مرد کی مردانگی کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

چوتھی منزل ـــــ مکان (جائے نماز)

اسلام نے سرحدِ نماز میں قدم رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ انسان پہلے یہ دیکھ لے کہ جس جگہ کھڑے ہو کر بندگی کا فرض انجام دے رہا ہے وہ جگہ بندگی کے شایانِ شان ہے یا نہیں ـــــ!

اسلامی عقیدہ میں خدا کی کوئی جگہ معین نہیں ہے۔ اس کی بندگی کے لئے مندر، مسجد یا گرجا کی قید نہیں ہے لیکن یہ ضرور پابندی ہے کہ جس جگہ بھی اس کی بارگاہ میں حاضری کا عزم کیا جائے وہ جگہ بارگاہ میں حاضری کے شایانِ شان ہو۔

اسی لئے اس نے جگہ کے غصبی نہ ہونے کی شرط لگائی۔ طہارت کے اعتبار سے بھی یہ ضروری قرار دیا ہے کہ سرایت کرنے والی نجاست نہ ہو اور سجدہ کی جگہ تو بالکل پاک و پاکیزہ ہو کہ قیام سجدہ سے مختلف ہے اور سجدہ تقرب الٰہی کی آخری منزل ہے جس منزل پر کسی طرح کی نجاست قابلِ برداشت نہیں ہے۔

اس کے بعد جگہوں کی افضلیت کا بھی اشارہ دیا تاکہ انسان میں یہ شعور پیدا ہو کہ جس کی بارگاہ میں حاضری دے رہا ہے وہ کس جگہ پر بندگی کو کس قدر عزیز رکھتا ہے اور یہ احساس بھی پیدا ہو کہ اس نے جس گھر کو اپنا کہہ دیا ہے اس میں بندگی کی شان ہی کچھ اور ہو گی۔

مساجد میں نماز کی تاکید، مساجد کے درجات، ثواب کا فرق، اسلامی عبادات میں اس کے سیاسی پہلوؤں کی مکمل نشاندہی ہے جس سے صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسلام میں نماز صرف ایک روحانی عمل نہیں ہے بلکہ زندگی کی تنظیم و تنسیق کا ذریعہ بھی ہے اور اس کے بغیر مردِ مسلمان کا نظامِ حیات مکمل نہیں ہوتا۔

سجدہ کے لئے بھی یہ شرط رکھی گئی کہ سجدہ زمین یا زمین سے اگنے والی اشیاء پر کیا جائے اور بشری مصنوعات سے اجتناب کیا جائے تاکہ انسان میں احساسِ عظمت الٰہی زیادہ بیدار ہو اور اس کی نگاہ مادّی صنعتوں میں گم نہ ہوجائے۔

خاک پر سر رکھنے کے بعد جس عجز و انکسار اور خاکساری کا احساس پیدا ہوتا ہے وہ نہ فرش سے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ قالین سے۔ اس کا تصور ریشمی جانمازوں میں پیدا ہوسکتا ہے نہ رنگ برنگ کے سجّادوں میں۔ اس کے لئے خاک یا خاک کی پیداوار ہی زیادہ مناسب ہے جس پر پیشانی رکھنے کے بعد یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ نماز کبر و نخوت کو مٹانے کے لئے واجب کی گئی ہے۔

پانچویں منزل ــــ قبلہ

خدا ہر جگہ ہے اور اس کی کوئی جگہ یا سمت نہیں ہے۔ انسان کا رُخ جدھر بھی ہوگا اس کا رُخ خدا ہی کی طرف ہوگا کہ خدا مکان، جہت یا سمت میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ وہ خالقِ مکان ہے، ساکنِ مکان نہیں ہے۔ اس کا مکان قلبِ مومن ہے جہاں ہر وقت اس کے نورِ جمال کی جلوہ گری رہتی ہے۔ مومن کسی شے پر نگاہ ڈالتا ہے اس سے قبل اور اس کے ہمراہ خدا کی قدرت و رحمت ہی کا جلوہ نظر آتا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انسان خود محدود ہے۔ وہ فطری طور پر مکان، جہت اور سمت کا پابند ہے۔ اس کا بیک وقت مختلف سمتوں میں متوجہ ہوجانا تقریباً ناممکن ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس کی اس کمزوری کے پیشِ نظر اس کے لئے ایک مرکزِ نگاہ اور نقطۂ توجہ معیّن کردیا جاتا جس کی طرف اپنی عبادتوں میں متوجہ ہوکر یہ تصور کرتا کہ اب میرا رُخ ربّ العالمین کی طرف

ہے اور گویا میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اسلام نے اس مرکزِ نگاہ اور نقطۂ اتحاد کا نام قبلہ رکھا ہے جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اور نمازی کے لئے ضروری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنا مرکزِ نگاہ معیّن کرے۔ اپنے ذہن کو ایک طرف موڑ دے۔ اس کے بعد اپنی عبادت کا آغاز کرے۔

اسلام کے سامنے خدا کی لامکانیت اور لامحدودیت بھی تھی اور انسان کی محدودیت بھی تھی اس لئے اس نے اکثر عبادات کو جہتِ کعبہ میں محدود کرنے کے بعد بعض عبادات کو آزاد کر دیا تاکہ انسان کے ذہن میں خدا کے واقعی صاحبِ مکان ہونے کا تصوّر نہ پیدا ہو جائے ـــــ چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ اپنے فرائض میں علم و اطلاع پیدا کرنے کے بعد قبلہ کا رُخ کرو۔ قبلہ سے منحرف ہو جاؤ گے تو نماز باطل ہو جائے گی کہ قبلہ توجہ الی اللہ کی علامت ہے اور توجہ الی اللہ کے بغیر عبادت عبادت نہیں ہے ـــــ اس کے بعد پھر اعلان کیا کہ اگر قبلہ کا علم نہیں ہے تو جس طرف چاہو نماز پڑھ سکتے ہو کہ خدا جہت و مکان کا پابند نہیں ہے۔ یہی حال مستحبّی نمازوں کا ہے کہ انھیں حالتِ سکون میں ادا کیا جائے تو قبلہ کی ضرورت ہے اور حالتِ مشی میں انجام دیا جائے تو قبلہ کی ضرورت نہیں ہے ـــــ خدا نہ ایک جگہ قیام کا پابند ہے اور نہ ایک سمت میں توجہ کا۔ اس نے یہ شرائط انسان کی ذہنی تربیت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ اس کے بعد بعض ایسے آزاد اعمال رکھ دیئے ہیں جن سے انسان کی فکری صلاحیت اور اس کے عقائد کے استحکام کا انتظام ہو جائے اور وہ کسی وقت ان تصوّرات کا شکار نہ ہو سکے جن کا شکار بعض وہ افراد ہو گئے جنھیں ان حقائق کی اطلاع نہ تھی اور بالآخر جہالت کی بنا پر تجسیم وغیرہ کے عقائد و اوہام میں مبتلا ہو گئے۔

قبلہ کی اسی دہری حیثیت کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے قبلہ کی تعیین میں ہر طرح کے گمان کو کافی قرار دیدیا اور شاہدین عادلین یا ایک عادل یا ایک مسلمان کی بھی شرط نہیں رکھی بلکہ جس علامت سے گمان حاصل ہو جائے اسی طرف نماز پڑھ سکتا ہے کہ قبلہ صرف ذہنی اضطراب کو روکنے اور مرکزِ توجہ منوّر کرنے کے لئے تھا۔ اس سے خدا کی محدودیت اور مکانیت کا عقیدہ وابستہ نہیں تھا۔ مرکزِ نگاہ طے

کرنے کے لئے گمان بھی کافی ہے اور قولِ کافر پر بھی گمان کیا جا سکتا ہے ورنہ اصل مقصد خدا کا مکان یا اس کی جہت ہوتی تو آخری امکان تک تلاش ضروری ہوتی اور اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہو سکتی۔

اسلام میں بشری کمزوری کے اعتبار سے قبلہ کا مسئلہ بے حد اہم ہے اور خدائی کمال کے اعتبار سے اس کی اس قدر اہمیت نہیں ہے۔ اسلام نے قبلہ سے متعلق سارے اعمال و احکام میں ان دونوں پہلوؤں کا خیال رکھا ہے اور دونوں کو نگاہ میں رکھ کر احکام کا تعین کیا ہے۔

چھٹی منزل ـــــ اذان

پانچوں واجب مقدمات سے گذر جانے کے بعد نماز کے دو مستحب مقدمات بھی ہیں جن کے بغیر مکمل نماز کا آغاز نہیں ہوتا۔ ایک کا نام ہے اذان اور دوسری کا نام ہے اقامت۔

اذان اس امر کی علامت ہے کہ اسلام بندگی میں نفسانیت اور خود غرضی کو راستہ نہیں دینا چاہتا۔ اس کا منشا ہے کہ مسلمان منزل عبادت میں قدم رکھے تو دوسرے بنی نوع کو ساتھ لے کر چلے اور نماز سے پہلے دوسروں کو دعوتِ عمل دے۔ حی علی الصّلوٰۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علیٰ خیر العمل۔ مختلف لہجوں میں دعوتِ عمل ہے۔ جو صاحبانِ ایمان براہِ راست نماز کے نام پر آ سکتے ہیں وہ نماز کے نام پر آئیں۔ جو عظمتِ نماز سے باخبر نہیں ہیں وہ نماز کو فلاح اور کامیابی سمجھ کر آئیں ـــــ جو فلاح اور کامیابی کو بھی کاروبار دنیا کے مقابلہ میں اہمیت نہیں دینا چاہتے وہ نماز کو بہترین عمل سمجھ کر آئیں۔

اسلام کی اسی اجتماعیت کا اثر تھا کہ اس نے نمازی سے بصیغۂ جمع "اِیاکَ نعبُدُ" کہلوایا جب کہ اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا ایک طرح کا تکبّر شمار ہوتا ہے اور خاکساری کے خلاف ہے لیکن اسلام نے اس لہجہ سے مسلمان کو متوجہ کیا کہ منزلِ عبادت میں تو تنہا نہیں ہے۔ سارا عالمِ ایمان تیرے ساتھ ہے۔ تجھے سب کی طرف سے عرضداشت پیش کرنی چاہئے۔ سب کی عبادت کا اعلان کرنا چاہئے اور سب کے حق میں استعانت کا مطالبہ کرنا چاہئے۔

اذان مسلمان کی ذہنی بیداری اور تبلیغی ذمہ داری کی بہترین علامت ہے، جس سے یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب میں دوسروں کو نماز کی دعوت دے رہا ہوں تو مجھے خود اس کی عظمت و اہمیت کا مکمل احساس رکھنا چاہیئے اور اسے واقعاً بہترین عمل تصور کرنا چاہیئے۔

ساتویں منزل ـــــ اقامت

اذان کے بعد اقامت کا مرحلہ آتا ہے۔ یعنی مسلمان دوسروں کو دعوتِ عمل دینے کے بعد اب اپنی استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اعلانِ عام کے بعد اعلانِ خاص کی طرف متوجہ ہوتا ہے ـــــ اقامت میں دیگر فصولِ اذان کے ساتھ قد قامت الصّلوٰۃ کا اضافہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان صرف لفظی کاروبار نہیں کرتا ـــــ بلکہ دوسروں کو خیر العمل کی دعوت دیتا ہے تو خود منزلِ عمل میں قدم بھی رکھتا ہے اور اس شان سے قدم رکھتا ہے کہ گویا اس کی نماز قائم ہوگئی۔

اذان و اقامت میں ایک امتیاز یہ بھی رکھا گیا ہے کہ اذان دھیرے دھیرے کہی جاتی ہے اور اقامت کی رفتار نسبتاً تیز ہوتی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اذان کا دائرۂ اعلان و دعوت وسیع تر ہے اور اقامت کا دائرۂ عمل محدود ہے۔

اس کے بعد دونوں کو مردوں اور عورتوں میں مشترک رکھا گیا کہ یہ فریضۂ دعوت و ارشاد صرف مردوں تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری عورتوں پر بھی عائد ہوتی ہے کہ مقامِ عمل میں دونوں کو بھی ساتھ لے کر چلیں اور بارگاہِ الٰہی میں تنہا نفسانیت اور خود غرضی کے ساتھ حاضر نہ ہوں۔

یہ فرق ضرور رکھا گیا ہے کہ عورتوں کی اذان میں یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ ان کی آواز نامحرم نہ سنیں۔ گویا اسلام نے ان کے دائرۂ عمل اور فریضۂ دعوت کو محدود کر دیا ہے۔ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ عورتوں اور مردوں دونوں کو دعوت دیں اور عورتوں کا فرض ہے کہ اپنی صف کا لحاظ رکھیں۔ اس کے بعد مردوں کی دعوت کے لئے دوسرے مرد موجود ہیں ـــــ جو فرق اسلام نے امامتِ جماعت میں رکھا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے موقع پر مرد دونوں صنفوں کی امامت کر کے دونوں کو

ساتھ لے کر چل سکتا ہے اور عورتوں کی امامت صرف عورتوں تک محدود ہے اور ان کی قیادت میں صرف ان کی صنف کا قافلہ چل سکتا ہے۔ اس طرح فتنہ داریوں کی تقسیم بھی ہو جاتی ہے اور پردہ کا مکمل تحفظ بھی ہو جاتا ہے کہ اسلام عورتوں کے پیچھے مردوں کے قیام کو پسند نہیں کرتا کہ ان کی نگاہ ان کی جسم کی ساخت اور اس کے حرکات وسکنات پر پڑتی رہے کہ اس طرح مرد کی نیت میں فرق نہ بھی آئے تو عورت کے حجاب میں ضرور فرق آجاتا ہے۔

اذان واقامت کی صحیح معنویت کا اندازہ کرنا ہے تو انسان صبح کے سناٹے میں پوری توجہ قلب کے ساتھ مؤذن کی اذان سنے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جذب وکیفیت کا ایک عالم ہے جس میں مسلمان کا ذہن ڈوب گیا ہے ـــــ اور خدا کا ایک داعی ہے جو اس کے بندوں کو اس کی کبریائی کا حوالہ دے کر اس کے ایمان وعقیدہ کے وسیلہ سے اس کی عبادت اور بندگی کی دعوت دے رہا ہے اور پھر بات کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر تمام کر رہا ہے کہ اے مسلمان! اگر تیرا عقیدۂ توحید صحیح ہے اور تو خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے، کسی دوسرے کی خدائی کا قائل نہیں ہے تو یہ خدائی میں راحت، آرام، نیند اور آسائش کی شرکت کہاں سے آگئی ـــــ عظمت الٰہی کا ذکر سن کر تیرا ذہن یوں بیدار نہیں ہو گیا۔ اور جلالتِ کبریا کے تصور سے تیرے رونگٹے کیوں نہیں کھڑے ہو گئے۔ یہ کون سا ایمان ہے کہ داعی الی اللہ آواز دے رہا ہے اور تو بستر پر لیٹا رہے۔ تیرا عقیدہ تجھے پکار رہا ہے اور تیرے وجود میں جنبش نہیں ہو رہی ہے۔ تیرا ایمان تجھے غیرت دلا رہا ہے اور تیرے احساس میں حرکت نہیں ہو رہی ہے۔ تیری توحید تجھ سے صرف خدا کی بابت سننے کا مطالبہ کر رہی ہے اور تو نفس امارہ کا پیغام سن رہا ہے۔

اذان واقامت کی اسی معنویت کے ساتھ جب مسلمان منزلِ نماز میں قدم رکھتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نماز کے سات مقدمات نہیں فراہم کر رہا تھا معراج کے سات آسمان طے کر رہا تھا اور پھر آسمان پر اس کے ذہن میں تقرب کا نیا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ اس نے طہارت کا اہتمام کیا تو بارگاہِ احدیت میں حاضری کا احساس پیدا ہوا۔ وقت پر نگاہ کی تو الٰہی احسانات کا شعور

کامل ہوا۔ لباس و مکان پر توجہ دی تو یہ تصور پیدا ہوا کہ جس بارگاہ میں حاضری کے لئے جگہ کی خرابی اور لباس کی کثافت قابلِ برداشت نہیں ہے وہاں نفس کی خباثت کس طرح قابلِ برداشت ہوگی۔ قبلہ کی طرف رُخ کیا تو دل و دماغ خانۂ الٰہی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اذان کے احساسِ بندگی کو مہمیز کیا۔ اقامت سمندِ ناز کو تازیانہ بنی اور بالآخر جبرئیلِ جذب نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بُراقِ عقیدت نے سہارا دیا اور بندہ منزلِ معراج تک پہنچ گیا۔ جہاں تک قیام، قعود، رکوع، سجود کے علاوہ کچھ نہیں ہے محویت کا عالم ہے، بندگی کی معراج ہے، تقرب کا ارتقاء ہے اور انسان اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے خطاب کے ساتھ بارگاہِ احدیت میں حاضر ہوا ہے۔

سبق ۶

معراجِ معنوی

نماز کی صحت کے لئے قصدِ قربت ضروری ہے۔ قصدِ قربت پر عبادت کی عبادیت کا دارومدار ہے اور قصدِ قربت اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عمل بظاہر ساکن ہونے کے باوجود واقعاً ایک حرکت ہے جس میں بندۂ مومن ہر لحظہ قربِ الٰہی کی منزلیں طے کرتا ہے اور اپنے معبود سے قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

نمازی مصلّے پر رہنے کے باوجود قربِ الٰہی کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے اور ایسا نہ ہو تو اس کی نماز نماز ہی نہیں ہے۔ قربِ الٰہی کے منازل طے کرنے میں نمازی کو معنویت کے ساتوں آسمانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

پہلے مرحلہ پر نماز کی نیت کرتا ہے جس کے ذریعہ قربِ الٰہی کے سفر کا آغاز کرتا ہے اور دنیا کے تمام دیگر مسائل کو نظر انداز کر کے صرف ربّ العالمین کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب نہ ہنسی کے مواقع پر ہنستا ہے اور نہ گریہ کے موقع پر گریہ کرتا ہے۔ ضروری سے ضروری مواقع پر بات نہیں کرتا اور اہم سے اہم مسائل کے باوجود اِدھر اُدھر رُخ نہیں کرتا۔

نیت کا اخلاص تمام غیر اللہ سے انصراف کی دعوت دیتا ہے اور نیت کا قصدِ قُربت نمازی کو سفرِ معراج کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد نمازی تکبیرۃ الاحرام کو زبان پر جاری کرتا ہے جو نیت کی عملی تفسیر ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے کون رہ گیا ہے جس کی طرف رخ کیا جائے اور ربّ العالمین سے بالاتر کون ہے جسے مرکزِ نگاہ بنایا جائے۔ میرے اخلاص، میری توجہ،

میری عبادت اور میرے التفات کا واحد راز یہی اللہ اکبر ہے جس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور اس لئے میں نے اللہ اکبر کہتے وقت ساری دنیا سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اب میری نظر میں صرف اُس کی عظمت ہے اور میرے سامنے صرف اس کا قہر و جلال ہے۔ یہی جلال مجھے لرزنے پر آمادہ کرتا ہے اور یہی عظمت میرے جسم میں رعشہ پیدا کئے ہوئے ہے۔

تکبیرۃ الاحرام کے ساتھ قیام بھی ایک ایسا عمل ہے جو انسان کی عملی آمادگی کی نشاندہی کرتا ہے کہ بندہ سفرِ تقرب کے لئے کھڑا ہو گیا اور اب اس کے ارادہ میں کسی طرح کی کمزوری یا سستی نہیں ہے۔ اب وہ ہے اور تقرب کا سفر، اس کا عزم اور ارادہ ہے اور معنویات کے ہفت آسمان۔

قیام کے ساتھ حمد و سورہ کی تلاوت معرفت کا ایک اور درجہ ہے جس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ بندہ صرف کبریائی کا اقرار نہیں کرتا ہے بلکہ مالک کی ایک خاص معرفت بھی رکھتا ہے جس معرفت کی بنا پر اسے رب العالمین، رحمان، رحیم، مالکِ یوم الدین کہہ کر صرف اس کی بندگی کا اعلان کرتا ہے اور صرف اس سے مدد چاہتا ہے اور پھر اپنی فطری کمزوری اور ناتوانی کو دیکھ کر صراط مستقیم پر ثباتِ قدم کی التماس کرتا ہے اور ان انسانوں کو نگاہ میں لاتا ہے جنھوں نے معرفت کے مدارج طے کر لئے اور ہر طرح کی نعمت کا استحقاق پیدا کر لیا اور ان سے ارتباط و اتصال کی آرزو کرتا ہے اور پھر ان بندوں کو دیکھ کر جو راہِ حق سے منحرف ہو گئے اور صراطِ مستقیم پر نہ چل سکے ان سے برأت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔

حمد کے ساتھ دوسرے سورہ کی تلاوت معرفت کی مزید ترقی کی علامت ہے جہاں سورہ کوثر الٰہی نعمتوں کی یاد دلاتا ہے۔ سورہ انا انزلناہ عظمتِ نزول قرآن کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ سورہ توحید معرفتِ واحدانیت کا اظہار کرتا ہے اور اس طرح انسان معرفت کا ایک اور زینہ طے کر لیتا ہے جس کے بارے میں کھڑے رہ جانے کی تاب نہیں رہ جاتی اور بندہ احساسِ عظمتِ الٰہی کے ساتھ جھک جاتا

ہے جسے رکوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رکوع بندہ کی ذلت اور مالک کی عظمت کا بہترین مظاہرہ ہے جس سے انسان اپنے مالک سے مزید قریب تر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہے کہ ابھی قربت کا ایک سفر اور باقی ہے جس کے بعد کوئی دوسرا مرحلہ باقی نہیں رہ جاتا جس کا نام سجدہ ہے اور جسے قرآن مجید نے آیت سجدہ میں تقرب کا بہترین وسیلہ قرار دیا ہے۔

سجدہ میں پیشانی رکھنے کے بعد انسان کا سفرِ تقرب تمام ہو جاتا ہے اور بندہ زبانِ حال سے آواز دیتا ہے کہ پروردگار جہاں تک جھکنا میرے امکان میں تھا میں نے تیری بارگاہ میں سر جھکا دیا۔ اب اس کے بعد زمین حائل ہے اور مزید جھکنے کا امکان نہیں ہے۔

رب العالمین نے آواز دی۔ میرے بندے! تیرا کام خضوع و خشوع اور تذلل و انکسار ہے اور میرا کام اپنے مخلص بندوں کو ترقی و رفعت، بلندی اور معراج عطا کرنا ہے۔ لہٰذا جس قدر تو جھکتا جائے گا میں بلندی عطا کرتا جاؤں گا۔ اب جب کہ تو نے اپنے کو اس قدر جھکا دیا ہے کہ خاک تک پہنچا دیا اور اپنے جسم کا شریف ترین جز، یعنی پیشانی کو میری بارگاہ میں خاک پر رکھ دیا ہے تو میرے کرم کا تقاضا ہے کہ میں تجھے اس اعتبار سے بلندی عطا کروں ـــــ یاد رکھنا کہ جھکنے کی آخری حد کا نام ہے سجدہ اور بلندی کی آخری منزل کا نام ہے معراج ـــــ جب تو نے اپنے کو سجدہ تک پہنچا دیا تو میں نے تیرے سجدہ کو معراج بنا دیا۔

نماز معنوی اعتبار سے مومن کی معراج ہے۔ جہاں انسان معنویت کے سات آسمان طے کر کے تقرب کے آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ نیت، تکبیر، قیام، قرأت، رکوع، قیام، سجود ـــــ یہ وہ سات آسمان ہیں جن سے گذر جانے کے بعد انسان صاحبِ معراج ہو جاتا ہے۔ اور یہ رب العالمین کی حکمت کا خاصہ تھا کہ اس نے ان نمازوں کا پیغام اپنے پیغمبر کے ذریعہ معراج کی رات بندوں تک پہنچایا۔ جب سرکارِ دو عالم سفرِ معراج سے واپس آ رہے تھے تو آپ کو پنجگانہ نمازوں کا پیغام امت کے لئے ابدی اور دائمی تحفہ کی شکل میں دیا گیا اور اس طرح بندوں پر واضح کر دیا کہ میں تمہاری نماز کو معراج کا درجہ ضرور دے دوں گا لیکن خبردار تم میرے صاحبِ معراج بندے

سے مقابلہ کا خیال نہ کرنا اور تمہارے ذہن میں یہ تصور نہ آنے پائے کہ ایک صاحبِ معراج وہ تھا اور ایک صاحبِ معراج ہم ہیں ـــــ اب دونوں ایک دوسرے کے جیسے ہو گئے۔ تمہاری معراج اس صاحبِ معراج کی معراج کا صدقہ ہے۔ وہ معراج میں عرش اعظم تک نہ گیا ہوتا تو تمہیں معراج کا پیغام بھی نصیب نہ ہوتا۔

نماز کے سیرِ تقرب و تکامل ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اسلام نے نماز کے خاتمہ پر نمازیوں کے باہم مصافحہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں بیحد ثواب قرار دیا ہے تاکہ اس طرح آپس میں اخوت و برادری کے جذبات کی بیداری کے ساتھ یہ احساس بھی پیدا ہو کہ اگر نماز کے اول سے آخر تک مصلے ہی پر رہے ہوتے تو مصافحہ کے کوئی معنی نہیں تھے۔ دو افراد جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو سلام بھی کرتے ہیں اور مصافحہ بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد چوبیس گھنٹے بھی ساتھ رہیں تو نہ سلام کی نوبت آتی ہے نہ مصافحہ کی ـــــ سلام اور مصافحہ ابتدائی ملاقات کے آداب ہیں مسلسل ملاقات یا مصاحبت میں یہ سلسلہ جاری نہیں رہتا ـــــ اب سوال یہ ہے کہ جب نمازی مسجد میں داخل ہوئے، صفیں بنا کر بیٹھے تو ایک دوسرے کو سلام بھی کر لیا، مصافحہ بھی کر لیا۔ اب نماز کے بعد دوبارہ مصافحہ کرنے کی تلقین کیوں ؟ ـــــ بلکہ صرف مصافحہ ہی نہیں داہنے بائیں نمازیوں کی طرف اشارہ کر کے سلام بھی مستحب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کو اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تم نماز کی حالت میں مصلے پر نہیں تھے۔ تم تقرب کے منازل طے کر رہے تھے اور معنوی معراج کا سفر کر رہے تھے۔ اب جب کہ سفر سے واپس آئے ہو تو اپنے برادرانِ ایمانی کو سلام بھی کرو اور ان سے مصافحہ بھی کرو تاکہ سفرِ تقرب کا احساس بیدار ہو اور نماز معراجِ مومن سمجھی جا سکے۔

اس مقام پر یہ تصور نہ پیدا ہو کہ جب سارے نمازی ایک ہی سفر پر تھے تو گویا ہمراہ چل رہے تھے۔ اب واپسی پر سلام اور مصافحہ کے کیا معنی ہیں ـــــ ؟ اس لئے کہ اولاً تو مسافروں کو بھی تعلیم دی گئی ہے کہ منزل پر پہنچ کر آپس میں ملاقات کریں اور سلام و مصافحہ کریں جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کے حالات میں ہے کہ آپ ایک ہی اونٹ پر ایک ساتھ سفر کرنے والے کو منزل پر سلام

کرتے تھے اور اس سے مصافحہ کرتے تھے اور جب اس نے سوال کیا تو فرمایا تم اونٹ سے ایک طرف اترے ہو اور میں دوسری طرف ـــــ اب میری اور تمھاری ملاقات ہو رہی ہے اور ملاقات کا قانون یہ ہے کہ سلام اور مُصافحہ کیا جائے ـــــ اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز اگرچہ ہر مومن کے لئے منزلِ معراج ہے لیکن یہ بہرحال مسلم ہے کہ نہ سب کا ایمان یکساں ہے نہ اخلاص ـــــ نہ سب کا سفرِ تکامل ایک جیسا ہے نہ مرحلہ تقرب۔ بنابریں جب نمازی سلام پھیرے گا تو گویا اپنے سفرِ معراج سے واپس آگیا۔ اب دوسرا نمازی بھی ویسے ہی سفر سے واپس آیا ہے لیکن اس کی منزلِ معراج اور تھی لہٰذا تلقین کی گئی کہ ایک دوسرے سے ملاقات کرو سلام کرو اور مصافحہ کرو کہ آئندہ اخلاص کی فکر پیدا ہو اور نماز مصلّے پر قیام کے بجائے تقرب کا سفر اور تکامل کی حرکت معلوم ہو۔

سبق ۷

افعالِ نماز

نماز بندگی کا عمل اور زندگی کے مسائل کا حل ہے۔ رب العالمین نے نماز کے اعمال و افعال کو ایک نظام تربیت قرار دیا ہے جسے پوری توجہ کے ساتھ بروئے کار لانے والا غیر منظم زندگی نہیں گذار سکتا اور نہ اس کی زندگی میں کوئی عیب اور نقص پیدا ہو سکتا ہے۔

نماز کے افعال کا ایک سرسری جائزہ بھی انسان کو اس حقیقت تک پہنچانے کے لئے کافی ہے کہ نمازی کی زندگی کو کس قدر مقدس، پاکیزہ اور با اصول ہونا چاہیئے۔

نماز کا پہلا عمل نیت کے بعد تکبیرۃ الاحرام کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ تکبیر نماز کی جان اور روح ہے۔ اسے نماز کے آغاز میں بطور واجب و رکن رکھا گیا ہے اور نماز کے خاتمہ پر تین مرتبہ بطور استحباب رکھا گیا ہے کہ سرکار دو عالم نے فتح مکہ کے بعد جب پہلی نماز ادا فرمائی تو نماز کے خاتمہ پر تین مرتبہ بآواز بلند تکبیر کہی اور ان تکبیرات کو اسلام کی فتح کی نشاندہی قرار دیا۔ مرد مسلم کے لئے آج بھی سنت ہے کہ نماز کے خاتمہ پر تکبیر کہہ کر عالم کفر و شرک کو آگاہ کرے کہ اسلام اپنی فتح و کامرانی پر باقی ہے اور خود اپنے ضمیر کے اندر اس احساس کو جگہ دے کہ نماز سے پہلے بھی خدا ہر شے سے بزرگ و برتر تھا اور نماز کے بعد بھی اس کے مقابلہ میں اپنی کسی حیثیت کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ اسکی بزرگی اور شانِ کبریائی اپنے مقام پر باقی ہے۔

تکبیرات کے لئے یہ ادب قرار دیا گیا ہے کہ ہاتھوں کو کانوں تک یا چہرہ کے سامنے تک بلند کیا جائے تاکہ بارگاہ احدیت میں خضوع و خشوع کا بھی اظہار ہو اور اپنے ضمیر کے اندر یہ احساس بھی بیدار

ہو کہ اب میں نے دنیا کی ہر شے سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ کانوں تک ہاتھوں کو بلند کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی توجہ داہنے بائیں سے ہٹ جاتی ہے اور وہ مکمل طور سے رب العالمین کی بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

رفع یدین کا ایک عملی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح تکبیر کا سکون و قرار بھی محفوظ رہ جاتا ہے — ورنہ اللہُ قیام میں ہوتا ہے اور اکبر رکوع یا سجدہ کے قریب پہنچ کر اور یہ شان تکبیر کے خلاف ہے۔

تکبیر کی حالت میں سکون و قرار کا مطالبہ کیا گیا ہے تاکہ نفس مسلم میں یہ احساس بیدار ہو کر زندگی کا سارا سکون اور اطمینان اسی ایک نعرۂ تکبیر میں پوشیدہ ہے بشرطیکہ یہ نعرہ صرف نعرہ نہ ہو۔ اس کے اندر تکبیر اور اعترافِ کبریائی کی روح بھی پائی جاتی ہو۔ تکبیر کے ساتھ سکون زندگی کے بے شمار مسائل کا حل ہے۔

نماز میں ہر حالت میں تکبیر کا استحباب، قرار رکھا گیا ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک طرف ہر حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے لئے تکبیر کا مطالبہ کیا گیا اور دوسری طرف تکبیر کہتے ہوئے سکون کا تقاضا کیا گیا تاکہ انسان کو یہ احساس پیدا ہو کہ زندگی کی کوئی تبدیلی بغیر اعترافِ عظمتِ الٰہی کے مناسب نہیں ہے اور ہر تبدیلی کے وقت سکون و قرار درکار ہے تو تکبیر کا سہارا لینا ہوگا۔

نماز میں ایک ہی ذکر ہے جسے حالتِ حرکت میں رکھا گیا ہے اور وہ ہے "بحول اللہِ وقوۃ اقوم واقعد" اور اس کا راز بھی یہ ہے کہ اس ذکر میں قیام و قعود دونوں کے قوتِ پروردگار کے سہارے انجام پانے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات نہ حالتِ قیام میں کہی جا سکتی ہے اور نہ حالتِ قعود میں اس ذکر سے اصل مدعا ظاہر ہو سکتا ہے اس لئے اسے اس حالت میں رکھا گیا جب انسان قعود سے قیام کی طرف منتقل ہو رہا ہو اور اس کا اعتراف اس بات کی علامت بنے کہ قعود سے قیام کی طرف یہ انتقال بھی اس کی قوت اور طاقت کے سہارے انجام پا رہا ہے۔

تکبیرۃ الاحرام کے ساتھ ایک عمل قیام ہے جو ہر طرح کی آمادگی، احترام، تعظیم اور خضوع و

وعاجزی کی علامت ہے کہ کوئی کسی کی بارگاہ میں اس وقت تک کوئی کھڑا نہیں ہوتا جب تک اسے اپنے سے بالاتر اور اپنے کو اس کا محتاج نہیں تصور کرتا ہے اور یہ بھی اسلام کے نظام تربیت کا ایک جزو ہے جس کے ذریعہ احکام الٰہی پر مکمل عمل درآمد کی مشق کرائی جاتی ہے کہ انسان اس کی بارگاہ میں باادب کھڑا رہے اور پھر اس کی حمد وثنا کرتے ہوئے اپنی عاجزی کا اقرار کرے۔ بندگی کے اعلان کے ساتھ اس سے استقامت کرے۔ صراطِ مستقیم پر استقامت کا مطالبہ کرے اور اپنے اندر ایک عظیم انقلاب برپا کرے معبود کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر ایاك نعبد کہنے والا دوسرے کی بندگی نہیں کرسکتا اور اس سے استعانت طلب کرنے والا کسی کے مقابلہ میں احساسِ کمزوری وناتوانی کا شکار نہیں ہوسکتا۔

قیام وقرائت کے اس عمل کے بعد انسان رکوع میں جھکتا ہے جو عجز وانکسار کا عملی مظاہرہ ہے اور اس میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهٖ اس بات کا اعلان ہے کہ یہ جھکاؤ احساسِ عظمت کا نتیجہ ہے خستگی اور ناتوانی کا اثر نہیں ہے۔

رکوع کے بعد قیام اس احساس کا محرک ہے کہ جو خدا کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے خدا اُسے سربلندی عطا کر دیتا ہے اور اسی لئے بندہ نے اعلان کیا سمع اللہ لمن حمدہ۔

اس کے بعد سجدہ پھر اس حقیقت کا عملی اظہار ہے کہ سر اٹھانا مزید سر جھکانے کی تمہید ہے کسی غرور، تکبر یا ناتوانی وناطاقتی کا نتیجہ نہیں ہے۔

سجدہ سے سر اٹھانا رحمتِ الٰہی کا اظہار ہے اور دوبارہ سجدہ کرنا بندگی کے جذبے کا اظہارِ مکرر ہے۔

ان اعمال کو انجام دینے والا جس عظیم دولتِ ایمان واحساس سے مالامال ہوجاتا ہے اس کی مثال زندگی یا بندگی کے کسی عمل میں نہیں ملتی۔ نماز کے خاتمہ پر عمل تشہد ہے جو انسانی عقائد کا مکمل ترجمان ہے اور جس کے ذریعہ توحید، رسالت کے اقرار کے ساتھ ان بندگانِ خدا کے حق میں دُعائے رحمت کی جاتی ہے جن کے ذریعہ بندگی کا یہ درس محفوظ رکھا گیا ہے اور جن کی قربانیوں نے عبادات

کا مکمل تحفظ کیا ہے۔

نماز کا خاتمہ سلام سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ انسان اللہ کے ان تمام بندوں کو یاد کرتا ہے جن کے احسانات مذہب کے لانے پہنچانے اور بچانے کے سلسلے میں بروے کار آئے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ـــــ اس ہستی کو سلام ہے جس نے اس عمل بندگی کو بندوں تک پہنچایا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ ـــــ ان شخصیتوں کو سلام ہے جن کی قربانیوں نے عبادات کو حیات دوام بخشی ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ ـــــ ایک مجموعی سلام ہے جس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جو مردِ مسلم کے پیشِ نگاہ ہیں چاہے وہ تبلیغ اسلام کرنے والا پیغمبر ہو ـــــ یا تحفظ اسلام کرنے والے عباد صالحین ـــــ یا نامۂ اعمال درج کرنے والے فرشتے اور اللہ کے دیگر مقرب بندے۔ سب اس قابل ہیں کہ ان کو سلام عقیدت پیش کیا جائے اور ان کے خدمات کا اعتراف کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ جو اسلام احسان شناسی کا اتنا عظیم درس دیتا ہو کہ نماز تمام کرنے اور نمازی بن جانے یا ایک صاحبِ معراج کا مرتبہ پا جانے کے بعد بھی ان کے احسانات کے اعتراف و اقرار و احترام کو ضروری قرار دیتا ہو ـــــ اس کے احکام کی پابندی کرنے والا زندگی کے معاملات میں کس قدر باعمل، احسان شناس اور باادب ہوگا۔

نماز اس نظامِ تربیت کا بہترین شاہکار ہے۔

نماز اپنے خاتمہ کے بعد بھی بندۂ مسلم کو بے تربیت نہیں چھوڑنا چاہتی بلکہ اپنے نظام تربیت کی تکمیل کے لئے سجدۂ شکر کا مطالبہ کرتی ہے تاکہ انسان کو مزید احساس پیدا ہو کہ نماز کا ادا کر لینا بھی ایک احسان پروردگار ہی ہے ورنہ انسان کی کیا بساط ہے کہ اتنا عظیم عمل انجام دے سکے اور اتنا طویل سفر معراج طے کر سکے اور جب سب احسانِ الٰہی کا نتیجہ ہے تو اس کا شکریہ ادا کرنا فرض ہے۔

نماز کے درمیان ایک عمل مستحب قنوت ہے جسے واجب نہیں قرار دیا گیا لیکن اس کی

تاکید کی گئی ہے اور اس کا راز بھی غالباً یہ ہے کہ جب بندے نے مسلسل اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ "ایاك نستعین" تجھی سے مدد چاہتے ہیں تو اسے ایک موقع ملنا چاہیے کہ اپنا دردِ دل اور اپنے مسائل و مقاصدِ حیات بیان کرنے کا۔ قنوت اسی حقیقت آئینہ دار ہے جس میں بندہ کو مکمل آزادی دی گئی ہے اپنے عرض حال اور دردِ دل کے اظہار کے لئے اس میں نہ مقدار کی شرط ہے نہ ذکر کی تعیین ہے اور نہ زبان کی پابندی ہے۔ جس طرح ممکن ہو اور جس قدر دل چاہے اپنے مقاصد کا اظہار کرے اور مالک سے استمداد کرے کہ اس کے علاوہ چارہ سازِ حیات کوئی نہیں ہے۔ بندوں کی مشکلکشائی اسی کی ایک دین ہے اور ان کی حاجت روائی اس کا ایک کرم ہے۔ ورنہ اصل حلال مشاکل اسی کی ذات ہے اور اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلانا شرف اور عزت ہے جس کی بارگاہ میں اولیاء، انبیاء، مرسلین، خاصانِ خدا سب صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور دست طلب پھیلائے رہتے ہیں۔

سبق ۸

ارکانِ نماز

قرآن مجید نے نماز کے اوصاف وامتیازات کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ "ولذکراللہ اکبر" ــــــ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے "اقم الصلوٰۃ لذکری"۔
سورہ مبارکہ جمعہ میں ارشاد ہوا ہے "فاسعوا الیٰ ذکراللہ"۔
میدانِ جہاد میں نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا گیا ہے "فاذا انتم فاذکروا اللہ کما علّمکم مالم تکونوا تعلمون"۔
ان آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ نماز ذکرِ الٰہی اور یادِ پروردگار کے لئے واجب کی گئی ہے اور یہ یادِ خدا کا بہترین ذریعہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی ہر حالت میں تکبیر اور ذکرِ خدا کا وِرد رکھا گیا ہے۔
نماز کا مقصد یادِ خدا ہے تو یہ دیکھنا ہے کہ یادِ خدا میں کس کمالِ الٰہی یا وصفِ پروردگار کی یاد کو اہمیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز مسلمان کی زندگی اور بندگی کا بہترین شاہکار ہے اور اس کا عظیم ترمقصد عزِ ربوبیت اور ذُلِّ عبودیت کا احساس ہے اور اسی لئے اسلام نے نماز کے ان افعال کو ارکان کا درجہ دیا ہے جن سے یادِ الٰہی کے ساتھ عظمتِ پروردگار اور ضعف و ناتوانیِ عبودیت کا اظہار ہوتا ہے۔
نماز کے ارکان میں چند چیزوں کا شمار ہوتا ہے جن میں سہواً بھی کمی یا زیادتی ہوجائے تو نماز باطل ہوجاتی ہے۔ ان میں سب سے پہلا درجہ نیت کا ہے ــــــ ظاہر ہے کہ نیت اختیاری

افعال کا ایک قہری جزء ہے لہذا اس کے بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ تکبیرۃ الاحرام کا ہے ـــــ یہ بھی ایک اختیاری عمل ہے جس میں ارادہ کا تمام تر دخل ہے ورنہ ارادہ الگ ہوجائے تو یہ صرف ایک تکبیر ہے جو ہر وقت جائز ہے اور اس کے اضافہ سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ـــــ تاہم تکبیر احساسِ عظمتِ پروردگار کا بہترین ذریعہ ہے۔

تکبیرۃ الاحرام کے ساتھ حالتِ تکبیر میں قیام بھی ایک رکن ہے جو بندہ کی ذلت اور عاجزی کے اظہار کا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ یہی قیام آگے چل کر متصل بہ رکوع بن جاتا ہے کہ انسان اگر جماعت کی وجہ سے رکوع میں شریک ہونے کے لئے ـــــ یا سہواً حمد و سورہ کو فراموش کر کے رکوع میں چلا جائے تو تکبیرۃ الاحرام کے لمحہ کا قیام ہی قیام متصل بہ رکوع بن جائے گا اور الگ سے کوئی قیام نہ ہوگا۔

قیام متصل بہ رکوع کے بارے میں چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ـــــ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ رکوع کے بعد کا قیام ہے جو سراسر غلط ہے۔ رکوع کے بعد قیام واجب ضرور ہے لیکن رکن نہیں ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک حمد و سورہ تمام کرنے کے بعد ایک آدھ لمحہ مزید چپ کھڑے رہنے کا نام قیام متصل بہ رکوع ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب تصور ہے اس لئے کہ اسے سکوت متصل برکوع کہہ سکتے ہیں، قیام متصل بہ رکوع نہیں کہہ سکتے کہ قیام تو تکبیرۃ الاحرام کے وقت سے چلا آرہا ہے اس میں کسی طرح کا اضافہ نہیں ہوا۔

قیام متصل بہ رکوع کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان جب بھی رکوع میں جائے حالتِ قیام سے رکوع میں جائے اور یہ قیام رکوع سے متصل رہے۔ اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوگا جب انسان کسی ضرورت سے جھک جائے اور پھر رکوع کا خیال آئے یا رکوع فراموش کر کے سجدہ میں جارہا ہو اور رکوع یاد آجائے تو ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ پلٹ کر رکوع کی حد پر رک جائے بلکہ ضروری ہے کہ پہلے سیدھا کھڑا ہو اور اس کے بعد اس قیام سے رکوع میں جائے۔

یہ قیام بھی گویا رکوع کا ایک مقدمہ ہے جو بحالتِ تکبیرۃ الاحرام بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان کہ انسان تکبیرۃ الاحرام کے بعد حمد و سورہ بھول کر رکوع میں چلا جائے تو قیام متصل بہ کوع حاصل ہے۔ صرف حمد و سورہ کا نقصان ہو گیا ہے اور یہ دونوں واجب ہونے کے باوجود ارکان نہیں ہیں لہذا ان کے بھولنے سے نماز باطل نہ ہو گی۔

اس کے بعد چوتھا رکن رکوع ہے اور پانچواں رکن دونوں سجدے کہ ان کا مجموعہ ایک رکن شمار ہو گا اور اس کی کمی کا مطلب یہ ہے کہ کسی رکعت میں ایک بھی سجدہ نہ ہو اور زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ دو کے بجائے چار سجدے ہو جائیں ـــــ ورنہ ایک یا تین سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اس سے صرف واجب غیر رکنی کا نقص یا اضافہ ہو گا اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نماز احساسِ عظمتِ الٰہی کا وسیلہ ہے اور جس عمل کا اس احساس میں جس قدر دخل ہو گا اس کی اسی قدر عظمت و اہمیت ہو گی۔

لفظی اعترافِ کبریائی پہلا درجہ ہے۔ عملی قیام دوسرا درجہ ہے ـــــ رکوع تیسرا درجہ ہے اور سجدہ آخری درجہ ہے جس کے بعد اعترافِ عظمت و بلندی کا کوئی عملی پہلو باقی نہیں رہ جاتا۔

رکوع اور سجدہ میں بھی یہ فرق ہے کہ قیام تک کی تعظیم غیر خدا کے لئے بھی ممکن تھی اور رائج بھی ہے۔ خدائی تعظیم کا سلسلہ رکوع سے شروع ہوتا ہے جس کے بارے میں زیارت حضرت سید الشہداءؑ کی نماز کے بعد کی دعا میں کہا گیا ہے کہ فانہ لا یجوز الصلوٰۃ والرکوع والسجود الا لک

پروردگار یہ نماز صرف تیرے لئے پڑھی ہے کہ نماز اور رکوع و سجود تیرے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ گویا اس عملی اعترافِ عظمت کا پہلا مرحلہ ہے جو بلانیت و ارادہ بھی رکوع ہے بایں معنی کہ وہ تکبیر کی طرح واجب اور غیر واجب میں مشترک نہیں ہے اور قیام کی طرح رکن اور غیر رکن میں بھی مشترک نہیں ہے بلکہ اس کی صرف ایک قسم ہے اور وہ بھی واجب اور رکن ہے۔

شائد اسی لئے اسلام نے رکوع کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اگر نماز جماعت میں رکوع تک پہنچ جائے تو رکعت کا شمار ہو جائے گا ورنہ سجدہ میں شامل ہو جانے سے ثواب جماعت تو مل جائے گا

رکعت شمار نہ ہوگی اور بعد میں پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔

انتباہ!

ارکانِ نماز کی اہمیت کے پیشِ نظر ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ——

* تکبیرۃ الاحرام کو بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ کوئی پیش واو نہ بننے پائے، کوئی زبر الف نہ بننے پائے اور اللہ کا نام قدرے موٹا بنا کر ادا کیا جائے۔
* رکوع میں اتنا جھکا جائے کہ ہاتھ رکھنا چاہے تو ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں اگرچہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا واجب نہیں ہے۔
* سجدہ میں ساتوں اعضاء سجدہ زمین پر ٹکے رہیں۔ زمین پر ٹکنے کے معنی زمین پر زور پڑنے کے ہیں مصلّٰی ہٹا کر خاک پر رکھنے کے نہیں ہیں۔ پیشانی خاک پر نہ رہی یا انگوٹھے، زمین سے اٹھ گئے یا ہتھیلیاں زمین پر نہ رہیں تو سجدہ باطل ہو جائے گا۔
* جس چیز پر سجدہ کرے اسے قابلِ سجدہ ہونا چاہیے یعنی خاک ہو یا خاک سے اگنے والی وہ چیزیں جن کا استعمال کھانے اور پہننے میں نہ ہوتا ہو۔
* خاک سے مراد زمین کی تمام قسمیں مٹی، پتھر، عقیق، ریت، شورہ زار زمین وغیرہ ہیں۔
* نہ کھانے اور پہننے کی قید سے سبزیوں اور روئی پر سجدہ ناجائز قرار پا گیا کہ ان کا استعمال کھانے یا پہننے میں ہوتا ہے۔
* کاغذ پر سجدہ بہرحال جائز ہے چاہے کسی چیز سے بنا ہو بشرطیکہ کاغذ ہی ہو کوئی اور چیز نہ ہو۔
* جس زمین پر پالش ہے اس پر سجدہ نہیں ہو سکتا۔
* قابلِ سجدہ چیز فراہم نہ ہو تو انتظام کرے اور نہ مل سکے اور وقت نماز بھی جا رہا ہو تو اپنے دامن یا آستین پر سجدہ کرے۔
* دامن و آستین پر سجدہ ممکن ہو تو کسی کپڑے پر سجدہ کرے ورنہ ہتھیلی کی پشت پر ——

لیکن کپڑے کا مرتبہ ہتھیلی سے پہلے کا ہے۔

* دورانِ نماز سجدہ گاہ گم ہو جائے اور وقت نماز باقی ہو تو نماز توڑ دے اور قابلِ سجدہ شے فراہم کر کے دوبارہ نماز شروع کرے۔

* سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے چاہے قیام کی جگہ پاک نہ ہو کہ وہ تر نہیں ہے تو نجس پر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

* رکوع کے بعد قیام رکن نہیں ہے لیکن واجب ضرور ہے لہذا اس کا ترک کر دینا بھی نماز کو باطل کر دے گا۔

* دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی واجبات میں ہے۔ اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنا واجب نہیں ہے، سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے۔

* رکوع میں ایک مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ یا تین مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور سجدہ میں ایک مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ یا تین مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ واجب ہے۔

سبق ۹

اقسامِ نماز

اسلام میں نمازیں واجب بھی ہیں اور مستحب بھی۔ حرام و مکروہ نمازیں نہیں ہیں۔ کوئی نماز خلافِ قانونِ شرع پڑھی جائے گی تو حرام ہو جائے گی اور نامناسب وقت یا مقام پر ادا کی جائے گی تو مکروہ ہو جائے گی لیکن عبادت میں مکروہ کے معنی ناپسندیدہ کے نہیں ہیں کہ اس کے بعد عمل عبادت نہ رہ جائے گا۔ عبادات میں مکروہ کا مطلب ثواب کی کمی ہے۔ لہٰذا جو بھی عبادت مکروہ ہو گی اس میں ثواب کم ہو گا لیکن عمل بہرحال صحیح رہے گا۔

واجب نمازیں ـــــ زمانۂ غیبت امام عصر علیہ السّلام میں چھ قسم کی ہیں :-

۱۔ **نماز یومیہ** ـــــ اس میں نمازِ جمعہ بھی شامل ہے کہ وہ جمعہ کے دن نمازِ ظہر کا بدل ہے اور دو میں سے ایک واجب ہے۔

۲۔ **نماز آیات** ـــــ چاند گہن، سورج گہن، زلزلہ وغیرہ کی نماز جس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز ادا کی جائے اور ہر رکعت میں نیت و تکبیرۃ الاحرام کے بعد حمد و سورہ پڑھ کر رکوع میں جائے اور پھر رکوع سے اٹھ کر حمد و سورہ پڑھ کر رکوع میں جائے اور پھر تیسری، چوتھی پانچویں مرتبہ یہی کرے اور پانچ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا جائے اور دوسری رکعت اسی ترتیب سے ادا کر کے تشہد و سلام پر نماز تمام کر دے اور کوشش کرے کہ گہن کھلنے سے پہلے نماز ادا ہو جائے۔ اس نماز میں جماعت کا بھی امکان ہے۔

۳۔ **نماز میّت** ـــــ جس کی مختصر ترکیب یہ ہے کہ نیت و تکبیر کے بعد شہادتین

پڑھے پھر تکبیر کہہ کر صلوات پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَات کہے اور پھر تکبیر کہہ کر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِھٰذَا الْمَیِّت اور اگر میت عورت کی ہے تو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِھٰذِہِ الْمَیِّت کہے پھر تکبیر کہہ کر نماز تمام کر دے۔

نماز میت ہر مسلمان کے جنازہ پر واجب ہے چاہے وہ خود نمازی رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ چھ برس کی عمر والے بچہ کی نماز میت واجب ہے، اس سے کم کی نہیں۔

۴۔ **نماز طواف** ـــــ طواف واجب کے بعد دو رکعت نماز مقام ابراہیمؑ کے پیچھے واجب ہے۔ اس کی ترکیب مثل نماز صبح ہے صرف اذان و اقامت نہیں ہے۔

۵۔ **نماز اجارہ** (جو مردہ کی طرف سے اجرت لے کر پڑھی جاتی ہے۔) نماز نذر و عہد و یمین (جو کسی کام کے پورا ہونے پر نماز کی نذر کرنے یا خدا سے عہد کرنے یا قسم کھانے کی بنا پر واجب ہو جاتی ہے۔)

۶۔ **باپ کی قضا نماز بڑے بیٹے پر** ـــــ احتیاطاً ماں کی قضا نماز بھی ادا کر دے۔ بڑے بیٹے کے علاوہ دوسرے بیٹے یا بیٹیوں پر قضا واجب نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بڑے بیٹے کی مجبوری یا نالائقی کی صورت میں ادا کر دیں تو کمال سعادت مندی کا ثبوت ہوگا۔

نوٹ : نماز عیدین کا شمار بھی واجب نمازوں میں ہوتا ہے لیکن زمانہ غیبت امامؑ میں واجب نہیں ہے۔

نماز جمعہ ـــــ یہ نماز، جمعہ کے دن واجب تخییری ہے کہ انسان ظہر یا جمعہ کوئی نماز ادا کر سکتا ہے۔ البتہ اس نماز میں جماعت کی شرط ہے اور کم سے کم پانچ مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ نماز سے پہلے دو خطبے ہوں گے جن میں حمد و ثنائے الٰہی، موعظہ اور صلوات و سلام کے ساتھ مختصر سورتوں کی تلاوت کی جائے گی اور سب کچھ حالت قیام میں ہوگا۔ خطیب اور پیش نماز کا ایک ہونا ضروری ہے۔ دو جمعوں کے درمیان ۵ کیلو میٹر سے کم کا فاصلہ نہ ہو۔ خطبہ میں جس زبان کے افراد کا مجمع ہو انھیں کی زبان میں وعظ و نصیحت کرے تاکہ اسے وعظ و نصیحت کہا جا سکے۔

نماز قصر ـــــ انسان ۴۴ میل شرعی یعنی تقریباً ۴۴ کلومیٹر سفر کا ارادہ رکھتا ہے تو آبادی کے حدود سے باہر نکلنے کے بعد چار رکعتی نمازوں کو دو رکعت پڑھے گا۔ سفر کے لئے شرعی ہونا ضروری ہے۔ انسان کبھی کثیر السفر یعنی سفر پیشہ نہ ہو۔ مسافت کا ارادہ شروع سے ہو۔ منزل پر دس دن کا قیام نہ ہو ورنہ جہاں وطن ہوگا یا دس دن قیام ہوگا وہاں قصر نہ ہوگا۔

واضح رہے کہ مسافت کا حساب آبادی کے آخری مکان سے ہوگا۔ سرکاری اعداد و شمار کے اعتبار سے نہیں۔

چند مستحبی نمازیں ـــــ

۱۔ **نوافل یومیہ** ـــــ ہر نماز واجب کے ساتھ کچھ مستحبی نمازیں بھی رکھی گئی ہیں جو درحقیقت واجبات میں کوتاہی کی تکمیل کا درجہ رکھتی ہیں۔

ظہر کا نافلہ آٹھ رکعت ظہر سے پہلے۔ عصر کا نافلہ آٹھ رکعت عصر سے پہلے۔ مغرب کا نافلہ چار رکعت مغرب کے بعد۔ عشا کا نافلہ دو رکعت بیٹھ کر عشا کے بعد۔ صبح کا نافلہ دو رکعت نمازِ صبح سے پہلے۔

۲۔ **نافلہ شب** ـــــ یہ گیارہ رکعت نماز ہے جو نصف شب کے بعد پڑھی جاتی ہے اور بیحد بابرکت ہے۔ امام سجادؑ اور جناب زینبؑ جیسی شخصیتوں نے اسے قید و بند کے دوران بھی ترک نہیں کیا۔

ابتدائی آٹھ رکعتیں دو دو رکعت کر کے نمازِ شب کی نیت سے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز شفع کی نیت سے۔ اس کے بعد ایک رکعت نماز وتر کی نیت جس میں اسی رکعت میں حمد کے بعد تین مرتبہ قل ہو اللہ، ایک مرتبہ سورۂ ناس، ایک مرتبہ سورۂ فلق۔ پھر قنوت میں عام دعائے قنوت کے علاوہ ستر مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ـــــ چالیس زندہ، مردہ مومنین کے لئے دعائے مغفرت اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِفلان وفلان ـــــ تین سو مرتبہ اَلْعَفْوَ

پڑھے اور پھر رکوع، سجدہ، تشہد و سلام پڑھ کر نماز تمام کر دے۔

۳۔ **نماز عیدین** ـــــ زمانہ غیبت امام میں مستحب ہے۔ دو رکعت نماز ہے بلا اذان و اقامت۔ پہلی رکعت میں حمد و سورہ کے بعد پانچ قنوت اور دوسری رکعت میں حمد و سورہ کے بعد چار قنوت پھر رکوع، سجدہ، تشہد و سلام۔

اس نماز میں کسی خاص سورہ یا دعائے مغفرت کی شرط نہیں ہے ـــــ یہ نماز فرادیٰ بھی ہو سکتی ہے اور باجماعت بھی۔

۴۔ **نماز وحشت** ـــــ قبر کی پہلی رات انسان کے لئے انتہائی وحشت ناک ہوتی ہے جب انسان پہلے پہل ایسی منزل پر وارد ہوتا ہے جہاں نہ روشنی ہوتی ہے نہ جمعیت نہ اعزا ہوتے ہیں نہ احباب۔ قبر کے اندر کا ماحول یوں بھی بھیانک ہوتا ہے پھر رات کا منظر الامان والحفیظ۔ اسلام نے اس وحشتِ قبر کا علاج اس طرح کیا کہ زندہ رہ جانے والے افراد دفن کی رات (اگر دن میں دفن ہوا ہے تو آنے والی رات اور رات میں دفن ہوا ہے تو وہی رات) مرنے والے کی طرف سے صدقہ دیں کہ صدقہ دفع بلا کا بہترین سہارا ہے اور صدقہ ممکن نہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کریں کہ نمازِ وحشت قبر میں بہترین مونس کا درجہ رکھتی ہے۔

پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد دس مرتبہ سورہ انا انزلناہ۔ نماز اور صدقہ دونوں پر عمل کیا جائے تو دفع وحشت بھی ہے اور علاجِ ظلمت بھی۔

اس نماز میں اذان، اقامت اور جماعت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ضرورت پڑنے پر اجرت دے کر بھی پڑھوائی جا سکتی ہے۔

۵۔ **نماز جماعت** ـــــ نماز واجب کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا امر مستحب ہے اور اس کی بیحد تاکید کی گئی ہے۔ جماعت میں ایک امام اور ایک مامور ہو تو بھی نماز کا ثواب ڈیڑھ سو گنا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر فرد کے اضافہ پر ثواب دگنا ہوتا جائے گا۔ صرف جمعہ کی نماز میں پانچ افراد کی شرط ہے ورنہ جماعت ایک امام اور ایک مامور سے بھی ہو سکتی ہے۔

امام جماعت کے لئے مسائل نماز سے باخبر ہونا اور عادل ہونا کافی ہے کہ واجبات شریعت پر عمل کرے اور محرمات سے پرہیز کرے۔ اس سے زیادہ عالم، علامہ، مجتہد، سند یافتہ کا تلاش کرنا وسوسہ نفس اور محرومیتِ ثواب کا ذریعہ ہے۔

نماز جماعت میں پہلی دو رکعتوں میں شامل ہوگیا ہے تو حمد و سورہ امام پڑھے گا ماموم نہ پڑھے گا۔ صرف ذکر خدا کرے گا خواہ نماز ظہر و عصر ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ باقی نماز خود پڑھنا ہوگی۔

جماعت میں ماموین کے لئے جماعت کی نیت ضروری ہے لیکن امام کے لئے جمعہ کے علاوہ امامت کی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

جماعت ہر واجب نماز میں ہوسکتی ہے۔ نماز طواف میں جماعت کا نہ ہونا بہتر ہے جس طرح کہ عیدین کی نماز زمانۂ غیبت میں بھی با جماعت ہوسکتی ہے ورنہ مستحبی نماز با جماعت نہیں ہوسکتی۔

سبق ۱۰

نقائصِ نماز

نماز کی حالت میں کبھی نمازی پر سہو طاری ہو جاتا ہے اور کبھی شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسلام نے دونوں امراض کا علاج معین کیا ہے اور نمازی کو یہ اجازت نہیں دی کہ نماز توڑ کر دوبارہ ادا کرے کہ نماز کا توڑنا خود ایک جرم ہے، دوبارہ ادا کرنے کا سوال تو بعد میں پیدا ہوگا۔

سہو کی صورت یہ ہے کہ اگر انسان ایک سجدہ یا تشہد بھول گیا ہے تو نماز تمام کر کے ایک سجدہ کرے یا ایک تشہد پڑھے اور اس کے بعد دو سجدۂ سہو کرے۔

اسی طرح اگر قیام کی جگہ قعود یا قعود کی جگہ بھولے سے قیام کر لیا ہے ـــــ یا سہواً درمیانِ نماز کلام کر لیا ہے تو سجدہ سہو واجب ہیں۔ ان کے علاوہ باقی چیزوں کے بھول جانے کا کوئی اثر نہیں ہے بشرطیکہ وہ ارکان میں نہ ہوں ـــــ اگرچہ احتیاط یہی ہے کہ ہر کمی اور زیادتی پر دو سجدۂ سہو کرے۔

سجدۂ سہو کی ترکیب یہ ہے کہ نماز کے بعد نیت کرے کہ دو سجدہ کرتا ہوں فلاں نقص کی بنا پر قربۃً الی اللہ ـــــ پھر سجدہ میں جا کر کہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ـــــ پھر سجدہ سے اٹھ کر دوبارہ اسی طرح سجدہ کرے ـــــ اور پھر تشہد و سلام پڑھ کر عمل تمام کر دے۔

شک کا معاملہ یہ ہے کہ شک کا تعلق یا نماز کے افعال سے ہوتا ہے یا رکعات سے۔

افعال میں شک پیدا ہو جائے تو اگر بعد والا کام شروع نہیں کیا ہے تو اسے بجا لائے ورنہ

مطمئن ہوکر آگے بڑھ جائے شک کی پرواہ نہ کرے انشاء اللہ نماز صحیح رہے گی۔

رکعتوں میں شک کی تین صورتیں ہیں :-

- دو رکعتی نماز میں رکعتوں میں شک ہو کہ پہلی ہے یا دوسری مثلاً ـــــ تو نماز بہرحال باطل ہے۔
- تین رکعتی نماز میں شک ہو ـــــ اس صورت میں بھی نماز باطل ہے۔
- چار رکعتی نماز میں شک ہو اور اس طرح کہ دو رکعتوں کے مکمل ہونے کا یقین نہ ہو مثلاً یہ دوسری ہے یا تیسری ـــــ تو نماز باطل ہے اور دو رکعتوں کے مکمل ہو جانے کا یقین ہے کہ مثلاً یہ دوسری تھی یا تیسری ـــــ تو زیادہ قرار دے کر اسی حساب سے نماز تمام کرے گا اور بعد میں کم اور زیادہ میں جتنا فرق ہوگا اتنے رکعت نماز احتیاط پڑھ لے گا۔

نماز احتیاط ـــــ کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد دل میں نیت کرے زبان سے ہرگز نہیں کہ میں ایک رکعت یا دو رکعت نماز احتیاط پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ۔ اللہ اکبر۔ پھر سورۂ حمد آہستہ پڑھ کر رکوع میں جائے اور سجدہ کے بعد پھر اسی طرح کرے۔ دوسرے سورہ یا قنوت کا سوال نہیں ہے کہ یہ تیسری یا چوتھی رکعت کے بدلے میں ہے۔ دونوں رکعتوں کے خاتمہ پر تشہد اور سلام پڑھے اور نماز تمام کردے۔

واضح رہے کہ نماز احتیاط کی مقدار شک کے فرق سے طے ہوتی ہے کہ اگر یہ شک تھا کہ یہ رکعت جو ابھی تمام کی ہے دوسری تھی یا تیسری تو تین سمجھ کر اسی حساب سے تمام کرے گا اور نماز احتیاط ایک رکعت ہوگی ـــــ اور اگر یہ شک تھا کہ یہ دوسری تھی یا چوتھی ـــــ تو چار سمجھ کر نماز تمام کرے گا اور نماز احتیاط دو رکعت ہوگی ـــــ اور اگر یہ شک تھا کہ یہ دوسری تھی یا تیسری یا چوتھی تو شک دو طرح کے ہو گئے اور نماز احتیاط بھی دو طرح کی ہوگی

ایک نماز ایک رکعت ـــــ دوسری نماز دو رکعت۔

ایک رکعت والی نماز میں یہ اختیار ہے کہ اسے بیٹھ کر دو رکعت بھی بنا سکتا ہے لیکن

دوسرا سورہ اور قنوت وغیرہ بہرحال نہ ہوگا۔ یہ نماز مستقل نماز نہیں ہے بلکہ اصلی نماز کی تکمیل ہے لہذا اس میں واقعی نقص ہوگا تو اس نماز سے پورا ہو جائے گا اور وہ نماز مکمل ہوگی تو اس کا الگ سے ثواب مل جائے گا۔

سبق ۱۱

رُوزہ

اسلامی عبادات میں نماز کے بعد اہم ترین عبادت روزہ ہے۔ روزہ تزکیہ نفس اور تطہیر جذبات کا بہترین ذریعہ ہے، روزہ کے ذریعہ انسان کی قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے۔ روزہ کے ذریعہ انسان اپنے نفس پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ روزہ کے ذریعہ انسان وقت کی اہمیت اور پابندئ وقت کی قدر وقیمت کا اندازہ کرتا ہے۔ روزہ کے ذریعہ غریبوں کے دکھ درد اور فقیروں کے فقر وفاقہ کا احساس ہوتا ہے۔ روزہ کے ذریعہ اخلاصِ عمل کی تربیت ہوتی ہے ـــــ روزہ کے ذریعہ تقویٰ الٰہی ترقی کرتا ہے۔ روزہ کے ذریعہ خوف خدا کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ روزہ غریبوں کا حج اور جہنم کے لئے سپر ہے۔

روزہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ریاکاری کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ صرف نیت ہے جس کے ساتھ تروک بہت سے ہیں اور عمل کوئی نہیں ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ریاکاری عمل میں ہوتی ہے نیت میں نہیں ـــــ اور یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے کہ " روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دینے والا ہوں۔

روزہ کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ روزہ عبادت ہونے کے باوجود زندگی کے کسی معاملہ میں دخل انداز نہیں ہوتا ہے۔ نماز روزہ سے اہم عبادت ہے لیکن اس کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ لیٹنا سونا تو بڑی بات ہے، دو جملے زبان سے نکالنا بھی گوارا نہیں کرتی لیکن روزہ میں اس قدر وسعت اور گنجائش پائی جاتی ہے کہ روزہ دار سو بھی سکتا ہے، بات بھی کرسکتا ہے، آرام بھی

کرسکتا ہے، تجارت بھی کرسکتا ہے، زراعت بھی کرسکتا ہے، ملازمت بھی کرسکتا ہے۔ زندگی کا ہر جائز کاروبار انجام دے سکتا ہے اور اس سے اس کی عبادیت میں کوئی خلل یا نقص نہیں پیدا ہوسکتا اور یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے ایامِ حیض میں نماز روزہ دونوں ترک کرانے کے بعد روزہ کی قضا واجب کی ہے اور نماز کی قضا واجب نہیں کی ہے اس لئے کہ نماز کے ساتھ معاملاتِ زندگی کے معطل ہوجانے کا خطرہ ہے اور روزہ میں ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

سرکارِ دو عالمؐ نے آخرِ شعبان کے خطبۂ جمعہ میں روزہ کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس ماہ میں تمھاری ہر سانس تسبیح کا ثواب رکھتی ہے اور ہر نیند عبادت ہے۔ اس میں اعمال مقبول ہیں اور دعائیں مستجاب ہوتی ہیں....

اس حدیث مبارک میں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ ہر زمانہ میں تسبیح تسبیح ہوتی ہے اور ماہِ مبارک میں روزہ دار کی سانس تسبیح کا درجہ رکھتی ہے کہ اگر وہ تسبیح کرے گا تو اس کا درجہ نورٌ علیٰ نور کا ہوگا ـــــ اور اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بعض اوقات اشیاء کو اتنا بڑا شرف حاصل ہوجاتا ہے کہ بغیر عمل کے عمل کا ثواب مل جاتا ہے۔ جس طرح باوضو سونے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انسان وضو کرکے سوجائے تو اگرچہ نیند کے غالب آتے ہی وضو ختم ہوجائے گا لیکن انسان جب تک سوتا رہے گا اسے عبادت کا ثواب ملتا رہے گا۔

خود ماہِ مبارک کی نیند کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس نیند کا درجہ عبادت کا ہے ـــــ اور ان باتوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کمال کا ایک درجہ یہ بھی ہے جہاں بظاہر عمل نہیں ہوتا لیکن واقعاً عمل کا اجر و ثواب ملتا رہتا ہے ـــــ بنا بریں یہ کہنے کا امکان نہیں ہے کہ شبِ ہجرت حضرت علیؑ عبادت کو ترک کرکے آرام کر رہے تھے ـــــ کہ اوّلاً تو عبادت حکمِ خدا و رسولؐ کے انجام دینے کا نام ہے اس میں قیام و قعود کی شرط نہیں ہے ـــــ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر روزہ دار کی نیند عبادت کا درجہ رکھتی ہے جو کہ صرف ایک طبیعی تقاضا ہے اور اس میں کوئی عبادت و اخلاص کا پہلو نہیں ہے تو علیؑ کی نیند میں تو تحفظِ اسلام، تحفظِ

رسولؐ اسلام اور تحفظ دین و شریعت کا راز پوشیدہ ہے۔

یہی بات ان روایات کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جن میں تسبیحِ خاکِ شفا کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس تسبیح کا خاصہ یہ ہے کہ تسبیح کرنے والا غافل کبھی ہو جائے تو خاک خود تسبیح پروردگار کرتی رہتی ہے ـــــ کیوں نہ ہو؟ ـــــ اس خاک میں شہیدِ راہِ خدا کا خون جذب ہے ـــــ اس خاک کو امانتدار خونِ شہیداں ہونے کا شرف حاصل ہے ـــــ اس خاک نے تحفظِ دین و مذہب کا سب سے بڑا معرکہ دیکھا ہے۔ اس خاک پر ارض مکہ غبطہ کرتی ہے کہ میرا سارا شرف تیری وجہ سے باقی رہ گیا ہے: "اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ ..."

سبق ۱۲

رُوزہ کے اقسام

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا دارو مدار نیت پر ہے کہ انسان یہ نیت کرے کہ میں وقتِ فجر سے وقتِ مغرب تک ان تمام چیزوں سے پرہیز کروں گا جو روزہ شکن اور روزہ کو باطل کر دینے والی ہیں۔

روزہ میں نیت کو بے پناہ اہمیت حاصل ہے اور یہی اس کا مرکزی نقطہ ہے کہ انسان کسی وقت بھی یہ ارادہ کرلے کہ میں تھوڑی دیر کے بعد روزہ توڑ ڈالوں گا تو بعد میں پشیمان بھی ہو جائے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اسے بعد میں قضا رکھنا پڑے گی۔ یہ اور بات ہے کہ ماہِ مبارک کی وجہ سے کھانا پینا حرام رہے گا ـــــ کہ ان دنوں میں بیمار، مسافر اور معذور افراد کے علاوہ سب کے لئے کھانا پینا حرام ہے۔

یہ ایک غلط فہمی ہے کہ روزہ رکھ کر توڑ دینا حرام ہے اور نہ رکھنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے۔ ماہِ رمضان کے دن میں انسان شرعاً معذور نہیں ہے تو کھانا پینا سب حرام ہے۔ یہ دن روزہ کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان میں روزہ نہ رکھنے والا بھی مجرم ہے اور رکھ کر توڑ دینے والا بھی مجرم ہے۔

روزہ میں نیت کے مرکزی کردار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ماہِ مبارک رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد انسان پورے مہینے کی اکٹھا نیت کرلے تو وہ بھی کافی ہے۔ روزانہ اس ورد کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔

نیت دل کے اندر ہوتی ہے، زبان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کے دہرانے

کی کوئی ضرورت ہے۔

نیت میں بھی اس تفصیل کا کوئی لزوم نہیں ہے کہ پہلے مفطرات کی فہرست سامنے رکھے اور اس کے بعد یہ نیت کرے کہ میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کروں گا بلکہ اجمالی نیت بھی کافی ہے کہ جو چیز بھی روزہ کی حالت میں حرام ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے سب سے پرہیز کروں گا۔

اس تمہید کے بعد واضح ہونا چاہئے کہ روزہ کی نیت میں ادنیٰ خلل بھی پیدا ہو جائے تو روزہ واجب کے بجائے حرام ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی انسان نیت کرے کہ میں اپنا روزہ فجر کے پہلے سے شروع کروں گا یا مغرب کے بعد تک جاری رکھوں گا اور اس طرح وقتِ روزہ میں تھوڑا بہت اضافہ کرنے کی نیت کرلے تو روزہ حرام ہو جائے گا اور اس کا حشر ویسا ہی ہوگا جس طرح انسان مغرب سے پہلے افطار کی نیت کرے۔

یہ ممکن ہے کہ انسان فجر سے پہلے سے کھانا پینا چھوڑ دے اور مغرب کے بعد بھی افطار نہ کرے ـــــ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ نیت میں ایک منٹ کا اضافہ شامل کرے کہ یہ بدعت اور حرام ہے۔

اس کے علاوہ عید اور بقرعید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ عورت کے لئے ایامِ حیض و نفاس میں روزہ حرام ہے اور مرد کے لئے حالتِ سفر میں روزہ حرام ہے۔ سفر کی حالت میں سنتی روزہ بھی ممکن نہیں ہے۔ صرف مدینہ منورہ میں مسافرین تک حاجت کے لئے روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ادا، قضا کوئی روزہ سفر کی حالت میں نہیں ہو سکتا ہے۔

ماہِ رمضان کا قضا روزہ کسی کے ذمہ باقی ہے تو سنتی روزہ ناممکن ہے ـــــ شوہر منع کردے تو عورت سنتی روزہ نہیں رکھ سکتی۔ واجبات میں حکم الٰہی کے علاوہ کسی کا حکم نہیں چل سکتا ـــــ وہاں تو عورت صاحب استطاعت ہو جائے تو اس پر حج واجب ہو جاتا ہے چاہے مرد فقیر محض ہی کیوں نہ ہو اور شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ عورت کو سفرِ حج سے روک دے۔ یہی حال والدین کا

ہے کہ ان سب کی اطاعت پروردگار نے واجب قرار دی ہے اور جو اطاعت حکمِ الٰہی سے واجب ہوتی ہے وہ حکمِ الٰہی کے مقابلہ میں نہیں ہوسکتی۔

استحباب کے اعتبار سے تمام سال کے روزے مستحب ہیں۔ صرف حرام دنوں میں روزہ نہیں ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ ہر دن میں ہوسکتا ہے بلکہ شعبان، رجب کے روزے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح ہر مہینہ میں پہلی اور آخری جمعرات اور درمیانی بدھ روزہ کے لئے افضل ہے۔

کراہت کے اعتبار سے باپ کی اجازت کے بغیر بیٹے کا مستحبی روزہ، شوہر کی اجازت کے بغیر زوجہ کا سنتی روزہ، میزبان کی اجازت کے بغیر مہمان کا سنتی روزہ مکروہ ہے۔

اور اس طرح روزہ واجب بھی ہے اور حرام بھی، مکروہ بھی ہے اور مستحب بھی ـــــ مباح ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے کہ اس کے طرفین برابر ہوتے ہیں اور ایسا عمل عبادت نہیں ہوسکتا۔

سبق ۱۳

مفطراتِ رُوزہ

روزہ تربیتِ بشر اور تزکیہ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے اسلام نے روزہ کی حالت میں ان تمام چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے جن سے قوتِ ارادی کمزور ہوتی ہے یا نفسِ انسانی میں خواہش پرستی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

روزہ کے دوران حرام اور روزہ شکن قرار پانے والی اشیاء حسب ذیل ہیں :-

* **کھانا پینا** کسی مقدار میں ہو، کوئی شے ہو، کسی ترکیب سے کھائی یا پی جائے روزہ کی حالت میں بہر حال حرام ہے۔ یہاں تک کہ گھاس کھانا، لکڑی چبانا، مٹی کھانا وغیرہ بھی حرام ہے۔
* **مباشرت کرنا** ــــ انسان سے ہو یا حیوان سے ہو، سامنے سے ہو یا پشت کی طرف سے، حلال سے ہو یا حرام سے۔ تمام قسمیں حرام ہیں۔
* **بہتان** ــــ خدا و رسولؐ و ائمہؑ و اوصیاءؑ و انبیاء کرامؑ کی طرف غلط بات کی نسبت دینا روزہ کو باطل کر دیتا ہے۔ دیگر افراد کی طرف نسبت بھی حرام ہے روزہ شکن نہیں ہے۔
* **پانی میں غوطہ لگانا** ــــ روزہ کی حالت میں سارا سر پانی کے اندر ڈبو دیا تو روزہ باطل ہو جائے گا چاہے سارا بدن باہر رہے اور اس کے برعکس اگر سارا بدن پانی میں رہے صرف سر باہر رہے یا نصف سر باہر رہے تو روزہ باطل نہ ہوگا۔ غوطہ خوروں کی طرح کسی ظرف میں سر ڈال کر غوطہ لگانے سے روزہ باطل نہیں ہوگا۔
* **غبار کا حلق تک پہنچانا** ــــ روزہ کی حالت میں قصداً غبار یا دھوئیں کے حلق

کے اندر پہنچانے سے روزہ باطل ہوجاتا ہے اور اس سے پرہیز ضروری ہے۔

* **حالتِ جنابت پر فجر تک باقی رہنا** ـــــ روزہ کا قانون ہے کہ وہ جس وقت شروع ہو اس وقت انسان کو جنابت سے پاک ہونا چاہیئے۔ شروع ہونے کے پانچ منٹ بعد بھی احتلام ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جس وقت شروع ہو رہا ہے۔ اذان فجر کے وقت انسان کو جنابت سے طاہر ہونا چاہیئے کہ غسل ممکن ہے تو غسل کرے اور غسل ممکن نہ ہو تو تیمم کرے۔ ایسا نہ کیا تو روزہ باطل ہوجائے گا اور کفارہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔

ایسے وقت میں جماع کرنا کہ غسل اور تیمم کا موقع نہ مل سکے عمداً جنابت پر باقی رہنے کے حکم میں ہے اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں۔ ماہ رمضان کی شب میں جماع یا احتلام کے بعد فوراً غسل کرے اور یہ نہ ہوسکے تو اس ارادہ سے سوئے کہ اذان سے پہلے اٹھ کر غسل کرلے گا اور پھر اٹھ کر غسل کرلے اور اتفاقاً آنکھ نہ کھلی تو روزہ ہوجائے گا کہ اس کی نیت غسل کرنے کی تھی لیکن دوبارہ پھر اسی طرح سوگیا اور نہ کھلی تو یہ نیت کارآمد نہ ہوگی اور دن بھر فاقہ بھی کرنا ہوگا اور بعد میں قضا بھی کرنا ہوگی بلکہ تیسری مرتبہ یہی حرکت کی تو کفارہ کا بھی امکان ہے۔

تیمم کرنے والے کا فرض ہے کہ اذان تک اپنے تیمم کو باقی رکھے کہ اگر پیشاب، پائخانہ، ریاح یا نیند سے یہ تیمم ٹوٹ گیا اور اذان سے پہلے دوبارہ تیمم نہیں کیا تو بنابر احتیاط اسکا روزہ باطل ہوجائے گا اور آج کے فاقہ کے ساتھ بعد میں قضا بھی کرنا پڑے گی اور کفارہ بھی۔

ماہ رمضان کے دن میں احتلام ہوجائے تو فوراً غسل کرنا ضروری نہیں ہے غسل میں تاخیر کرنے سے بھی روزہ باطل نہ ہوگا۔

سال بھر میں صرف رمضان کی چاند رات ہے جس میں زوجہ سے ہمبستری مستحب ہے لیکن جنابت اور غسل و تیمم کے احکام کا نظر میں رکھنا بہرحال ضروری ہے۔

* **استمنا** (خود کاری کے ذریعہ منی نکالنا) ـــــ یہ عمل بھی روزہ کو باطل کر دیتا ہے اور نہایت درجہ مذموم عمل ہے جسے روزہ کے علاوہ بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ زوجہ کے ذریعہ ہو

تو حرام نہیں ہے لیکن روزہ بہرحال باطل ہو جائے گا جس طرح کہ زوجہ سے مباشرت کرنے سے باطل ہو جاتا ہے۔

* **سیال چیز سے انیما** کرانا بھی روزہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے جسم کے اندر کسی چیز کا پہنچ جانا روزہ کو باطل نہیں کرتا جس کا مطلب یہ ہے کہ یا حلق سے کوئی چیز اندر جائے یا پیخانہ کے مقام سے سیال چیز اندر جائے تو روزہ باطل ہے ورنہ نہیں — اور اس کے نتیجہ میں سر میں تیل لگانا، بدن میں مالش کرانا، انجکشن لگوانا، خون چڑھانا، خون نکالنا، زخم میں دوا لگانا، آنکھ کان میں دوا ڈالنا وغیرہ روزہ کو باطل نہیں کرتا۔ منہ میں جمع ہو جانے والے تھوک کو نگل جانا بھی روزہ کو باطل نہیں کرتا۔

* **عمداً قے کرنا** روزہ کو باطل کر دیتا ہے۔ بے اختیار ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ:۔ یہ تمام امور روزہ کو باطل کرتے ہیں اگر قصداً ان کا ارتکاب کیا جائے ورنہ بھولے سے کسی غلطی کے ہو جانے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

سبق ۱۴

قضا و کفارات

واضح رہے کہ ماہِ رمضان کا دن اللہ نے روزہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس میں عذرِ شرعی کے بغیر روزہ نہ رکھنے والا سخت مجرم ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہیں کی جاسکتی۔

چند صورتیں ہیں جہاں روزہ نہ رکھنے سے یا توڑ دینے سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور باقی مقامات پر کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔ ان امور کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مقاماتِ قضا

۱۔ رات میں جنابت پیدا ہوئی۔ غسل میں جلدی کرنے کے بجائے غسل کا ارادہ لے کر سوگیا اور پھر اٹھ کر دوبارہ سوگیا اور اذان تک آنکھ نہیں کھلی تو دن بھر فاقہ کرے اور بعد میں قضا کرے۔

۲۔ روزہ کی نیت نہیں کی اور دن بھر کوئی روزہ شکن کام بھی نہیں کیا تو صرف قضا واجب ہے ورنہ کھا پی لیا تو کفارہ بھی واجب ہے۔

۳۔ غسل جنابت کرنا بھول گیا اور برابر روزہ رکھتا رہا۔ چند دنوں کے بعد یاد آیا تو گذشتہ تمام روزوں کی قضا واجب ہے۔ ہاں جنابت کا علم نہ تھا بعد میں علم ہوا تو اور بات ہے۔

۴۔ بلا تحقیق و تفتیش کھاتا چلا گیا اور صبح کی اذان ہوگئی تو قضا واجب ہے تحقیق کے بعد دھوکہ ہوگیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور صبح معلوم ہونے کے بعد بھی کھاتا رہا تو قضا اور کفارہ دونوں

واجب ہیں۔

۵۔ اندھیرا دیکھ کر افطار کر لیا یا کسی اور دھوکہ سے افطار کر لیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ قبل از وقت ہے تو قضا واجب ہے بلکہ احتیاطاً کفارہ بھی واجب ہے۔

۶۔ کلی کرنے کی نیت سے منہ میں پانی لیا اور حلق کے اندر چلا گیا تو صرف قضا واجب ہے۔ قصداً اتار لیا تو کفارہ بھی ضروری ہے۔

۷۔ زوجہ سے خوش فعلی کے دوران خلافِ عادت وارادہ منی نکل گئی تو قضا واجب ورنہ اگر یہ عادت ہے یا یہی ارادہ تھا تو کفارہ بھی واجب ہے۔

ان تمام مقامات کے علاوہ جہاں بیماری، مسافرت یا عورت کے یہاں ایامِ حیض و نفاس کے علاوہ انسان روزہ نہ رکھے گا وہاں قضا کے ساتھ کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا ـــــ بلکہ حرام چیزوں سے روزہ توڑا ہے تو تین تین کفارے دینا ہوں گے۔

کفارات

* ایک ایک روزے کے بدلے ۶۰ روزے ـــــ جن میں ۳۱ دن مسلسل ۲۹ تک آزاد ـــــ یا ۶۰ مسکینوں کا کھانا کہ ہر مسکین کو بٹھا کر کھلایا جائے یا کم سے کم تین پاؤ غلہ دیا جائے۔
* کھلانے میں ۶۰ کا عدد پورا کرنا ضروری ہے چاہے بچے ہی کیوں نہ ہوں۔ ۳۰ آدمیوں کو ڈیڑھ کیلو کے حساب سے دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔
* ۶۰ افراد کو کھانا یا غلہ دینا پڑے گا قیمت سے کام نہیں چل سکتا۔
* غلہ میں یہ اختیار ہے کہ کھجور، گندم، آٹا، چاول، ماش، دال کوئی چیز بھی دے سکتا ہے جسے طعام کہا جاتا ہو۔
* اگر فقیر صاحبِ عیال ہے تو اسے افراد کی تعداد کے حساب سے اتنے آدمیوں کا کھانا دے سکتا ہے اور اتنے عدد شمار ہو جائیں گے۔

دسترخوان پر بٹھا کر کھلایا ہے تو ہر آدمی اپنے شکم کے برابر کھائے گا جو تین پاؤ سے کم بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر غلہ تقسیم کیا ہے تو فی کس تین پاؤ دینا ہوگا چاہے شیر خوار بچہ ہی کے نام پر کیوں نہ دے جس طرح کہ فطرہ ہر شخص کا تین کیلو ہوتا ہے چاہے وہ شبِ عید کے قریب پیدا ہونے والا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

۶۰ مسکین فراہم نہ ہوں تو کسی ایسے ادارہ کو دے جس کے پاس مساکین کی فہرست ہو یا کسی دینی درسگاہ میں دے دے کہ وہاں اکثریت مساکین کی ہوتی ہے اور ذمہ دار کو بتا دے کہ یہ کفارہ کی رقم ہے۔ اس سے اطعام ہونا ہے۔

سبق ۱۵

اجازتِ افطار

چند افراد ہیں جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور سب کے الگ الگ احکام معین کئے گئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ بیمار ــــ جس آدمی کے لئے روزہ سے بیماری پیدا ہونے، بڑھ جانے کا خطرہ ہے یا وہ بیمار ہے اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے بلکہ روزہ رکھنے پر پابندی ہے کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ صرف ہر روزہ کے بدلے ایک روزہ قضا رکھے گا اور اگر تمام سال بلا وقفہ بیماری چلتی رہی تو قضا بھی نہیں ہے۔

۲۔ مسافر ــــ جو انسان سفر کی حالت میں ہے اگر اس کا سفر حرام نہیں ہے یا سفر اس کا پیشہ نہیں ہے تو اس کے لئے روزہ رکھنا حرام ہے اور بعد میں ہر روزہ کے بدلے ایک روزہ قضا رکھنا ہوگا۔

- اگر کوئی شخص صرف روزہ نہ رکھنے کے لئے سفر کرتا ہے تو اس پر بھی روزہ نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے کو ثوابِ آخرت سے محروم کرتا ہے۔
- سفر میں جانے والا اگر زوال کے بعد شہر کی سرحد سے باہر نکلتا ہے تو اس کا روزہ باقی رہے گا اور اس پہلے نکل جاتا ہے تو اگر رات سے سفر کا ارادہ ہے تو روزہ ختم ہو جائے گا ورنہ اس روزہ کو پورا کر کے بعد میں قضا بھی کرے گا۔

واضح رہے کہ روزہ ختم بھی ہونے والا ہے تو آبادی کے حدود سے باہر نکل جانے سے

پہلے کھانے پینے کا اختیار نہیں ہے ورنہ کفارہ بھی واجب ہوجائے گا۔

• مسافر وطن واپس آجائے تو اگر زوال سے پہلے سرحد میں داخل ہوگیا ہے تو روزہ رکھنا پڑے گا اور بعد میں آیا ہے تو روزہ نہ ہوگا صرف قضا کرنا پڑے گی۔

• زوال سے قبل حدود وطن میں داخل ہونے والا بھی راستہ میں کھا کر آیا ہے تو روزہ نہ رکھ سکے گا اور بعد میں قضا کرے گا

۳۔ **حائضہ عورت** ـــــ ایام حیض ونفاس میں روزہ نہیں ہوسکتا۔ صرف بعد میں قضا کرنا ہوگی ـــــ نماز کی قضا بھی واجب نہیں ہے

۴۔ **بوڑھا آدمی** ـــــ اگر ضعیف مرد یا عورت کو روزہ رکھنے میں زحمت یا مشقت ہے تو ان سے روزہ ساقط ہے اور انھیں صرف ہر روزہ کے بدلے تین پاؤ غلہ مسکین کو دینا ہوگا۔ قضا واجب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر روزہ کے بدلے تین پاؤ کے بجائے ۱½ کیلو دے اور گندم دے۔

یہ آدمی تیسوں دن کا غلہ ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے لیکن قیمت نہیں دے سکتا۔ غلہ ہی دینا ہوگا۔

۵۔ **پیاس کا مریض** ـــــ اگر کوئی آدمی صحیح وتندرست ہے، بیمار نہیں ہے لیکن اس سے پیاس برداشت نہیں ہوتی اور ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن ہر روزہ کے بدلے تین پاؤ غلہ بھی دینا ہوگا اور صحت کے بعد قضا بھی کرنا ہوگی۔

۶۔ **حاملہ عورت** ـــــ جس عورت کے یہاں ولادت قریب ہے اگر روزہ سے اسے یا اس کے بچہ کی صحت کو خطرہ ہے تو روزہ ترک کردے اور بعد میں قضا کرے۔ اس کے بعد اگر خطرہ اپنی ذات کو نہیں بلکہ حمل کو ہے تو روزانہ تین پاؤ غلہ بھی مسکین کو دے۔

۷۔ **دودھ پلانے والی عورت** ـــــ جس عورت کے یہاں دودھ کم ہوجانے یا اس کی صحت کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہے وہ روزہ ترک کردے اور بعد میں قضا کرے۔

پھر اگر خطرہ بچہ سے متعلق ہے تو ہر روزہ کے بدلے تین پاؤ غلہ بھی دے۔

واضح رہے کہ ۴-۵-۶-۷ کے یہاں بھی روزہ رکھنے کا اختیار نہیں ہے اور سب کو افطار کرنا پڑے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے احکام نمبر ۱-۲-۳ سے مختلف ہیں کہ ان لوگوں کے یہاں صرف قضا تھی فدیہ کا کوئی سوال نہیں تھا ـــــ اور یہاں قضا کے علاوہ فدیہ بھی ہے یا صرف فدیہ ہے قضا نہیں ہے۔

ان افراد میں آپس میں بھی یہ اختلافِ احکام ہے کہ ضعیف انسانوں کے یہاں قضا نہیں ہے اور باقی سب کے یہاں قضا واجب ہے اور قضا کے علاوہ بھی بعض حالات میں فدیہ واجب ہے اور بعد میں فدیہ واجب نہیں ہے۔

نوٹ : واضح رہے کہ جب تک ماہِ رمضان ثابت نہ ہو جائے رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا حرام ہے اور جب تک عید کا چاند ثابت نہ ہو جائے روزہ رکھنا واجب ہے۔ اب اگر کسی شخص نے ۳۰ شعبان سمجھ کر سنتی روزہ رکھا اور بعد میں چاند ثابت ہو گیا تو ماہِ رمضان میں شمار ہو جائے گا اور اگر ۳۰ رمضان سمجھ کر روزہ رکھا اور عید کا چاند ثابت ہو گیا تو فوراً توڑ دے گا۔

سبق ۱۶

حج

حج بیت اللہ اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے جس میں انفرادو اجتماع، اخلاق وتہذیب، عبادت اور سیاست تمام پہلو جمع ہو گئے ہیں۔

حج ایک عبادت ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔

حج ایک ریاضت ہے جس کے ذریعہ نفس پر کنٹرول اور خواہشات پر قابو حاصل ہوتا ہے۔

حج ایک تربیت ہے جس کے ذریعہ بندہ راہِ خدا میں ہر زحمت برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

حج ایک تہذیب ہے جس کے ذریعہ مسلمان کو مسلمان سے ملنے، اس کے حقوق کا خیال کرنے اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔

حج ایک سیاست ہے جس کے ذریعہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا اجتماعِ عام ہو جاتا ہے اور قائد المسلمین کو ان کے آلام و آمال سے آگاہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

قرآن مجید نے وجوب حج کے اعلان کے ساتھ حج کے منافع کا اعلان کیا ہے کہ اس میں عالمِ انسانیت کے منافع ہیں جب کہ بظاہر شخص کا پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ ہر ایک کو زحمت ہوتی ہے۔ ہر ایک مشقتوں کا سامنا کرتا ہے اور سوائے مکہ والوں کے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا ــــ تاکہ مسلمان یہ اندازہ کر سکے کہ اتنا بڑا اجتماع صرف رسمی عمل کے لئے نہیں بلایا گیا۔ اس کا مقصد ان اعمال و مناسک سے بالاتر ہے کہ مسلمان ایک نقطہ پر جمع ہو کر اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکیں۔

حج ایک عالمی کانفرنس ہے جس کے چار اجتماع ہوتے ہیں۔ ایک مکہ میں۔ ایک عرفات میں۔ ایک مزدلفہ میں اور ایک منیٰ میں اور ہر اجتماع کے الگ الگ آداب و ارکان ہیں جن سے ان کی افادیت کا اشاریہ ملتا ہے۔

حج میں امیر الحج کا تقرر اسی نکتہ کی نشاندہی ہے کہ صرف حاجیوں کی مادی ضروریات کا لحاظ رکھنا ہے مسلمان کی ذمہ داری نہیں ہے جب کہ ان کے اجتماعی منافع کے بارے میں سوچنا بھی ایک اہم ترین فریضہ ہے۔

سرکارِ دو عالمؐ نے میدانِ عرفات میں عظیم ترین خطبہ اسی لئے پڑھا تھا تاکہ امتِ اسلامیہ حج کے سیاسی مصالح سے باخبر ہو سکے اور اس کی واقعی افادیت سے باخبر ہو سکے۔

حج کے اجتماع کا سیاسی پہلو دیگر سیاسی اجتماعات سے مختلف ہے ـــــ دیگر سیاسی اجتماعات میں حکومتوں کے نمائندے مدعو ہوتے ہیں اور وہ مخصوص حکام کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں ـــــ اس میں نمائندے بھی سیاسی ہوتے ہیں اور بیانات بھی سیاسی ہوتے ہیں۔

حج ان سیاسی اجتماعات سے مختلف ہے کہ یہاں ہر مسلمان ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور اسے اپنے حالات کے بارے میں اظہارِ خیال کا حق ہے۔ وہ نہ کسی کا نمائندہ ہے نہ ترجمان نہ کسی کی زبان سے بولتا ہے نہ کسی کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

حج کے موقع پر جمع ہونے والے ایک عبادت کا تصور رکھتے ہیں اور ہر طرح کے مکر و فریب، ریاکاری و عیاری سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احرام میں مختلف محرمات اسی لئے رکھے گئے ہیں تاکہ انسان ہر آن حکمِ الٰہی کی طرف متوجہ رہے اور اس کے احکام سے غافل نہ ہونے پائے کہ اس طرح احساسِ بندگی بیدار رہے گا اور مکر و فریب کی سیاست قریب نہ آنے پائے گی۔

حج اتنا اہم فریضہ ہے جس کے ترک کرنے کو قرآن مجید نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔

حج کا امتیاز یہ ہے کہ اس فریضہ کو انسان کا فرض قرار دیا گیا ہے اور صرف صاحبانِ ایمان کو مخاطب نہیں بنایا گیا تاکہ یہ احساس بیدار ہو کہ دیگر فرائض میں کوتاہی ایمان وعقیدہ کا نقص ہے اور حج میں کوتاہی انسانیت وشرافت کی کمزوری کی علامت ہے اور اس کا راز بھی واضح ہے کہ دنیا میں ہر انسان اپنے مالک یا اپنے سے بالاتر کی بارگاہ میں حاضری کے لئے بے چین رہتا ہے، اس کے لئے زحمتیں برداشت کرتا ہے اور اسے اپنے لئے سرمایۂ افتخار قرار دیتا ہے۔
حج بارگاہِ رب العالمین میں حاضری کا نام ہے۔ اس سے اعراض اور کنارہ کشی اس مزاج کی مخالفت ہے جو سارے عالمِ انسانیت میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان رب العالمین کو اپنا محسن تسلیم نہیں کرتا یا اس کی عظمت وکبریائی کا اقرار نہیں رکھتا اور یہی معنی کفر کے ہیں جس کی تعبیر قرآن مجید میں موجود ہے۔

سبق ۱۷

شرائطِ حج

حج کے واجب ہونے کے لئے تین بنیادی شرطیں ـــــ بلوغ، عقل اور استطاعت۔
استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے پاس مکہ تک آنے جانے کا خرچ ہو ـــــ سفر کرنے کے قابل صحت ہو ـــــ سفر کا راستہ کھلا ہو۔

خرچ ـــــ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کے پاس بقدر ضرورت نقد رقم موجود ہو ـــــ بلکہ اس کے ضروریات زندگی، کھانے پینے، رہنے سے زیادہ سامان بھی ہے جس کے فروخت کرنے سے حج کا خرچ نکل آتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ سامان فروخت کر دے اور حج بیت اللہ کے لئے جائے۔ مثلاً انسان کے پاس دو مکان ہیں اور اس کی ضرورت ایک مکان سے پوری ہوسکتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ دوسرا مکان بیچ کر حج بیت اللہ کو جائے ـــــ یا اس کے پاس ایک ہی ملکیتی مکان ہے اور وہ کرایہ کے مکان پر گذارا کرسکتا ہے اور یہ اس کی حیثیت کے خلاف نہیں ہے تو اسے بیچ کر حج کرے ـــــ یا اس کے پاس کئی ایکڑ زمین ہے اور اس کا گذارا اس سے کم پر ہوسکتا ہے تو باقی زمین فروخت کرے اور حج کرے ـــــ یا عورت کے پاس کئی سیٹ زیورات کے ہیں اور اس سے کم پر گذارا ہوسکتا ہے تو باقی فروخت کرے اور حج کرے۔ یا طالب علم کے پاس ضرورت سے زیادہ کتابیں جن سے حج کا خرچ نکل سکتا ہے تو غیر ضروری کتب فروخت کر کے حج کرے ـــــ یا ایسا ہی کوئی غیر ضروری سامان ہے جو بقدر مصارف حج ہے تو اس سامان کو نکال کر حج بیت اللہ کرنا واجب ہوگا۔

حج ـــــ کے واجب ہونے کی ایک قسم اور بھی ہے کہ انسان کے پاس ذاتی ملکیت کچھ نہ ہو اور دوسرا شخص اس کے حج کے اخراجات دینے کے لئے تیار ہو جائے اور اس نے رقم حج کے نام پر دی ہے تو اسے قبول کرنا اور حج کرنا واجب ہے۔ البتہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد دوبارہ واجب نہیں ہوتا۔

صحت ـــــ کا مطلب یہ ہے کہ انسان سفر کی زحمتیں برداشت کرنے کے قابل ہو اور اس کی زندگی خطرہ میں نہ ہو ـــــ ورنہ پھر حج واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایک مرتبہ صاحبِ مال ہو گیا اور صحت بھی ساتھ رہی اور پھر نہیں گیا ـــــ تو دوبارہ معذور بھی ہو جائے تو یا خود جانا ہوگا یا کسی کو اپنی زندگی ہی میں نائب بنا کر بھیجنا ہوگا ـــــ زندگی میں نہیں ہو سکا تو مرنے کے بعد نیابت کا بندوبست کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ ـــــ کہ جس شخص نے حج واجب ترک کر دیا اور انتقال کر گیا تو اس کا ترکہ اگر بقدر حج ہے تو بغیر حج کرائے ترکہ کی تقسیم جائز نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر صرف ایک مکان چھوڑا ہے اور اس کی قیمت بقدر حج ہے تو اس مکان کو فروخت کر کے حج کا انتظام کیا جائے گا اور ورثہ کو اس میں رہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ مرحوم کا مال ہے اور حج ان کے ذمہ قرض ہے اور قرض کی ادائیگی کے بغیر ترکہ کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ ورثہ کہاں جائیں ؟ ـــــ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مکان بھی نہ چھوڑا ہوتا تو کہاں جاتے ؟ ـــــ اب اپنے مکان کا بندوبست کریں اور اگر اس قابل نہیں ہیں تو فقراء و مساکین میں شامل ہیں اور حقوق شرعیہ یا بیت المال سے ان کی زندگی کا سامان کیا جائے گا لیکن مکان کو حج ہی میں خرچ کیا جائے گا۔

راستہ کھلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پاسپورٹ، ویزا، ٹکٹ وغیرہ کا بندوبست ہو سکے اور کوئی دوسری رکاوٹ نہ ہو کہ رکاوٹوں کی صورت میں حج واجب نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں چند غلط فہمیوں کی وضاحت ضروری ہے :۔

(۱) عورت کے حج کا محرم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت اگر صاحبِ استطاعت ہوگئی ہے اور مرد غریب ہے تو عورت کا فرض ہے کہ حج کے لئے جائے۔ مرد کو روکنے کا حق نہیں ہے اور نہ عورت کو مرد کے احترام میں رکنے کا حق ہے۔ حکم الٰہی کا احترام شوہر سے بالاتر ہے۔

اب اگر تنہا جانے میں عزت آبرو کا خطرہ ہے (جو عام طور سے نہیں ہے) تو اگر کسی کو ساتھ لے جانے کی استطاعت ہے تو ساتھ لے جانا واجب ہے اور اگر اس قدر استطاعت نہیں ہے اور تنہا سفر ممکن نہیں ہے تو اس سال حج واجب نہیں ہے۔ آئندہ سال آئندہ کے حالات کی بنا پر فیصلہ کیا جائے گا۔

(۲) حج کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ پہلے ماں باپ حج کریں اس کے بعد اولاد ـــــ کہ حج والدین کے نفقہ میں شامل نہیں ہے۔ یہ ہر شخص کی اپنی استطاعت سے متعلق ہے۔ والدین صاحبِ استطاعت ہیں تو بلا اولاد کے حج کریں گے اور اولاد صاحبِ استطاعت ہے تو بلا ماں باپ کے حج کرے گی۔ بلکہ اگر انسان کے پاس صرف ایک حج کا خرچ ہے اور وہ خود جا سکتا ہے تو اس رقم کا دوسرے کو دینا بھی صحیح نہیں ہے جب تک اپنا حج ادا نہ ہو جائے۔

(۳) حج کا شادی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر انسان کو اپنی یا اولاد کی شادی کرنا ہے اور اس نے حج کا زمانہ آنے سے پہلے سارا پیسہ شادی میں خرچ کر دیا تو حج کے واجب ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے ـــــ لیکن اگر پیسہ باقی ہے اور حج کا زمانہ آگیا تو حج مقدم ہے اس لئے کہ حج واجب ہے شادی واجب نہیں ہے۔ شادی کو عرفِ عام میں فریضہ کہا جاتا ہے۔ شریعت میں اس کی حیثیت فریضہ کی نہیں ہے۔ صرف ایک مستحب امر ہے جسے سرکار دوعالم نے "سنتی" کہہ کر یاد فرمایا ہے اور وہ بھی "سنتی" اپنی شادی کو کہا ہے اولاد کی شادی کو نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض مومنین شادی کے بارے میں روز سنتے ہیں کہ سنتِ رسولؐ

ہے اور اسے واجب کہتے ہیں اور ڈاڑھی کے بارے میں کہیں سن پایا ہے کہ سنتِ رسولؐ ہے اور اس لفظ کا کوئی ذکر روایت و حدیث میں نہیں ہے تو اسے غیر واجب قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ڈاڑھی واجب ہے اور شادی غیر واجب۔

بہرحال شادی وجوب حج سے مانع نہیں ہوسکتی۔ حج مقدم ہے اور اس کے بعد شادی کا سوال پیدا ہوگا۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ اگر سارا پیسہ حج میں خرچ ہوگیا تو شادی کا کیا ہوگا؟ ـــــ تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ اسلام نے شادی ایجاب وقبول کا نام رکھا ہے۔ اس میں کسی طرح کے خرچ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مہر موجل بھی ہوسکتا ہے اور نفقہ شادی کے بعد واجب ہوگا ـــــ اور لڑکی کی شادی میں تو نفقہ اور مہر کا خرچ بھی نہیں ہے ـــــ اب اگر شادی کو مشکل ترین مسئلہ بنا دیا گیا ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری شریعت پر نہیں ہے بلکہ مسلمان پر ذمہ داری ہے کہ ایسی مہمل رسموں کے خلاف احتجاج کرے، آواز اٹھائے، انقلاب کرے اور سماج کو اسلام کے راستے پر لگائے۔

یاد رکھئے "شادی جس قدر مہنگی ہوتی جائے گی عیاشی اور بدکاری اسی قدر ارزاں اور سستی ہوجائے گی"۔

دوسری بات یہ ہے کہ صاحبِ ایمان کو ایسے سوالات اٹھانے کا حق نہیں ہے۔ یہ بہرحال مسلم ہے کہ اللہ نے انسان کو اس قدر مال دیا ہے کہ اس نے تمام اخراجات کے بعد بقدر شادی رقم بچالی ہے کہ وہ اگر صرف بقدر ضرورت رزق دیتا تو اس مال کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ تو جب وہ ایسے حالات میں اس قدر رزق دے سکتا ہے جب انسان اس کی راہ سے منحرف ہے اور اس کے گھر پر حاضری نہیں دینا چاہتا تو کس طرح ممکن ہے کہ انسان رقم خرچ کرکے اس کے دربار میں حاضری دے اور اس کے دروازے پر ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو اور وہ اسے خالی ہاتھ واپس کردے اور حج کا کل ماحصل یہ نکلے کہ انسان شادی سے بھی محروم ہوجائے یا اس کی لڑکی غیر شادی شدہ رہ جائے۔ ہوسکتا ہے کہ پروردگار ایسا رشتہ عطا کردے جس میں

اخراجات کا سوال ہی نہ پیدا ہو یا ایسی صاحبِ دولت خاتون مل جائے جو حج کے مصارف کی کمی بھی پوری کر دے۔

(۴) قرض بھی حج کی راہ میں حائل نہیں ہے۔ اگر انسان مقروض ہے اور اس کے قرض کی ادائیگی میں وقت باقی ہے اور حج کا زمانہ آگیا ہے اور بقدر حج رقم موجود ہے تو پہلے حج کرے۔ اس کے بعد واپس آکر قرض ادا کرے۔

(۵) تحفہ و تحائف بھی حج کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حج سے واپسی پر تحفہ و تحائف کا لانا بھی ایک فریضہ ہے لہٰذا انسان کے پاس حج کے اخراجات کے علاوہ ان تحائف کا خرچ بھی ہو تو حج واجب ہوگا ورنہ ـــــ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تحفہ و تحائف کا لانا اور مومنین کی خدمت کارِ خیر ضرور ہے لیکن کوئی کارِ خیر فریضہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ انسان کو حج بہرحال کرنا ہے چاہے تحفہ و تحائف کی گنجائش نہ ہو۔

حج کے بارے میں یہ تصور بھی نہ ہونا چاہیئے کہ جب اخراجات کم ہوں گے تو حج کیا جائے گا۔ حج استطاعت کے پہلے ہی سال واجب ہوتا ہے اور اسی سال ادا کرنا ضروری ہے چاہے خرچ کسی قدر زیادہ کیوں نہ ہو ـــــ اب اگر خرچ استطاعت سے زیادہ ہوگیا اور انسان کے امکان میں نہیں ہے تو حج واجب نہ ہوگا لیکن استطاعت کے اندر ہے تو مقدار کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حج واجب ہے اور حج واجب کی راہ میں ہر قربانی برداشت کرنا پڑے گی۔ حضرت اسماعیلؑ و ابراہیمؑ نے منیٰ میں جان کی بازی لگا دی تھی اور مسلمان مال کی قربانی سے پریشان ہے ـــــ کیا اسی کا نام ملّتِ ابراہیمؑ کا اتباع ہے جس کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے۔

سبق ۱۸

اقسام واحکامِ حج

شریعت اسلامیہ میں حج کی تین قسمیں ہیں: تمتّع۔ قِران۔ اِفراد۔

حج کرنے والا مکہ مکرمہ سے ۴۸ میل شرعی یعنی تقریباً ۹۰ کیلو میٹر باہر کا رہنے والا ہے تو اس کے حج کا نام ہے حج تمتّع ـــــ اور ۹۰ کیلو میٹر کے اندر کا رہنے والا ہے تو اگر اپنے احرام کے ساتھ قربانی لے کر نہیں چلا ہے تو حج اِفراد ہے ورنہ قِران۔

* تمتّع اور قِران و اِفراد کا بنیادی فرق یہ ہے کہ تمتّع میں پہلے عمرہ ہوتا ہے اور اس کے بعد حج اور قِران و اِفراد میں پہلے حج ہوتا ہے اور اس کے بعد عمرہ۔

* تمتّع میں قربانی ضروری ہوتی ہے اور اِفراد میں اختیاری۔ قِران والا قربانی اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔

* تمتّع کا عمرہ موسم حج یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے علاوہ نہیں ہوسکتا اور افراد کے عمرہ میں انسان کو آزادی ہے۔

* تمتّع کے عمرہ میں طواف نسا نہیں ہے اور عورت حلال ہوجاتی ہے۔ باقی ہر عمرہ میں طواف نسا ضروری ہے۔

عام طور سے باہر سے آنے والے حضرات حج تمتّع انجام دیتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص دو سال ۹۰ کیلو میٹر کے اندر یعنی جدہ وغیرہ میں رہ گیا اور تیسرے سال حج کی استطاعت پیدا ہوئی تو اس کا حج اِفراد ہوگا جس طرح کہ مکہ والا باہر جاکر بس جائے اور تیسرے سال مستطیع ہو تو

اس کا حج تمتع ہو جائے گا۔

مناسک حج کے دو حصے ہیں۔ ایک کا نام عمرہ ہے، دوسرے کا حج۔ حج تمتع ہے تو عمرہ کا نام عمرہ تمتع ہوگا اور حج افراد وغیرہ ہے تو عمرہ کا نام عمرہ مفردہ ہوگا۔

واضح رہے کہ عمرہ حج کے علاوہ بھی سال میں کسی وقت بھی انجام دیا جا سکتا ہے۔ انسان جب بھی موفق ہو جائے اسے چاہئے کہ اپنے مالک کے دربار میں حاضری دے اور طواف کعبہ کی فضیلت حاصل کرے کہ کعبہ اللہ کا گھر بھی ہے اور علیؑ کا محل ولادت بھی۔ اسے اسلام اور ایمان دونوں سے برابر کا رشتہ حاصل ہے ـــــ البتہ ایسے عمرہ مفردہ کے ساتھ طواف نساء بہر حال ضروری ہے ورنہ عورت پر مرد اور مرد پر عورت حرام ہو جائے گی۔

عمرہ مفردہ ایک عمل مستحب ہے جو حج کے زمانہ میں بھی حج سے فارغ ہونے کے بعد انجام دیا جا سکتا ہے چاہے انسان اپنی طرف سے انجام دے یا دوسرے افراد کی طرف سے ـــــ کہ مستحبات میں زندگی میں بھی نیابت ہو سکتی ہے۔ صرف واجبات میں نیابت کا دائرہ محدود ہے کہ حج کے علاوہ کسی واجب میں نیابت کا امکان نہیں ہے۔ انسان کو خود انجام دینا چاہئے یا اس کے مرنے کے بعد نائب انجام دے گا۔

حج کی تینوں قسمیں اعمال و احکام کے اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتی ہیں۔ صرف بعض احکام و قوانین میں فرق پایا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا سطروں میں اشارہ کیا جا چکا ہے جس طرح کہ عمرہ مفردہ اور عمرہ تمتع میں بہت تھوڑا سا فرق پایا جاتا ہے۔

حج تمتع کی دو صورتیں ہیں۔ یا انسان پہلے پہل اپنا فریضہ ادا کرنے کے لئے آرہا ہے تو نیت میں حجۃ الاسلام بھی شامل کرے گا کہ یہ حج اسلام کی طرف سے واجب ہوا ہے۔ (حجۃ الاسلام حجۃ الاسلام سے مختلف ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام وہ حج ہے جسے اسلام نے واجب قرار دیا ہے اور حجۃ الاسلام وہ عالم ہے جسے اسلام نے انسانوں پر حجت تمام کرنے کے لئے مستند و معتبر قرار دیا ہے۔) ـــــ اور اپنا فرض ادا کر چکا ہے دوبارہ مستحبی حج کرنا

چاہتا ہے تو صرف حج تمتع کی نیت کرے گا۔ اس میں حجۃ الاسلام شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح کہ نیابت میں حج کر رہا ہے تو اس کی طرف سے نیت کرنا ضروری ہے۔ جس کی نیابت میں عمل انجام دے رہا ہے اور ہر عمل میں اس نیتِ نیابت کو برقرار رکھے گا۔

یاد رہے کہ سارے اعمال کی نیت صرف دل میں ہوتی ہے۔ صرف حج کی نیت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا زبان سے بھی دہرانا بہتر ہے۔ دل میں تو بہرحال رہے گی۔

سبق نمبر ۱۹

اعمالِ عمرہ

★ عمرہ تمتع ہو یا اِفراد ـــــ دونوں کے اعمال و واجبات ایک جیسے ہیں۔ صرف ایک طواف نساء کا فرق ہے اور بس۔

★ عمرہ کے اعمال میں احرام، طواف خانۂ کعبہ، نمازِ طواف، سعی، تقصیر یہ پانچ کام ہیں جن کے بعد عمرہ مکمل ہو جاتا ہے اور انسان احرام سے آزاد ہو جاتا ہے۔

★ احرام کے معنی عمرہ یا حج کی نیت کرنے کے ہیں جس کے بعد لبیک کہنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح نماز کی نیت کے ساتھ تکبیرۃ الاحرام ضروری ہے۔

★ احرام کے لئے میقات ضروری ہے۔ ہر جگہ سے حج یا عمرہ کی نیت نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے مقررہ مقامات تک جانا ضروری ہے اور کسی وجہ سے نہ جا سکے تو اسی مقدار کے فاصلہ والے مقام سے نذر کرنے کے بعد احرام باندھے۔

★ میقات مختلف مقامات ہیں جن میں سے کارآمد دو میقات ہیں۔ مسجد شجرہ، جحفہ اور بعض اوقات قرن المنازل (طائف) ـــــ مکہ کی طرف آنے والے افراد اگر مدینے سے آ رہے ہیں تو میقات مسجد شجرہ ہے جو مدینہ سے باہر ہے اور اگر جدہ وارد ہوئے ہیں تو میقات جحفہ ہے جو جدّہ سے تقریباً ۱½ سو کیلومیٹر مدینہ کے راستے پر واقع ہے۔ وہاں جا کر احرام باندھ کر مکہ واپس آنا ہوگا۔

★ بحری جہاز کے راستے میں یلملم میقات نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان اس راستے سے

گذرتا ہے یلملم نہیں جاتا۔ ایسا آدمی یلملم سے احرام باندھنا چاہے تو نذر کر کے باندھ سکتا ہے ورنہ براہِ راست وہ سمندر میقات نہیں ہے۔ نہ سمندر یلملم ہے نہ یلملم کے محاذی۔!

* احرام کے ساتھ باندھنے کا لفظ ایک اصطلاح ہے جس طرح بعض افراد نماز میں نیت باندھتے ہیں ورنہ احرام ایک نیت کا نام ہے اس میں باندھنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ لباسِ احرام ایک الگ شے ہے۔ اس کا احرام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ لباس احرام نہ بھی استعمال کرے تو احرام صحیح رہے گا۔ صرف سلے کپڑے پہننے کا کفارہ دینا پڑے گا۔ عورت کے یہاں تو کفارہ بھی نہیں ہے لیکن احرام وہ بھی باندھتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ احرام نیت کا نام ہے۔

* میقات سے احرام باندھے بغیر گذرنا حرام ہے اور گذر گیا ہے تو میقات تک واپس آنا پڑے گا ورنہ جہاں تک ممکن ہوگا وہاں تک واپس آئے گا۔

* میقات کے علاوہ دوسری جگہوں سے احرام باندھنے کے لئے دو شرطیں ہیں نذر۔ میقات کے برابر فاصلہ کا ہونا۔

* نذر کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اور خدا کے درمیان یہ عہد کرے کہ لِلّٰہِ عَلَیَّ میرے اوپر برائے خدا لازم ہے کہ میں اپنے عمرہ یا حج کا احرام فلاں مقام سے باندھوں گا۔ اس نذر کے بعد احرام جائز بھی ہو جائے گا اور واجب بھی ہو جائے گا کہ اس جگہ سے نہ باندھے گا تو نذر کی مخالفت کا کفارہ بھی دینا پڑے گا۔

* نذر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ دو چار دن پہلے سے نذر کرے بلکہ اس مقام پر پہنچ کر اسی وقت نذر کر سکتا ہے اور احرام باندھ سکتا ہے جس طرح کوئی انسان ہوائی جہاز کے اندر جدہ پہنچنے سے پہلے نذر کرے اور وہیں احرام باندھ لے۔ اس کے بعد زیرِ سایہ سفر کرنے کا کفارہ ادا کرے۔

احرام

★ احرام سے پہلے غسل کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ واجب نماز کا وقت ہے تو اسی کے بعد احرام باندھ سکتا ہے۔ مزید نماز کی ضرورت نہیں ہے۔

★ احرام کے بعد حسب ذیل چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور ان کے بغیر انسان پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

عمل محرم	کفارہ
۱۔ خشکی کے جانور کے شکار میں کسی طرح بھی شرکت کرنا۔	کبوتر حدود حرام میں شکار کرے تو ایک بکری اور ایک درہم۔
۲۔ عورت سے صحبت کرنا۔	ایک اونٹ۔ مجبور ہو تو گائے ورنہ بکری۔
۳۔ زوجہ کو شہوت کے ساتھ بوسہ دینا۔	ایک اونٹ۔ بلا شہوت ہو تو ایک بکری۔
۴۔ زوجہ کو شہوت کے ساتھ لمس کرنا۔	ایک بکری۔ بلا شہوت ہو تو کچھ نہیں۔
۵۔ زوجہ سے خوش فعلی کرنا یا نامحرم پر نگاہ کرنا۔	منی خارج ہو جائے تو اونٹ یا گائے یا بکری ورنہ نامحرم پر نگاہ حرام ہے۔
۶۔ خود کاری سے منی نکالنا۔	عورت سے صحبت کرنے جیسا کفارہ ہے اور عمل ہر حال میں حرام ہے۔
۷۔ نکاح کرنا، پڑھنا یا شرکت کرنا۔	مرد صحبت کرے گا تو پڑھنے والے کو بھی ایک اونٹ دینا ہوگا ورنہ صرف عقد باطل ہے۔
۸۔ خوشبو کا استعمال کرنا۔	ایک بکری۔ سیب وغیرہ کھا سکتے ہیں سونگھ نہیں سکتے۔
۹۔ مرد کا سلے ہوئے کپڑے پہننا۔	ایک بکری۔ عورت پہن سکتی ہے۔ مرد پیٹی وغیرہ باندھ سکتا ہے۔

عمل محرم	کفارہ
۱۰۔ سیاہ سرمہ زینت کے لئے لگانا۔	ایک بکری۔
۱۱۔ آئینہ دیکھنا۔	احتیاطاً ایک بکری۔ ڈرائیور شیشہ دیکھ سکتا ہے کہ وہ اپنی شکل نہیں دیکھتا ہے۔
۱۲۔ مرد کا موزہ یا جوتا پہننا۔	احتیاطاً ایک بکری۔
۱۳۔ جھوٹ بولنا، گالی دینا، فخر و مباہات کرنا۔	یہ اعمال حرام ہیں۔ کفارہ نہیں ہے۔
۱۴۔ بلاسبب قسم کھانا۔	قسم جھوٹی ہے تو ایک بکری۔ سچی قسم بھی تین مرتبہ کھائے تو ایک بکری۔
۱۵۔ جوں وغیرہ مارنا۔	ایک مٹھی گندم۔
۱۶۔ زینت کے لئے انگوٹھی یا زیور پہننا۔	احتیاطاً ایک بکری۔
۱۷۔ تیل مالش کرنا۔	ایک بکری۔ ضرورۃً کوئی حرج نہیں ہے۔
۱۸۔ بدن سے بال جدا کرنا۔	ایک بکری۔ گر جائے تو ایک مٹھی گندم۔
۱۹۔ مرد کا سر یا کان کو کسی چیز سے بند کرنا۔	احتیاطاً ایک بکری۔
۲۰۔ عورت کا چہرہ پر نقاب ڈالنا۔	احتیاطاً ایک بکری۔ پردہ کے لئے کوئی چیز چہرہ سے دور رکھ سکتی ہے۔
۲۱۔ مرد کا سایہ دار سواری میں سفر کرنا یا سایہ کرنا۔	ایک بکری۔ منزل پر پہنچ کر سایہ کر سکتا ہے۔
۲۲۔ بلا ضرورت جسم سے خون نکالنا۔	احتیاطاً ایک بکری۔

عمل محرم	کفارہ
۲۳۔ مجبوری کے بغیر ناخن کاٹنا۔	ہر ناخن کے بدلے تین پاؤ غلّہ اور سارے ناخنوں پر ایک بکری۔
۲۴۔ مجبوری کے بغیر اسلحہ رکھنا۔	احتیاطاً ایک بکری۔

مکّہ کے اندر عمرہ مفردہ کرنا چاہے تو حجفہ وغیرہ جانے کی ضرورت نہیں ہے، حرم سے باہر کسی بھی جگہ احرام باندھ سکتا ہے۔

طواف

مکّہ میں داخل ہونے کے بعد خانۂ کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ طواف میں حسب ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :۔

۱۔ **طہارت** ۔ لباس و بدن بھی پاک ہو اور وضو یا غسل بھی ہو۔

۲۔ خانۂ کعبہ کے گرد سات چکر لگانا۔ حجر اسود سے شروع کرے اور حجر اسود تک ایک چکر شمار کرے۔

۳۔ خانۂ کعبہ بائیں ہاتھ پر رہے۔

۴۔ طواف حجرِ اسماعیل کے باہر باہر رہے۔

۵۔ خانۂ کعبہ اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان طواف کرے اور حتی الامکان مقام ابراہیمؑ سے باہر نہ جائے۔

نمازِ طواف

طواف کے بعد دو رکعت نماز مقام ابراہیمؑ کے پیچھے قریب تر مقام پر ادا کرے اور ممکن نہ ہو تو قدرے دور ادا کرے لیکن صحیح اور سکون سے ادا کرے۔

اس نماز کی ترکیب مثل نمازِ صبح ہے۔ صرف اذان و اقامت نہیں ہے اور بنا بر احتیاط جماعت بھی نہیں ہوسکتی۔

سعی

طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے۔ صفا سے سعی کا آغاز ہوگا اور مروہ پر پہنچ کر ایک چکر پورا ہو جائے گا کہ واپسی دوسرا چکر شمار ہوگی۔ اس طرح صفا سے آغاز ہوگا اور مروہ پر سات چکر پورے ہوں گے۔

سعی میں طہارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے اسے عورت حالتِ حیض و نفاس میں بھی انجام دے سکتی ہے۔

سعی صرف حج یا عمرہ کا جزء ہے۔ علیٰحدہ سے مستحب سعی کی کوئی قسم نہیں ہے۔

سعی میں کوئی ذکر یا ورد واجب نہیں ہے لیکن ذکر خدا اور دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

سعی کے دوران دونوں سبز ستونوں کے درمیان مردوں کے لئے ہرولہ یعنی اونٹ کی چال سے چلنا مستحب ہے۔

سعی پیدل اور سواری دونوں طرح ہوسکتی ہے اور زمین کے علاوہ دوسری منزل پر بھی ہوسکتی ہے۔

تقصیر

سعی کے تمام ہونے کے بعد احرام عمرہ سے خارج ہونے کے لئے چند بال یا ناخن کاٹ دینا ضروری ہے۔ یہ بال اپنے ہاتھ سے بھی کاٹ سکتا ہے اور دوسرے سے بھی کٹوا سکتا ہے تقصیر اسی بال یا ناخن کاٹنے کا نام ہے۔ عمرہ تمتع میں سارے سر کے بال کاٹنا حرام ہے۔ یہ کام حج کے خاتمہ پر منیٰ میں انجام دیا جائے گا۔

تقصیر کے بعد احرام کے تمام محرمات حلال ہو جاتے ہیں۔ صرف دو مسئلہ باقی رہ جاتے ہیں۔

۱۔ عمرہ، عمرۂ تمتع ہے تو اس کے بعد حج کئے بغیر مکہ سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یکم شوال کو عمرہ تمتع کر لیا ہے تو آٹھ ذی الحجہ تک مکہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ جدہ وغیرہ بھی جانا چاہے تو نہیں جا سکتا۔

آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر عرفات کی طرف جانا ہوگا ـــــ بلکہ اگر مجبوراً باہر جانا پڑ جائے تو احرام باندھ کر مکہ سے باہر نکلے اور پھر اسی طرف سے عرفات چلا جائے۔

۲۔ عمرہ ـــــ عمرۂ تمتع ہے تو تقصیر کے بعد عورت سے بھی قربت جائز ہے اور طواف نساء حج کے خاتمہ پر انجام دیا جائے گا۔ لیکن عمرہ مفردہ ہے تو طواف نساء کے بغیر عورت حلال نہیں ہو سکتی۔ اور یہ قانون ہر عمرۂ مفردہ کا ہے کہ عمرۂ مفردہ کے احرام کے بعد عورت حرام ہو جائے گی اور جب تک طواف نساء نہ کرے گا حلال نہ ہوگی۔

یہ قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے کہ مردوں کے لئے عورتیں حرام ہیں اور عورتوں کے لئے مرد حرام ہیں بلکہ نابالغ بچوں نے حج یا عمرہ کیا ہے تو اسے بھی طواف نساء کرنا ہے ورنہ بالغ ہونے کے بعد عقد نہ کر سکے گا۔

زوجہ مرگئی ہے اور عقد ثانی کا ارادہ نہیں ہے یا اس کی صلاحیت نہیں ہے تو بھی طواف نساء کرنا ہوگا بلکہ مردہ کی نیابت میں حج یا عمرہ کر رہا ہے تو بھی طواف نساء کرنا ہوگا ورنہ نائب مرد پر اس کی عورت اور نائب عورت پر اس کا مرد حرام ہو جائے گا۔

سبق نمبر ۲۰

اعمالِ حج

حج کے اعمال کا سلسلہ بھی احرام سے شروع ہوتا ہے اور اس کے احرام کے احکام و محرمات و فرائض وہی ہیں جو عمرہ کے احکام کے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حج تمتع کرنے والا مکہ کے اندر موجود ہے لہٰذا وہ احرام کے لئے کسی میقات تک نہ جائے گا بلکہ مکہ ہی میں اپنے گھر یا مسجد سے احرام باندھ لے گا۔

وقوفِ عرفات

احرام کے بعد میدانِ عرفات کی طرف جاتا ہے اور وہاں ۹ ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک قیام کرنا ہے جس میں واجب پورا وقت اور رکن صرف ایک لمحہ ہے۔ وقوف میں وجود کافی ہے۔ کسی خاص ترتیب و ترکیب کی شرط نہیں ہے۔ عرفات میں بہتر ہے کہ نماز ظہرین اوّل وقت ملا کر پڑھے اور اس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔ عرفات میں قیام کا بہترین مصرف دعا، توبہ اور استغفار ہے کہ یہاں گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

وقوفِ مزدلفہ

غروب کے بعد عرفات سے نکل کر میدانِ مزدلفہ کی طرف چلنا ہے۔ غروب سے پہلے نکل جانے میں ایک اونٹ کفارہ دینا پڑے گا۔ مزدلفہ میں اذانِ فجر سے طلوع آفتاب تک

قیام واجب اور اس میں سے ایک لمحہ رکن ہے۔ یہاں بھی صرف قیام کافی ہے، کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ رات کے وقت منیٰ میں شیاطین کو مارنے کے لئے کنکریاں فراہم کرنا بہتر ہے۔ ۷۰ کنکریاں انگلی کے پور کے برابر جمع کرے اور اپنے ساتھ منیٰ لے جائے۔ یہاں نماز مغربین ملاکر ادا کرنے پر تمام مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے۔

اعمالِ منیٰ

طلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ سے نکل کر منیٰ کی طرف جائے اور وہاں پہلے جمرۂ عقبہ بڑے (شیطان) کو سات کنکریاں مارے۔ اس طرح کہ سب ایک ساتھ نہ مارے۔ ایک ایک کرکے مارے اور سب لگ بھی جائیں۔ اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ صرف کنکریاں حدود حرم کے اندر کی ہوں اور استعمال شدہ نہ ہوں۔ جمرہ کو کسی طرف سے بھی مار سکتے ہیں بلکہ بعض حضرات کی نظر میں دوسری منزل سے بھی رمی جائز ہے۔

اسی جمرہ کے بعد قربانی واجب ہے۔ ہر حاجی ایک جانور ذبح کرے جو صحیح و سالم ہو عیب دار نہ ہو۔ خود ذبح کرے یا کسی مومن کو نائب بنا دے۔ یہ کام نیابت کے قابل ہے جس طرح کہ رمی میں بھی بحالتِ مجبوری نائب بنا سکتا ہے۔ امکان بھر خود رمی کرنا چاہئے۔ مردوں کے لئے رمی میں دن کی قید ہے۔ عورتیں رات کو بھی رمی کر سکتی ہیں۔

قربانی کے جانور کے گوشت کے احتیاطاً تین حصے فرض کرے۔ ایک حصہ اپنے ساتھی مومن کو ہدیہ دے دے اور وہ قبول کرلے، ایک حصہ فقیر مومن کو دے اگر ممکن ہو اور ایک حصہ میں سے تھوڑا بہت خود کھائے کہ یہ بھی ایک طرح کا قرض ہے۔

واضح رہے کہ قربان گاہ حدود منیٰ کے باہر ہے لیکن بدرجۂ مجبوری قربانی جائز ہے۔

قربانی کے بعد سر منڈانا ہے۔ احتیاط سر منڈانے میں ہے، ویسے چند بال بھی کاٹ سکتا ہے۔ اس حلق کے لئے قربان گاہ سے حدود منیٰ میں واپس آنا ضروری ہے۔ حلق میں اختیار ہے

کہ خود اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام دے یا دوسرے کو ذریعہ بنائے۔ نیت ہر عمل میں فرض ہے۔
اس کے بعد منیٰ میں گیارہویں اور بارہویں رات گذارنا واجب ہے۔ چاہے غروب آفتاب سے آدھی رات تک رہے یا آدھی رات سے طلوع آفتاب تک۔ اگر منیٰ میں رات نہ گذاری تو ہر رات کے بدلے ایک جانور کفارہ دینا ہوگا۔

اعمالِ مکّہ

منیٰ کے اعمال کے بعد اس دن یا دوسرے دن مکّہ جانا ہوگا اور وہاں پانچ اعمال ہوں گے۔

۱۔ طوافِ حج جسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔ اس کے احکام وواجبات سب دوسرے طواف جیسے ہیں۔

۲۔ نمازِ طوافِ حج۔ اس کی ترکیب بھی مثل نماز طواف عمرہ ہے۔

۳۔ سعی۔ اس کا طریقہ بھی مثل سعی عمرہ ہے۔

۴۔ طوافِ نساء۔ یہ طواف مثل دیگر طوافوں کے ہے۔ صرف نیت طوافِ نساء کی ہوگی کہ اس کے بغیر عورت کے لئے مرد اور مرد کے لئے عورت حلال نہیں ہے۔

۵۔ نمازِ طواف نساء۔ اس کی ترکیب بھی مثل نمازِ طوافِ حج وعمرہ ہے۔

شب گذاری

ان اعمال کے بعد منیٰ واپس آکر وہاں رات بھی گذارنا ہے اور دن میں تینوں شیاطین کو بالترتیب اصغر، اوسط، اکبر کنکریاں بھی مارنا ہیں۔ ہر شیطان کو سات کنکریاں۔

یہ کام دن میں انجام دینا ہے لہٰذا گیارہ تاریخ کو یا طلوع آفتاب کے بعد کنکریاں مار کر مکّہ جائے یا مکّہ سے دن رہے واپس آجائے اور دن ہی دن میں رمی کرے۔ عورتیں رات میں بھی رمی کرسکتی ہیں۔ یہی حال مجبور لوگوں کا ہے۔ مجبور آدمی نیابت بھی دے سکتا ہے۔

بارہویں رات گذارنے کے بعد بارہویں تاریخ کو بھی تینوں شیاطین کو رمی کرنا ہے اور پھر اعمال حج تمام کر کے مکہ واپس جانا ہے لیکن واپسی کے لئے شرط ہے کہ زوال سے پہلے نہ ہو۔۔۔ اور پھر غروب سے پہلے حدود منیٰ سے نکل جائے ورنہ منیٰ میں آفتاب ڈوب گیا تو تیرہویں رات بھی قیام کرنا ہوگا اور تیرہویں کے دن بھی رمی کرنا ہوگی اور پھر رمی کے بعد منیٰ سے مکہ واپس جائے گا۔

بارہویں یا تیرہویں کے رمی جمرات کے بعد اعمالِ حج کا سلسلہ تمام ہو جاتا ہے اور انسان بہ آسانی اپنے وطن جا سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ مکہ آکر طوافِ وداع کرے اور رب العالمین کی بارگاہ میں التماس کرے کہ آئندہ بھی اس سعادت سے مشرف فرمائے اور برابر یہ سعادت عطا فرماتا رہے۔

خلاصہ

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرہ تمتع کے اعمال پانچ ہیں :۔

احرام ۔۔۔ طواف ۔۔۔ نمازِ طواف ۔۔۔ سعی ۔۔۔ تقصیر۔

عمرہ مفردہ کے اعمال سات ہیں :۔

احرام ۔ طواف ۔ نمازِ طواف ۔ سعی ۔ تقصیر ۔ طوافِ نساء ۔ نمازِ طوافِ نساء۔

حج کے حسب ذیل ۱۹ اعمال ہیں :۔

احرام ۔ وقوف عرفات ۔ افاضہ ۔ وقوف مزدلفہ ۔ رمی جمرہ عقبہ ۔ قربانی ۔ حلق ۔ طواف زیارت ۔ نماز طواف ۔ سعی ۔ طواف نساء ۔ نماز طواف نساء ۔ بیت منیٰ (شب گذاری) ۔ رمی جمرات ثلاثہ روز یازدہم ۔ رمی جمرات ثلاثہ روز دوازدہم۔

اس طرح حج تمتع ۲۴ اعمال کے مجموعہ کا نام ہے ۔ پانچ اعمال عمرہ سے متعلق ہیں اور ۱۹ اعمال حج تمتع سے ۔

واضح رہے کہ حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوتا ہے۔ اس کے بعد انسان ساری زندگی صاحبِ استطاعت رہے تو بھی حج دوبارہ واجب نہ ہوگا البتہ استحباب ضرور رہے گا کہ انسان ہر سال حج کرتا رہے یا دوسروں کو بھیجتا رہے۔ یہاں تک کہ علماء کے ارشادات کے مطابق امام عصر علیہ السّلام کی طرف سے نیابتہً حج کرے یا دوسرے افراد کو بھی بھیجنے کا بیحد ثواب ہے۔ بس احتیاط یہ لازم ہے کہ ایسے افراد کو بھیجے جو امام کی نیابت کرنے کے قابل ہوں اور ہر کس و ناکس سے یہ کام نہ لے۔

عام نیابت میں کوئی شخص کسی کی نیابت کر سکتا ہے چاہے مرد ہو یا عورت، البتہ زندہ انسان کی نیابت کے لئے اسے منتخب کرے جس نے پہلے حج نہ کیا ہو۔

سبق ۲۱

احکامِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کا حکم اسلام کے ان چند احکام میں ہے جنھیں ضروریاتِ دینی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ اہم ترین فریضہ ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ۳۲ مقامات پر کیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ یہ تذکرہ کیا گیا ہے جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ زکوٰۃ میں نماز کی قبولیت کا راز مضمر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو تاکہ تمھاری نماز قبول ہو۔

زکوٰۃ اسلامی مالیات کا بہترین قانون ہے جس سے اسلام نے اپنے بیت المال کی تشکیل میں مدد لی ہے اور اس کے ذریعہ فی سبیل اللہ اور کارِ خیر کے تمام امور کی انجام دہی کا کام لیا ہے۔

زکوٰۃ ایمانی دنیا میں بھی بہترین عمل ہے کہ اسی عمل کے ذریعہ پروردگارِ عالم نے مولائے کائنات کی ولایت کا اعلان کیا ہے اور ایک ایسے صاحبِ کمال کے لئے جسے دنیا و آخرت کے ہر کمال سے نوازا تھا جب ولایت کے اعلان کا موقع آیا تو نہ میدانِ جہاد کا انتخاب کیا اور نہ میدانِ علم کا بلکہ اس وقت کا انتخاب کیا جب بندۂ خدا حالتِ نماز میں تھا اور رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کر رہا تھا۔ گویا نماز و زکوٰۃ ولایتِ علیؑ کے اعلان کی علامتیں ہیں اور ان کے اندر یہ اشاریہ پایا جاتا ہے کہ جسے ولایتِ علیؑ کا اقرار ہے اسے نماز اور زکوٰۃ کا اقرار کرنا چاہیئے۔ اب اگر کوئی شخص نماز اور زکوٰۃ سے غافل ہو جائے تو اسے کوئی حق نہیں ہے کہ وہ "علی ولی اللہ"

کا کلمہ پڑھئے۔ یہ کلمہ صرف صاحبانِ عمل کو زیب دیتا ہے اور اس کا استحقاق صرف صاحبانِ کردار کو ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کا ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ نماز عبد و معبود کے رابطہ کا نام ہے جہاں جماعت اور اجتماع کے باوجود بندہ کا رخ خدا کی طرف رہتا ہے اور ساری دنیا سے رخ موڑنے کے بعد بھی انسان نماز ادا کر سکتا ہے چاہے بند کمرے میں ہو یا بھرے مجمع میں۔ رخ بہرحال خانہ کعبہ کی طرف ہوگا۔ جماعت کی طرف نہ ہوگا ـــــ لیکن زکوٰۃ میں جب تک بندہ کی طرف توجہ نہ ہو زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔

زکوٰۃ اگرچہ قربۃ الی اللہ ہی دی جاتی ہے لیکن جن کو دی جاتی ہے وہ بندے ہوتے ہیں خدا نہیں ہوتے اور بندوں میں بھی مسکین و فقیر ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ عبد و معبود کے ارتباط کا ذریعہ کا نام ہے نماز ـــــ اور عبد و معبود کے ارتباط کے وسیلہ کا نام ہے زکوٰۃ جس میں اصل ارتباط معبود ہی سے ہوتا ہے مگر معبود بندہ کو فقراء و مساکین کی طرف جوڑ دیتا ہے کہ مجھ سے قربت درکار ہے تو پہلے میرے غریب بندوں کو مڑ کر دیکھو اور انھیں زکوٰۃ دو اس کے بعد میری بارگاہ میں تقرب حاصل ہو سکتا ہے۔

مولائے کائنات کے نفس کا سب سے بڑا کمال یہی تھا کہ آپ بیک وقت نماز اور زکوٰۃ دونوں ادا کر رہے تھے۔ نہ خدا کی طرف توجہ بندوں سے غافل کر سکی اور نہ بندوں کی طرف توجہ خدا کے حضور سے غیر حاضر بنا سکی۔ یہ نفس کا کمال اور کردار کی عظیم ترین بلندی کی نشانی ہے۔ ایسا وسیع اور ہمہ گیر تصور علیؑ جیسے معصوم کے کردار کے علاوہ اور کسی کے کردار میں نہیں مل سکتا۔

وجوب زکوٰۃ کے لئے یہ شرط ہے کہ انسان بالغ و عاقل و آزاد و مالک و صاحبِ تصرف ہو۔ زکوٰۃ نابالغ بچے پر واجب نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس کے ولی کے لئے مستحب ہے کہ اس کے مالِ تجارت سے زکوٰۃ نکال دے کہ زکوٰۃ مال میں برکت کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ کا نام زکوٰۃ اس لئے ہے کہ اس میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان کا مال بابرکت ہو جاتا ہے۔

دیوانے انسان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے چاہے دیوانگی ہمہ وقتی نہ ہو ادواری ہو۔
غلام بھی قانونِ زکوٰۃ سے آزاد ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔
غیر مالک بھی حکمِ زکوٰۃ کا محکوم نہیں ہے۔ زکوٰۃ صرف مالک پر واجب ہوتی ہے۔
زکوٰۃ کے لئے تصرف بھی ایک شرط ہے کہ اگر مالک بھی اپنے مال پر تصرف نہ کر سکے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

سبق نمبر ۲۲

مَوارِدِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لئے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ ہر شے میں واجب نہیں ہے بلکہ صرف نو چیزیں ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔ باقی بہت سے اموال ہیں جن کی زکوٰۃ مستحب ہے اور حاکم شرع کو اختیار ہے کہ وہ بوقت ضرورت اس مستحب زکوٰۃ کو واجب قرار دے سکتا ہے۔ اس کا تعلق حکومت سے ہے تشریع سے نہیں جس طرح کہ باپ کے حکم کے بعد مستحب نماز جماعت بیٹے پر واجب ہو جاتی ہے یا شوہر کے حکم کے بعد زوجہ پر اعمال واجب ہو جاتے ہیں ـــــ قدرت نے تشریع میں اس قدر نرمی رکھی ہے کہ مستحب احکام بوقت ضرورت واجب کا درجہ پیدا کر لیتے ہیں۔

جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔ دو قسم کے سکّے۔ تین قسم کے جانور۔ چار قسم کے غلّات۔

نقدین ـــ سونے چاندی کے سکّے۔
جانور ـــ اونٹ، گائے، بکری۔
غلّات ـــ گندم، جو، کشمکش، کھجور۔

نقدین

سونے چاندی پر زکوٰۃ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سکّہ دار ہو۔ صرف سونے یا چاندی یا

اس کے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ سکہ دار ہونے میں بھی شرط ہے کہ وہ سکہ چلتا ہو ورنہ اگر پرانے دور کا سونے یا چاندی کا سکہ ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ سونے کی مقدار ۲۰ دینار کے برابر ہو کہ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ۲۰ دینار کی زکوٰۃ آدھا دینار ہے۔ دینار بازاری مثقال کے ¾ کو کہتے ہیں۔ (ایک — مثقال برابر ۴،۶۰۵ گرام)۔

چاندی کی مقدار ۲۰۰ درہم درکار ہے۔ اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ۲۰۰ درہم کی زکوٰۃ ۵ درہم ہے۔ اس کے بعد جب ۴۰ کا اضافہ ہو جائے گا تو ایک درہم اور واجب ہو جائے گا —

درہم کا وزن ½ مثقال اور ¼ مثقال یعنی دس درہم برابر ۵ ¼ مثقال (درہم ۴۸ ۲،۴۱۹۳ گرام)

تیسری شرط ہے کہ سال بھر تک یہ سکے محفوظ رہیں ورنہ اگر آمد و رفت میں ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اَنعامِ ثلاثہ

جانوروں کی زکوٰۃ میں شرطِ اوّل نصاب ہے۔ نصاب ہر جانور کا الگ الگ ہے۔

مثال کے طور پر اونٹ کے بارہ نصاب ہیں:۔

۵ اونٹ	اس کی زکوٰۃ	ایک بکری
۱۰ اونٹ	"	۲ بکریاں
۱۵ اونٹ	"	۳ بکریاں
۲۰ اونٹ	"	۴ بکریاں
۲۵ اونٹ	"	۵ بکریاں
۲۶ اونٹ	"	اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہو جائے
۳۶ اونٹ	"	اونٹنی جو تیسرے سال میں داخل ہو جائے

۴۶ اونٹ	اس کی زکوٰۃ	اونٹنی جو چوتھے سال میں داخل ہو جائے۔
۶۱ اونٹ	〃	اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو جائے۔
۷۶ اونٹ	〃	تیسرے سال والی دو اونٹنیاں۔
۹۱ اونٹ	〃	چوتھے سال والی دو اونٹنیاں۔
۱۲۱ اونٹ	〃	ہر پچاس پر چوتھے سال والی اور ہر ۴۰ پر تیسرے سال والی۔

گائے کے نصاب :۔

۳۰ گائے	اس کی زکوٰۃ	دوسرے سال میں داخل ہونے والا بچہ۔
۴۰ گائے	〃	تیسرے سال میں داخل ہونے والا بچہ۔

اس سے بالاتر کا حساب اسی ترتیب کے ساتھ ہوگا۔

بکری کی زکوٰۃ کے پانچ نصاب ہیں :۔

۴۰ بکریاں	اس کی زکوٰۃ	ایک بکری
۱۲۱ بکریاں	〃	۲ بکریاں
۲۰۱ بکریاں	〃	۳ بکریاں
۳۰۱ بکریاں	〃	۴ بکریاں
۴۰۰ بکریاں	〃	ہر سو پر چار بکری

واضح رہے کہ زکوٰۃ کے معاملہ میں گائے اور بھینس ایک ہی جنس شمار ہوتی ہیں جس طرح اونٹوں کی تمام قسمیں ایک ہیں اور بکری، بھیڑ، مونث مذکر سب ایک ہیں۔

دوسری شرط ـــــ یہ ہے کہ جانور جنگل میں چر کر زندگی گذاریں۔ مالک کو نہ کھلانا پڑے ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

تیسری شرط ـــــ یہ ہے کہ ان سے کام بھی نہ لیا جائے۔

چوتھی شرط ـــــ یہ ہے کہ سارے سال مالک کے پاس رہیں ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

چاروں غلّات کی زکوٰۃ

اس میں دو شرطیں ہیں :-

۱۔ نصاب یعنی ۸۴۷ کیلو تقریباً۔ اس سے کم پیداوار پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۲۔ جس پیداوار کا انسان مالک نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

✪ زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ غلّہ خشک شدہ ۸۴۷ کیلو ہو ورنہ انگور کا وزن اس قدر ہو اور کشمش کم ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

✪ ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد وہی غلّہ برسوں رکھا جائے تو دوبارہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

✪ زکوٰۃ کی مقدار سینچائی کے اعتبار سے ہے۔ سینچائی قدرتی ہے تو دسواں حصّہ۔ مالک کی طرف سے ہے تو بیسواں حصّہ۔ دونوں کی مشترکہ ہے تو ½ کا دسواں اور ½ کا بیسواں۔ عام بارشوں کا شمار نہیں ہوگا۔

✪ بہتر یہ ہے کہ ساری پیداوار کا حساب کرکے زکوٰۃ نکال دے اور کسی طرح کا خرچ منہا نہ کرے۔ صرف حکومت کی طرف سے لیا جانے والا غلّہ مستثنیٰ کرسکتا ہے۔

✪ زکوٰۃ ادا کرتے وقت مالک کو اختیار ہے کہ خود جنس سے زکوٰۃ ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

واضح رہے کہ جن غلات پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ گندم، جو، کھجور اور کشمش ہیں۔ اس کے بعد دیگر پیداوار تل۔ چاول۔ چنا۔ مسور۔ ماش وغیرہ پر زکوٰۃ مستحب ہے۔ البتہ سبزیوں پر زکوٰۃ مستحب نہیں ہے۔

پیداوار کے علاوہ مال تجارت پر زکوٰۃ مستحب ہے جس میں سونے چاندی کے سکّے کی

قید نہیں ہے۔ جو بھی مال تجارت ہے اس پر ۲½ فیصدی زکوٰۃ مستحب ہے اور اس زکوٰۃ کو بوقت ضرورت حاکم شرع واجب وضروری قرار دے سکتا ہے جس سے بے شمار مسائل حل ہو سکتے ہیں اور متعدد اشکالات کے جوابات فراہم ہو جاتے ہیں۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب یا مستحب نہیں ہے ـــــ لیکن ان کی مادہ یعنی گھوڑیوں پر زکوٰۃ مستحب ہے۔ اس کے علاوہ زیورات پر زکوٰۃ مستحب ہے کہ اس سے ضرورت مند افراد کو بوقت ضرورت عاریت دے دیا جائے جس طرح کی علم کی زکوٰۃ تعلیم و تبلیغ ہے اور بدن کی زکوٰۃ بیماریاں اور پریشانیاں ہیں کہ کسی انسان کو بیماریاں لاحق نہ ہوں تو گویا اس کے بدن کی زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی ہے۔

سبق ۲۳

مصارفِ زکوٰۃ

قرآن مجید نے زکوٰۃ صدقات کا مصرف آٹھ قسموں کو قرار دیا ہے۔

۱-۲۔ فقیر و مسکین

یہ وہ افراد ہیں جن کے پاس ضروریات کے مطابق ذریعہ معاش نہ ہو اور اگر ذریعہ معاش ہے لیکن ضروریات کے لئے کافی نہیں ہے تو وہ انسان بھی فقیر ہی شمار کیا جائے گا۔ حالات کے اعتبار سے اگر لباس، خادم، مکان، گاڑی، کتب علمیہ وغیرہ کی بھی ضرورت ہے اور اس کے فراہم کرنے کا وسیلہ نہیں ہے تو زکوٰۃ لے کر اس سے یہ سامان فراہم کرسکتا ہے۔

طالب علم کے لئے طلب علم واجب ہے اور اس کے دوران کسب معاش ممکن نہیں ہے یا ممکن ہے لیکن حالات کی بنا پر اس کی شان کے خلاف ہے کہ عزت آبرو خطرہ میں ہے تو وہ بھی زکوٰۃ پر گذارا کرسکتا ہے۔

✪ اگر کوئی انسان فقیری کا دعویدار ہے تو اسے مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ پیدائشی طور پر ہر انسان خالی ہاتھ پیدا ہوا ہے۔ دولت بعد میں شامل ہوتی ہے۔

✪ اگر کسی فقیر کے ذمہ کوئی قرض ہے تو انسان زکوٰۃ میں اس کا حساب کرسکتا ہے چاہے وہ فقیر مرہی کیوں نہ گیا ہو بشرطیکہ اس کا ترکہ بقدر قرض نہ ہو ورنہ ترکہ سے قرضہ ادا کیا جائے گا اور زکوٰۃ میں حساب نہیں ہوسکتا۔

فقیر کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے بلکہ بطور ہدیہ بھی دے سکتا ہے اور اس کے مصالح پر خرچ بھی کرسکتا ہے۔

اگر تحقیق کے بعد فقیر کو زکوٰۃ دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فقیر نہیں تھا تو اگر مال باقی ہے تو واپس لے لے گا ورنہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر انکشاف ہوا کہ وہ اپنا واجب النفقہ تھا یا زکوٰۃ غیر ہاشمی کی تھی اور وہ ہاشمی تھا تو ان تمام صورتوں میں قانون ایک ہی ہے۔

۳۔ عاملین

جن لوگوں کو حاکم شرع کی طرف سے زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے معین کیا جاتا ہے ان کا خرچ مالِ زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ مؤلفۃ القلوب

جو مسلمان عقائد کے اعتبار سے کمزور ہیں اور دوسروں کی طرف کھینچ جانے کا امکان ہے انھیں مالِ زکوٰۃ دے کر ان کے عقائد کو مستحکم بنایا جائے گا یا وہ کفار جن کے مسلمان ہونے کا امکان ہے اور صرف مالیات سے پریشان ہیں ـــــ یا وہ کفار جن سے جہاد میں کمک یا جاسوسی کا کام لیا جاسکتا ہے ان سب کو مالِ زکوٰۃ کے ذریعہ اسلام کے مفاد میں استعمال کیا جائے گا۔

۵۔ مقروض

جن کا قرضہ زیادہ ہے اور وہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں ان کا قرضہ زکوٰۃ سے ادا کیا جاسکتا ہے چاہے انھیں کو دے دے وہ ادا کریں یا اپنی زکوٰۃ میں حساب کرلے ـــــ یا صاحبِ قرض کو مقروض کی طرف سے دے دے۔ ایسی صورت میں مقروض کو مطلع کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

۶۔ غلام

جن سے آقا نے طے کر لیا ہے کہ معینہ رقم دے دینے میں انھیں آزاد کر دیا جائے گا تو انھیں مالِ زکوٰۃ کے ذریعہ آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ

یعنی وہ کارِ خیر جس سے بندگانِ خدا کا فائدہ ہو جیسے پل بنانا، مساجد و مدارس کی تعمیر کرنا، مومنین کے درمیان اصلاح کرانا اور اس طرح کے تمام کارِ خیر جن کا انجام دینے والا نہ ہو اور ان سے مفادِ عامہ کا امکان ہو۔

۸۔ ابن السبیل

وہ غربت زدہ مسافر جو اپنے وطن میں صاحبِ حیثیت ہو اور مسافرت میں مجبور ہو جائے اور وطن تک نہ پہنچ سکے تو اگر اس کا سفر سفرِ معصیت نہیں ہے تو اسے اس قدر مال زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے کہ اپنے وطن پہنچ جائے۔ ایسے مسافر کے لئے سفر میں قرض وغیرہ کا امکان ہے تو مال زکوٰۃ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ: ● اگر کسی شخص کو یہ خیال تھا کہ اس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہے اور اس نے زکوٰۃ دے دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ زکوٰۃ واجب نہیں تھی تو مستحق سے واپس بھی لے سکتا ہے اور تلف ہو جانے کی صورت میں بدل کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے اگر مستحق کو اس صورتِ حال کی اطلاع تھی۔

● اگر کسی شخص کے بارے میں نذر کی تھی کہ مال زکوٰۃ اسی کو دے گا اور بعد میں بھول کر دوسرے کو دے دیا تو واپس لینے کا حق نہیں ہے بلکہ اگر قصداً دے دیا ہے تو بھی فریضہ ادا ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ نذر کی مخالفت کا کفارہ دینا پڑے گا۔

سبق ۲۴

شرائط مستحقین

زکوٰۃ کے جن آٹھ مصارف کا ذکر کیا گیا ہے، ان پر زکوٰۃ کا تقسیم کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان میں سے کسی ایک مصرف میں بھی صرف کر سکتا ہے ـــــ یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات فقراء و مساکین کا حق مقدم ہو جاتا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے دیگر مصارف کی نوبت نہیں آتی۔

اب اگر انسان نے یہ طے کر لیا کہ مال فقراء و مساکین ہی کو دے گا تو ان کے بارے میں حسب ذیل شرائط اور مسائل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ **ایمان** ـــــ کافر یا مخالف مذہب حق کو فقراء و مساکین کا حصہ نہیں دیا جا سکتا۔ مؤلفۃ القلوب کے طور پر دیا جائے تو اور بات ہے لیکن اس میں غربت کے بجائے مذہبی افادیت کا لحاظ کیا جائے گا کہ یہ لوگ دین اسلام کے حق میں کس قدر مفید ہیں۔

اطفال مومنین کو زکوٰۃ دی جائے تو ولی کے ہاتھ میں دی جائے یا خود ان پر صرف کر دیا جائے۔

• اگر کسی سنی نے اپنے اہلِ مذہب کو زکوٰۃ دے دی اور بعد میں شیعہ ہو گیا تو زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا ہو گی اور شیعہ ہی کو دیا ہے تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ حق العباد ہے اور حق العباد غیر مستحق تک پہنچ گیا تو دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ **اہلِ معصیت نہ ہو** ـــــ کہ مال زکوٰۃ کو معصیت میں صرف کرے یا مال زکوٰۃ دینے سے معصیت کی حوصلہ افزائی ہو ورنہ مال زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ بے نمازی،

شرابی اور کھلم کھلا فعلِ حرام کرنے والے کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ یہ ایک قربۃً الی اللہ عبادت ہے تو اس کا مورد اسی شخص کو قرار دے جو قرب الٰہی سے کوئی تعلق رکھتا ہو۔

۳۔ واجب النفقہ نہ ہو ـــــ ماں، باپ، اولاد، زوجہ، غلام کو نفقہ بھر زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اس کے علاوہ کوئی ضرورت ہے تو اس کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور باپ یا بیٹے کو اس کی زوجہ کے خرچ کے لئے رقم دی جائے ـــــ یا اس کے قرضہ کی ادائیگی کے لئے رقم دی جائے۔

✪ اگر کوئی شخص کسی کا واجب النفقہ ہے لیکن جس کے ذمہ نفقہ ہے وہ نہیں دیتا ہے تو یہ شخص مالِ زکوٰۃ سے اپنے ضروریات کی کفالت کرسکتا ہے۔

✪ ممتوعہ عورت کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ اس کا نفقہ واجب نہیں ہے یا اس طرح وہ منکوحہ عورت جس کا نفقہ کسی جائز وجہ سے ساقط ہوگیا ہو ـــــ ورنہ اگر فاشزہ ہونے کی بنا پر ساقط ہوا ہے تو یہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے۔

✪ زوجہ اپنی زکوٰۃ شوہر کو دے سکتی ہے کہ وہ زوجہ کا واجب النفقہ نہیں ہے، چاہے شوہر اسے لے کر زوجہ ہی پر خرچ کردے۔

✪ اگر کوئی شخص فی سبیل اللہ کسی کی کفالت کرتا ہے تو اس پر مال زکوٰۃ بھی خرچ کرسکتا ہے کہ وہ واجب النفقہ نہیں ہے۔

✪ اگر کسی شخص پر کسی کا نفقہ واجب ہے اور وہ ادا کرنے سے قاصر ہے تو زکوٰۃ کو اس پر خرچ کرسکتا ہے۔ اگرچہ احتیاط یہی ہے کہ ایسا نہ کرے۔

۴۔ ہاشمی نہ ہو ـــــ کہ اگر زکوٰۃ غیر ہاشمی کی ہے تو غیر ہاشمی کی زکوٰۃ ہاشمی پر صرف نہیں کی جاسکتی چاہے بطور عامل اور سبیل اللہ ہی کیوں نہ ہو ـــــ زکوٰۃ میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ غیر ہاشمی کی زکوٰۃ کسی بھی شکل میں ہاشمی پر خرچ نہ ہو ـــــ ہاں اگر اس نے مال زکوٰۃ سے کوئی پُل بنا دیا ہے یا مسجد تعمیر کردی ہے، یا مدرسہ بنا دیا یا کتابیں خرید لی ہیں تو ہاشمی بھی ان اشیاء

سے استفادہ کرسکتا ہے۔ اسے براہِ راست دینے کے لئے ضروری ہے کہ دینے والا بھی ہاشمی ہو۔ ـــــ البتہ اگر ہاشمی کے لئے ہاشمی کی زکوٰۃ اور خمس وغیرہ ناکافی ہے اور اس کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تو اسے غیر ہاشمی کی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

✪ ہاشمی اس شخص کو کہتے ہیں جو باپ کی طرف سے جناب ہاشم کی اولاد میں ہو اور یہ انتساب شرعی ہو۔ زنا وغیرہ کے ذریعہ نہ ہو کہ اس سے شرعی حقوق کا استحقاق نہیں پیدا ہوتا ہے۔

✪ غیر ہاشمی کا جو صدقہ ہاشمی پر حرام ہے اس سے مراد صرف زکوٰۃِ مال اور زکوٰۃِ فطرہ ہے۔ اس کے علاوہ مستحب صدقات یا کفارات اور مظالم مجہول المالک، نذر، وصیت وغیرہ کا مال ہرگز حرام نہیں ہے۔

✪ ہاشمیت کے ثبوت کے لئے قطع ویقین، عادل گواہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ صرف مدعی کا دعویٰ کافی نہیں ہے۔ دعویٰ فقیری میں کافی تھا کہ انسان کی اصل فقیر ہے۔

سبق ۲۵

زکوٰۃِ فطرہ

فطرہ کے وجوب کے لئے ضروری ہے کہ انسان بالغ و عاقل، آزاد اور غنی ہو کہ اپنے اور اپنے واجب النفقہ افراد کے سال بھر کے خرچ کا کوئی ذریعہ رکھتا ہو ورنہ فقیر پر فطرہ واجب نہیں ہے۔ وہ خود فطرہ کا حقدار ہے۔ اگرچہ مستحب یہی ہے کہ وہ بھی فطرہ ادا کر دے۔ چاہے ایک ہی فطرہ نکال کر پہلے اپنے عیال کو دے اور پھر سب کے ہاتھ میں گردش دے کر آخر میں کسی دوسرے مستحق کے حوالے کر دے۔ یہ دست گرداں کی رسم نہیں ہے بلکہ ہر شخص دوسرے شخص کو دیتا ہے اور وہ تیسرے مستحق کو دیتا ہے ـــــ اور آخر میں باہر کے آدمی کو دے دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ گھر میں فطرہ نکالا گیا ورنہ پھر پہلے آدمی کو دیا جا سکتا ہے۔

غنی افراد کے گھرانے میں ایک شخص پر واجب ہے کہ سب کا فطرہ ادا کر دے ـــــ وہاں ہر ایک کے ہاتھ میں دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے کہ کوئی ایک بھی مستحق نہیں ہے اور نہ سرپرست کے علاوہ کسی ایک پر واجب ہے۔

✪ جامع الشرائط انسان پر واجب ہے اپنی کفالت میں رہنے والے تمام افراد کا فطرہ نکالے چاہے وہ بالغ ہوں یا نابالغ، مرد ہوں یا عورت، مسلمان ہوں یا کافر ـــــ حد یہ ہے کہ شب عید چاند نکلنے سے پہلے کوئی بچہ پیدا ہو جائے یا کوئی مہمان آجائے جسے عرف عام میں مہمان کہا جائے تو اس کا بھی مکمل فطرہ نکالنا واجب ہے۔ چاہے میزبان کے گھر کھانا نہ کھائے یا اتفاقاً مسلمان بھی نہ ہو۔

✪ جس کا فطرہ دوسرے پر واجب ہوتا ہے خود اس پر واجب نہیں ہونا چاہے جس پر

واجب ہے وہ ادا نہ بھی کرے ۔ اگرچہ اس صورت میں بہتر ہے کہ خود نکال دے ۔

✪ کوئی شخص دو آدمیوں کی کفالت میں ہے تو دونوں کا فرض ہے کہ حسب حصہ فطرہ ادا کریں ۔

جنس فطرہ

گندم، جو کھجور، اور کشمش کوئی شخص بھی نکال سکتا ہے ۔ اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کو استعمال بھی کرتا ہو ـــــ ان چاروں کے علاوہ دوسری چیز نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے عام طور سے لوگ استعمال کرتے ہوں جیسے چاول، دودھ وغیرہ ـــــ خود صاحب فطرہ کے استعمال کی کوئی شرط نہیں ہے کہ وہ سال بھر کیا کھاتا رہا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا قوت غالب گھاس یا پھل یا دوا ہو لیکن فطرہ میں گھاس یا پھل یا دوا نہیں دے سکتا ۔ فطرہ میں وہ جنس دے گا کہ علاقہ کی غالب غذا ہو تاکہ فقیر بھی اسے استعمال کر سکے ورنہ فطرہ کا فائدہ کیا ہوگا ۔

فطرہ کی مقدار تین کلو فی کس ہے ۔ اس میں کسی کمی کا امکان نہیں ہے ۔ دودھ پیتا بچہ بھی ہے تو اس کا فطرہ تین کلو ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ بچہ کے فطرہ میں دودھ نکالا جائے بلکہ اس کے فطرہ میں بھی گندم، جو، کھجور، کشمش، چاول وغیرہ نکالا جا سکتا ہے ۔ اس لئے کہ معیار اس شخص کی غذا نہیں ہے، اس علاقہ کی غالب غذا ہے ۔

یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ سارے گھر کا فطرہ ایک ہی جنس میں ادا کرے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف سے گندم دے، ایک کی طرف سے جو ـــــ ایک کی طرف سے چاول ـــــ ایک کی طرف سے کشمش دے اور ایک کی طرف سے دودھ ۔

البتہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی فطرہ کو تقسیم کر دے اور ۱½ کلو گندم اور ۱½ کیلو چاول دے دے ۔

وقتِ اخراجِ فطرہ

فطرہ شبِ عید واجب ہوتا ہے اور نمازِ عید پڑھنے والے کے لئے احتیاط یہ ہے کہ نماز سے پہلے ادا کر دے۔ نمازِ عید نہیں پڑھنا ہے تو زوال تک بھی ادا کر سکتا ہے اور مستحق موجود نہیں ہے تو کم سے کم الگ نکال کر رکھ دے۔ اس کے بعد کوئی معقول وجہ ہے تو ادائیگی میں تاخیر کر سکتا ہے ورنہ حتی الامکان جلد از جلد ادا کرے ـــــ زوال تک ادا نہیں کیا ہے یا الگ نہیں کیا ہے تو زوال کے بعد ادا کرے لیکن ادا و قضا کی نیت نہ کرے۔ صرف قربت کی نیت سے ادا کرے۔

✪ ماہِ رمضان داخل ہونے کے بعد فطرہ ادا کیا جا سکتا ہے ـــــ اگرچہ احتیاط یہی ہے کہ قرض کے عنوان سے دے اور بعد میں حساب کرے۔

✪ فطرہ الگ نکال دیا ہے تو اب اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور مستحق کے ہوتے ہوئے ادائیگی میں تاخیر کی تو تلف ہو جانے کی صورت میں ذمہ دار بھی ہوگا۔

✪ مستحق موجود نہیں ہے تو فطرہ دوسرے شہر کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن مستحق موجود ہے تو دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا احتیاطاً جائز نہیں ہے ـــــ البتہ اگر خود سفر کر جائے تو دوسرے شہر میں ادا کر سکتا ہے۔

مصرفِ فطرہ

✪ فطرہ کا مصرف بھی وہی ہے جو مالِ زکوٰۃ کا مصرف ہے اور اسے بھی آٹھوں مستحقینِ زکوٰۃ پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

✪ غیر ہاشمی کا فطرہ ہاشمی پر حرام ہے۔ ہاشمی کا فطرہ ہاشمی اور غیر ہاشمی دونوں کو دیا جا سکتا ہے ـــــ اور یہاں معیار فطرہ نکالنے والا ہے، وہ نہیں ہے جس کی طرف سے نکالا جا رہا

ہے۔ لہذا اگر ہاشمی کے گھر میں دس غیر ہاشمی مہمان آئے تو وہ گیارہ فطرے کل کے کل ہاشمی سید کو دے سکتا ہے اور اسی طرح غیر ہاشمی کے گھر پندرہ ہاشمی مہمان آئے تو وہ سولہ فطروں میں سے ایک فطرہ بھی ہاشمی سید کو نہیں دے سکتا ہے۔ اصل حساب فطرہ دینے والے کا ہوتا ہے ورنہ جن کا فطرہ ادا کیا جائے وہ معیار بن جائیں تو کافر مہمان کا فطرہ کافروں کو دینا پڑے گا .....

✪ اگر مومن مستحق موجود نہیں ہے تو ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو فطرہ دیا جا سکتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ انھیں ایمان کی طرف مائل کیا جا سکے۔

✪ فطرہ کو صاحبِ مال براہِ راست مستحق کے حوالے کر سکتا ہے ـــــ اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ حاکم شرع کے حوالے کر دے کہ وہ مصارف کی نوعیت کو بہتر پہچانتا ہے۔

✪ ایک فقیر کو کئی فطرے دیئے جا سکتے ہیں لیکن ایک فطرہ کو حتی الامکان کئی فقیروں پر تقسیم نہ کرے کہ یہ عمل خلافِ احتیاط ہے۔

✪ اپنے قرابت دار اور ہمسایہ کو مقدم کرنا بہتر ہے اور ان میں بھی صاحبانِ علم و فضل و تقویٰ کو مقدم کرنا افضل ہے۔

عمومی احکامِ زکوٰۃ

✪ مالِ زکوٰۃ کو دوسرے شہر کی طرف منتقل کیا جائے گا تو منتقل کرنے کا خرچ صاحبِ مال کے ذمہ ہوگا اور تلف ہو جانے کی صورت میں وہ ذمہ دار بھی ہوگا۔

✪ اگر دوسرے شہر میں اپنا مال موجود ہے تو وہیں زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ مال زکوٰۃ کے منتقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

✪ حاکمِ شرع نے بعنوانِ ولایت فقیہ زکوٰۃ لے لی ہے تو مالک کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ مال باقی رہے یا برباد ہو جائے۔

✪ زکوٰۃ عبادات میں ہے لہذا اس کی ادائیگی کے لئے نیتِ قربت ضروری ہے۔

بلانیتِ قربت زکوٰۃ دی یا ریاکاری کی نیت سے ادا کی تو فریضہ ساقط نہ ہوگا ـــــ ریاکاری کا گنہگار اوپر سے ہوگا۔

✪ ادائے زکوٰۃ میں دوسرے کو وکیل بنایا جاسکتا ہے جس طرح فقیر تک پہنچانے میں وکالت ہوسکتی ہے کہ اس کے وکیل کے حوالے کر دیا جائے۔

✪ زمانہ غیبت امامؑ میں حاکم شرع کو زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہے لیکن وہ بعنوانِ ولایت وحکومت طلب کرے تو بہرحال اس کے حکم پر عمل کرنا پڑے گا۔

✪ وقت وفات قریب آجائے اور زکوٰۃ وخمس ادا نہیں کرسکا ہے تو اس کی ادائیگی کے لئے وصیت کرنا واجب ہے۔

✪ فقیر کے لئے مستحب ہے کہ جس سے زکوٰۃ لی ہے اس کے حق میں دعا کرے بلکہ یہی بات عامل، وکیل اور فقیہ کے لئے بھی ہے بلکہ فقیہ کے لئے تو احتیاط یہی ہے کہ دعا دے کہ اس کا حکم پیغمبرؐ کو دیا گیا ہے اور فقیہ ان کی نیابت میں مال وصول کر رہا ہے۔

✪ عام مالِ زکوٰۃ کی تقسیم میں مستحب ہے کہ اہلِ علم وفضل کو زیادہ حصہ دیا جائے جس طرح اقربا کو دوسروں پر مقدم رکھنا مستحب ہے۔ نہ مانگنے والوں کو مانگنے والوں پر مقدم رکھنا چاہئے۔

✪ مالک کے لئے مکروہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دے کر پھر اس سے حاصل کرے۔ البتہ اگر فقیر مال زکوٰۃ کو بیچنا چاہتا ہے تو مالک خرید سکتا ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے بشرطیکہ خود درخواست نہ کرے۔

سبق ۲۶

خُمس

خمس دین اسلام کے مالیات کا اہم رکن اور دور حاضر میں تبلیغی خدمات کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ خمس نہ ہوتا تو دینی تبلیغات کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ـــــ خمس نہ ہوتا تو اجتہادی ادارے بند ہو جاتے ـــــ خمس نہ ہوتا تو مراجع اسلام بے دست و پا ہو جاتے اور خمس نہ ہوتا تو حکام وقت ہر صاحب دین کے اقتصادیات کو چیلنج کرتے رہتے۔

یہ خمس ہی ہے جس کی چہل پہل ہر سمت نظر آتی ہے اور جس کے دم سے قوم کے بڑے بڑے مذہبی ادارے چل رہے ہیں اور گاؤں گاؤں مکاتب کی بہار نظر آرہی ہے یا مساجد و حسینیات کی تعمیر و ترسیم کا کام ہو رہا ہے ـــــ ورنہ خمس کی پابندی سے پہلے بھی مذہبی خدمات کا حال دیکھا تھا جب ریاستیں تھیں، زمینداریاں تھیں۔ نوابین اور مہاراجگان تھے اور آج بھی دیکھ رہے ہیں جب غربا مومنین کے خمس کے برکات منظر عام پر آرہے ہیں اور ہر طرف ایک موسم بہار نظر آرہا ہے۔

خمس نے علماء اعلام اور مراجع عظام کی آواز میں طاقت پیدا کی ہے۔ خمس نے دینی اداروں کو مرکز توجہ بنایا ہے۔ خمس نے کی جگہ کو طلاب کے لئے کوتاہ بنا دیا ہے۔ خمس نے جدید ترین حوزاتِ علمیہ کی تشکیل دی ہے۔ خمس نے بوسیدہ مذہبی عمارتوں کو نئی شکل و صورت دی ہے اور خمس نے بے دین اور لامذہب افراد کے چیلنج کا جواب دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خمس کے خلاف ہر دور میں آوازیں اٹھی ہیں اور خمس کے وجوب کو طرح

طرح کے شکوک وشبہات کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ خمس صرف مالِ غنیمت میں ہے۔ کسی کا کہنا ہے کہ خمس حقِ امام ہے اور ہم امام کے غلام ہیں لہٰذا ہمیں امام کا حق کھانے کا حق ہے۔ کسی کی تشکیک ہے کہ مولا ہمیں خود دیتے ہیں۔ وہ ہم سے کسی حق یا مال کا مطالبہ نہ کریں گے ـــــ کسی کا پروپیگنڈہ ہے کہ خُمس کا چرچا گذشتہ پچیس پچاس سال پہلے نہیں تھا۔ اسے فُروعِ دین کی گنتی کے طور پر یاد کر لیا کرتے تھے اور بس ـــــ یہ دورِ حاضر کے ملاؤں کی ایجاد ہے۔ اس سے قوم کا استحصال کیا گیا اور ملاؤں نے اپنے کھانے پینے کا ایک راستہ نکالا ہے۔ غرض جتنے منہ ہیں اتنی ہی زبانیں ہیں اور سب کا مقصد ایک ہے کہ مذہبی طاقتوں کو کمزور بنا دیا جائے اور تبلیغ دین کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی جائے۔ کچھ لوگ یہ کام دیدہ و دانستہ پدرنگ کے تحت کر رہے ہیں اور کچھ ہوا کے رخ پر یہ سوچ کر بہ رہے ہیں کہ اگر یہ نعرے کامیاب ہو گئے تو ہمارا بھی پیسہ بچ جائے گا۔

بعض حضرات تو فتنہ گری میں اس منزل تک پہنچ گئے کہ خمس کے تذکرے سے مجالس عزا میں مجمع گھٹ جائے گا اور مجالس کی اہمیت کم ہو جائے گی لہٰذا خمس کے ذکر کو بند ہونا چاہیے۔ ان بیچاروں کے خیال میں رونق مجالس تعلیمات آلِ محمدؐ کے دبا دینے میں ہے اور مذہب آلِ محمدؐ کی اشاعت مجالس کو بے رونق بنا دینے کا ذریعہ ہے۔ یہ وہی افراد ہیں جو صدر اسلام کی سازشوں کو نا دانستہ طور پر کامیاب بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور آج بھی آلِ محمدؐ کو ان کے حق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں جب کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے خمس کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس نے خمس کا ایک درہم کھا لیا ـــــ وہ ہم آلِ محمدؐ کے حق کا غاصب ہے۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ کل کے غاصبوں پر لعنت کی جائے اور آج غصبِ حقِ آلِ محمدؐ کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ترویج حقوق آلِ محمدؐ کرنے والوں کو دشمنِ آلِ محمد تصور کرایا جائے۔

خمس اسلامی زندگی کا اہم ترین رکن ہے۔ اس قانون کو ایک ابدی حیثیت حاصل ہے اور اس کی واقعی زندگی کا حال امام عصرؑ کے ظہور کے بعد ہی ظاہر ہوگا جب صاحبِ حق اپنے حق

کا مطالبہ کرے گا اور مخالفت کرنے والوں کو ان کی چرب زبانی اور سحر بیانی کا مزہ چکھائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ خمس کی آیت میدانِ بدر میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جو آیت جہاں نازل ہوئی ہے وہ وہیں سے مخصوص ہو جائے ورنہ سارا اسلام مکہ مدینہ کے ساتھ مخصوص ہو جائے گا اور ہند و پاک کے مسلمان یہ کہہ کر الگ ہو جائیں گے کہ قرآن مکہ مدینہ میں نازل ہوا ہے، ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آیت کا مورد آیت کے لئے تخصیص کا سبب نہیں ہوتا۔

میدانِ جہاد میں آیت کے نازل ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح مالِ غنیمت سرکارِ دوعالمؐ کے ہاتھ میں آئے گا اور آپ اپنے دستِ مبارک سے خمس نکال کر ایک نظم قائم کر دیں گے کہ خمس کی ذمہ داری صرف عوام اور امت کی نہیں ہے بلکہ پیغمبرؐ بھی اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور اپنی نگرانی میں صاحبانِ حق کو ان کا حق دلواتا ہے۔

دوسری طرف مجاہدین کے نفس کے تزکیہ کا سامان بھی ہوگا کہ جہاد راہِ خدا میں غارت گری اور لوٹ مار کا تصور نہ پیدا ہونے پائے بلکہ میدانِ جہاد میں قدم رکھتے ہوئے یہ تصور ذہن میں رہے کہ جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔ اس میں سے پہلے صاحبانِ حق کا حق ادا کیا جائے گا، اس کے بعد آپس میں تقسیم کیا جائے گا۔

میدانِ بدر میں آیت کے نزول کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اس میدان میں پروردگارِ عالم نے مسلمانوں کے ضعف کا علاج غیبی طاقت ملائکہ کے ذریعہ کیا ہے اور اس کا حوالہ آیتِ خمس میں دیا ہے کہ اگر تمھیں میدانِ بدر میں ہماری نصرت پر اعتبار و اعتماد ہے تو خمس نکالو ـــــ گویا قدرت یہ سمجھنا چاہتی ہے کہ خمس نکالنے کے بعد مال کی کمی سے ہرگز متوحش نہ ہو اور یہ یاد رکھو کہ اگر مال میں بظاہر کمی پیدا ہو گئی اور کوئی وسیلہ اس کے جبران کا نہیں ہے تو ہم نے جس طرح میدانِ بدر میں مجاہدین کی قلت اور ان کے ضعف کا علاج ملائکہ کی نصرت کے ذریعہ کیا ہے اس طرح تمھارے اموال کی قلت کا علاج غیبی امداد کے ذریعہ کریں گے۔ اس کے بعد بھی مسلمان خمس نکالنے پر آمادہ نہ ہو اور خدائی وعدہ بلکہ تاریخی تجربہ پر اعتبار نہ کرے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ایمان کمزور ہے اور وہ وعدۂ الٰہی کو بھی ناقابلِ اعتبار سمجھتا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ مسلمان میدانِ احد میں وعدۂ الٰہی پر اعتبار نہ کریں اور فرار کر جائیں تو قابلِ مذمت قرار پائیں اور صاحبانِ ایمان بدر کے وعدہ بلکہ تجربہ پر اعتبار نہ کریں تو کامل الایمان تصور کئے جائیں۔ مولائے کائنات کی آواز آج بھی فضا میں گونج رہی ہے "مسلمان ایمان کے بعد کفر اختیار نہیں کرتا۔"

مواردِ خمس

خمس سات چیزوں میں واجب ہوتا ہے۔

۱۔ **میدانِ جہاد کا مال غنیمت** یا ہر وہ مال جو کافر سے جنگ کے دوران حاصل ہو جائے چاہے وہ جنگ اذنِ امامؑ سے نہ ہو اور جہاد بھی نہ ہو صرف دفاعی حیثیت کی لڑائی ہو۔ اہلبیت طاہرینؑ سے کھلم کھلا دشمنی کا اعلان کرنے والے افراد بھی کفار کے حکم میں ہیں اور ان کا مال بھی مالِ غنیمت ہے اور اس میں بھی خمس واجب ہے۔

۲۔ **معدنیات** ــــ سونا، چاندی، تانبا، پیتل، عقیق، فیروزہ، یاقوت، سرمہ، نمک، تیل، کندھک، تارکول کی کان برآمد ہو جائے اور اس کی قیمت ۲۰ دینار سونے کے برابر ہو تو اس کا خمس نکالنا واجب ہے۔

۳۔ **خزانہ** ــــ سونے چاندی کے سکوں کا خزانہ مل جائے تو یقیناً ورنہ احتیاطاً۔ ۲۰ دینار سونے یا ۲۰۰ درہم چاندی کے برابر مالیت ہونے کی شکل میں خمس نکالنا واجب ہے بشرطیکہ خزانہ کسی مسلمان کی ملکیت نہ ہو۔ ورنہ اگر یہ معلوم ہے کہ یہ خزانہ کسی مسلمان کا ہے اور وہ مسلمان معلوم نہیں ہے تو کل مال اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے گا تاکہ صاحبِ مال کو کم سے کم ثواب ہی مل جائے۔ اس مال میں خمس کا کوئی سوال نہیں ہے اور نہ پانے والا مالک ہو سکتا ہے۔

۴۔ **غواصی** ــــ سے برآمد ہونے والے جواہرات کی قیمت ایک دینار سے کم بھی ہو تو اس کا خمس نکالنا واجب ہے۔ (بنا بر احتیاط)

اس عمل میں سمندر کی شرط نہیں ہے بلکہ بڑے دریا سے بھی موتی مونگے برآمد کئے ہیں تو ان کا بھی خمس نکالنا ہوگا۔ البتہ مچھلی وغیرہ نکالنے میں خمس واجب نہیں ہوتا۔

۵۔ زمین ـــــ کافر ذمی اگر مسلمان سے زمین خریدے تو اس زمین کا خمس نکالنا ہوگا چاہے زمین زراعی ہو یا غیر زراعی۔ اس کے لئے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ معاملہ زمین کے عنوان سے ہو بلکہ مکان اور باغ، دکان، حمام وغیرہ کے عنوان سے معاملہ ہوا ہے تو بھی زمین کا خمس نکالنا ہوگا اور معاملہ میں بھی خریداری کی شرط نہیں ہے جس طرح بھی زمین کی ملکیت کافر ذمی کی طرف منتقل ہو اس زمین کا خمس بہر حال نکالنا ہوگا۔ خمس میں زمین کی شرط نہیں ہے۔ قیمت کا خمس بھی نکالا جا سکتا ہے۔

۶۔ مالِ حلال مخلوط بحرام ـــــ اگر کوئی مالِ حلال مالِ حرام سے مخلوط ہو جائے اور اس کی مقدار معلوم نہ ہو اور نہ مالک کا پتہ نشان ہو تو اس کا خمس نکال دینا سارے مال کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔ البتہ اگر مقدارِ حرام معلوم ہے تو اتنی مقدار کا صدقہ دیا جائے گا۔ خمس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور احتیاط یہ ہے کہ یہ صدقہ حاکم شرعی کے اذن سے ہو اس لئے کہ خمس مالِ حلال کو حرام سے الگ اور پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ مالِ حرام کا واحد علاج یہ ہے کہ اس کا مالک معلوم ہو تو مالک کو واپس کیا جائے اور نہ معلوم ہو تو مالک کی طرف سے صدقہ دے دیا جائے تاکہ مالک کو ثواب مل جائے خمس نکال کر کوئی شخص اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔

۷۔ سالانہ اخراجات کی بچت ـــــ انسان کو صنعت، تجارت، زراعت، اجارہ، حیازت، ہبہ، ہدیہ، انعام، مالِ وصیت، فوائد وقف خاص و عام، غیر متوقع میراث سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے سال بھر اپنے اور اپنے متعلقین کے اخراجات کے بعد جو کچھ بھی باقی رہ جاتا ہے۔ اس میں خمس نکالنا واجب ہے۔

مال مہر ـــــ متوقع میراث اور طلاقِ خلعی کے معاوضہ میں خمس واجب نہیں ہوتا اور احتیاط لازم یہ ہے کہ خمس و زکوٰۃ و ردِ مظالم سے ہونے والی آمدنی بھی اگر سال کے خرچ کے بعد بچ جائے تو اس میں سے بھی خمس نکال دے۔

✪ کسی انسان کے پاس ایسی شے ہے جس میں خمس واجب نہیں ہوتا یا اس کا خمس ادا کر چکا ہے اور اس کے بعد اس میں اضافہ ہو جائے جس طرح جانور کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے، درخت میں پھل آجائیں، جانور کا دودھ نکال لے، بینک سے منافع مل جائے تو ان سب کا خمس نکالنا واجب ہے بلکہ اگر جانور تگڑا ہو گیا ہے یا درخت بڑھ گیا ہے تو اس اضافہ کا بھی خمس نکالنا چاہئے۔ صرف بازار کی بڑھی ہوئی قیمت کا خمس اسی وقت واجب ہوگا جب مال کو تجارت کی غرض سے محفوظ کرے یا زیادہ قیمت پر فروخت کرے ورنہ ضروریات کے سامان کی قیمت بڑھ جائے تو اس کا خمس واجب نہ ہوگا جس طرح کہ باپ سے سو دینار کا باغ میراث میں ملے اور پھر اسے دو سو میں فروخت کر دے تو مزید ایک سو کا خمس واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر باغ کو اپنے آرام کے لئے خریدا تھا اور پھر قیمت میں اضافہ ہو گیا تو اس اضافہ قیمت کا خمس واجب نہیں ہے جب تک اس اضافی قیمت پر فروخت نہ کر دے۔

گویا کہ اس مسئلہ کی تین قسمیں ہیں :-

۱۔ مال کو تجارت کی غرض سے ذخیرہ کیا ہے تو بازار کی بڑھتی قیمت کے مطابق اضافۂ قیمت کا خمس دینا ہوگا چاہے فروخت نہ کرے۔

۲۔ مال ایسے وسیلہ سے فراہم ہوا ہے جس میں خمس واجب نہیں ہوتا جیسے میراث تو اضافہ میں بھی خمس واجب نہیں ہے۔

۳۔ مال کو اپنی ضرورت کے لئے فراہم کیا ہے اور بعد میں زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا تو اضافہ کا خمس واجب ہوگا۔

✪ بھیڑ بکری کے مالک سال بھر تک اس کا دودھ اور اون وغیرہ استعمال کرتے رہیں اور سال تمام پر ان میں سے کوئی شے باقی رہ جائے تو اس کا خمس نکالنا واجب ہے اور ان میں سے کسی شے کو فروخت کر دیا ہے تو اس کی قیمت کی باقی ماندہ رقم میں سے خمس نکالنا ہوگا۔

✪ جس چیز کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے اس کی آمدنی کا خمس واجب ہوتا ہے۔ خود اس کا

خمس واجب نہیں ہوتا ہے بشرطیکہ خمس نکالنے کے بعد اسے فراہم کیا گیا ہو یا اس پر خمس واجب نہ ہو۔

✪ اگر کسی چیز کو ذریعہ معاش بنالیا اور دوران سال اس کی قیمت میں اضافہ ہوگیا اور فروخت نہیں کیا اور بعد میں پھر پہلی قیمت پلٹ آئی تو اضافہ قیمت پر خمس واجب نہیں ہے۔

سبق ۲۷

سال اور خرچ

خمس کے سلسلے میں دو مسائل سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک مسئلہ سال تمام کا ہے کہ سال کسے کہتے ہیں اور کب شروع ہوتا ہے اور دوسرا مسئلہ اخراجات کا ہے کہ کن کن اخراجات کا جواز ہے جن کے بعد بچ جانے والے مال پر خمس واجب ہوتا ہے۔

جس دن سے انسان کی آمدنی کا آغاز ہوتا ہے اور فائدہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اسی دن سال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کے پاس مختلف ذرائع آمدنی ہیں تو ہر چیز کا سال الگ ہوگا۔ اگرچہ انسان کے لئے ممکن ہے کہ اپنے لئے ایک سال قرار دے لے اور پھر ساری آمدنیوں اور مصارف کا اکٹھا حساب کر کے بچت کا خمس نکال دے۔ مثلاً ایک انسان زراعت بھی کرتا ہے اور تجارت بھی، مکان کرایہ پر دیتا ہے اور مزدوری بھی کرتا ہے تو سب کا الگ الگ حساب کرنے کے بجائے ایک سال طے کرے اور اس کے آخر میں سب کی مجموعی آمدنی میں سے جو بچ جائے اس کا خمس نکال دے۔

اگر کوئی انسان اپنی زندگی گذارنے کے لئے سرمایہ کا محتاج ہے اور اس کی آمدنی بقدر سرمایہ ہے کہ یا اسی کو سرمایہ بنا کر کام کرے یا سال بھر کے اندر کھا پی کر ختم کر دے تو اگر اس سرمایہ کی مقدار سال کے خرچ کے برابر ہے تو اسے سرمایہ تجارت قرار دینے سے اس مقدار کا خمس واجب نہ ہوگا۔ اس کے بعد جب سال تمام پر اس کاروبار کا فائدہ ہوگا اور اس میں اضافہ ہوگا تو اس اضافہ کا خمس واجب ہوگا ـــــ لیکن اگر وہ مال سال کے خرچ سے زیادہ ہے تو جس قدر سال کے خرچ

سے زیادہ ہے تو جس قدر سال کے خرچ کے برابر سرمایہ تجارت قرار دیا ہے اس کا خمس واجب ہوگا اور جو اس مقدار سے زیادہ ہے اس کا خمس نکالنا ہوگا۔

اب اگر کوئی شخص ایسے سرمایہ کا محتاج نہیں ہے اور نہ اسے تجارت کرنے کی ضرورت ہے۔ تجارت اس کا شوق ہے تو جس قدر مال بھی تجارت میں لگائے گا اس کا خمس نکالنا ہوگا اس لئے کہ اس کا شمار مصارف میں نہیں ہے اور نہ یہ انسان کی ضرورت ہے۔

✪ انسان اپنا سالِ خمس تبدیل کرنا چاہے تو تبدیل کرسکتا ہے لیکن جس تاریخ کو یہ ارادہ کیا ہے اس تاریخ تک کا حساب کرکے خمس نکال دے۔ اس کے بعد تاریخ تبدیل کردے۔

✪ سال کے بارے میں انسان کو اختیار ہے عربی، انگریزی، رومی، فارسی کوئی بھی سال قرار دے سکتا ہے۔

سبق ۲۷

مصارف

انسان کے اخراجات کی دو قسمیں ہیں :(۱) وہ اخراجات جو آمدنی کی راہ میں خرچ ہوئے ہیں۔ (۲) وہ اخراجات جو سال کے ضروریات پر صرف ہوئے ہیں۔ پہلی قسم سے مراد وہ اخراجات ہیں جنھیں فائدہ حاصل کرنے کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے جیسے حمال، دلال، کلرک اور نگہبان کی مزدوری ـــــ دکان کا کرایہ، حکومت کا ٹیکس وغیرہ کہ ان تمام امور کو فائدہ میں سے نکال کر باقی کا خمس نکالا جائے گا ـــــ بلکہ اس راہ میں جو نقصانات ہوئے ہیں ان کی تلافی بھی فائدہ ہی سے کی جائے گی۔ مثال کے طور پر پیسہ کمانے میں آلاتِ صناعت، آلاتِ خیاطت، آلاتِ زراعت یا گاڑی وغیرہ میں جو نقصان پیدا ہوگیا ہے اور پرزے گھس جانے سے جو کمی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کمی کو نکالنے کے بعد ہی باقی کو فائدہ کہا جائے گا اور اس کا خمس واجب ہوگا۔ مثلاً ایک انسان نے دو ہزار دینار میں گاڑی خریدی اور اسے سال بھر کے لئے چار سو دینار کرایہ پر دے دیا اور سال تمام پر گاڑی کی قیمت ۱۸۰۰ ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ چار سو کا نہیں بلکہ صرف دو سو کا ہوا ہے اور اسی دو سو کا خمس بھی واجب ہوگا۔ باقی دو سو تو آمدنی کی راہ میں کم ہوگئے ہیں

دوسری قسم سے مراد وہ اخراجات کو سال کے خرچ میں شمار کیا جائے گا بشرطیکہ انسان اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ حیثیت سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اور اسراف خرچ میں شمار نہیں ہوتا بلکہ انسان اس سے گنہگار بھی ہوتا ہے۔

اب اگر کسی انسان نے ضرورت سے کم خرچ کیا ہے اور بخل کر کے زیادہ بچا لیا ہے تو کُل باقی

کا خمس نکالنا ہوگا اور یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ میں بخل نہ کرتا تو اس قدر بچت نہ ہوتی لہذا اسی مفروضہ بچت کا خمس نکالوں گا جو بخل نہ کرنے کی صورت میں ہوتی اس لئے کہ اسلام میں بخل کبھی کوئی ہنر نہیں ہے۔

یاد رہے کہ بعض اوقات مال بظاہر خرچ ہو جاتا ہے لیکن اس کا شمار سال کے خرچ میں نہیں ہوتا ہے لہذا ایسی صورت میں اس مال کا خمس نکالنا ہوگا کہ یہ درحقیقت پیسہ کی بدلی ہوئی شکل ہے جس طرح کوئی انسان بانڈ وغیرہ خریدے یا آئندہ سال کے ضروریات کے لئے سامان خریدے یا موت کے خیال سے کفن وغیرہ خریدے اور درمیانِ سال موت واقع نہ ہو تو ایسے کفن کو بھی اس سال کے اخراجات میں شمار نہ کیا جائے گا اور اس کا خمس ادا کرنا ضروری ہوگا۔

واضح رہے کہ اسلام میں کفن خرید کر رکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے بلکہ یہ تاکید کی گئی ہے کہ اسے وقتاً فوقتاً دیکھتا بھی رہے کہ اس طرح موت کا خیال ذہن میں رہتا ہے اور خیالِ موت اصلاحِ نفس کا بہترین ذریعہ ہے ـــــ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کفن کا خمس معاف ہو جائے اور انسان موت کو یاد کرنے کے بجائے غصب حق امام کا مرتکب ہو جائے۔

مصارف کی اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر انسان نے ایک سال کی آمدنی سے مکان بنانے کا سامان خرید لیا اور دوسرے سال اس سے تعمیر کرائی تو سال تمام پر اس سامان کا خمس واجب ہوگا اس لئے کہ مکان کو اخراجات میں شمار کیا گیا ہے، مکان کا سامان نہیں۔ سامان تو درحقیقت پیسے کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

یہی حال لڑکیوں کے سامانِ جہیز یا اپنے سامانِ شادی کا ہے کہ سال کے اندر شادی نہ ہوئی تو فراہم کئے ہوئے سامان کا خمس نکالنا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا نادار ہے کہ ایک دفعہ میں سامانِ جہیز فراہم نہیں کر سکتا اور مجبور ہے کہ سال بہ سال فراہم کرے اور اس اعتبار سے بقدر ضرورت فراہم کیا ہے تو اس مقدار کا خمس واجب نہیں ہوگا۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خمس کی ادائیگی کی رقم بھی سالانہ اخراجات میں شمار

نہیں ہوتی ہے ـــــ یعنی اصولی طور پر انسان کا فرض ہے کہ سالتمام پر بچت کا پانچواں حصہ ادا کرے ـــــ اگر سو روپیہ بچ گئے ہیں تو اسی میں سے بیس روپیہ خمس کے طور پر ادا کرے۔ اب اگر اس نے سارے سو روپیہ خرچ کر دیئے اور یہ طے کیا کہ اگلے سال کی آمدنی میں سے بیس روپیہ ادا کر دیں گے اور اسی طرح ادا بھی کر دیا تو سال تمام پر اس بیس روپیہ کو بھی اگلی بچت میں حساب کرے گا اور اس کا خمس بھی ادا کرے گا ـــــ یعنی گذشتہ بچت کا خمس اسی بچت میں سے نکالا جائے تو بیس فیصدی ہوگا اور اگلے سال کی آمدنی میں سے نکالا جائے گا تو ۲۴ فیصدی ہوگا ـــــ کہ نئی آمدنی میں سے بیس روپیہ گذشتہ سال کے حساب میں نہ نکال دیئے ہوتے تو یہ بھی امسال کی بچت میں شمار ہوتے۔

سبق ۲۸

سالتمام

سال کے آغاز کی دو قسمیں

۱۔ انسان آمدنی سے سال شروع کرے اور ہر آمدنی کا ایک نیا سال قرار دے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے پاس تجارت بھی ہے ملازمت بھی اور زراعت بھی تو ایک تاریخ تجارت کے سال کی قرار دے اور ایک ملازمت یا زراعت کے سال کی اور اس طرح سال میں تین مرتبہ خمس نکلے گا۔ ایک مرتبہ مال تجارت کا۔ ایک مرتبہ زراعت کا اور ایک مرتبہ ملازمت کا اور سب کا آغاز اس شعبہ کی آمدنی کے آغاز سے ہوگا۔

۲۔ انسان اپنا ایک مستقل سال قرار دے لے اور اس کا آغاز اپنی پہلی آمدنی کو قرار دے۔ اس کے بعد جو رقم جب بھی حاصل ہو سب کا خمس ایک مرتبہ اپنی مقررہ تاریخ پر حساب کر کے نکال دے۔ بار بار حساب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تاجر و صنعت کار

اگر کسی انسان کا پیشہ تجارت یا صنعت ہے اور اس کے پاس کل آمدنی اس قدر ہے کہ اس سے سال کا خرچ نکل سکتا ہے تو وہ اس رقم کو رکھ کر سال بھر کھا بھی سکتا ہے اور اسی سے تجارت و صنعت کا کام بھی شروع کر سکتا ہے۔ اب سال تمام پر اس سرمایہ یا سامانِ صنعت کا خمس

واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر آمدنی ضرورت سے زیادہ تھی تو بقدر ضرورتِ سال مال کو سرمایۂ تجارت بنا سکتا ہے اور باقی کا خمس نکالنا ہوگا۔

خلاصہ کے طور پر مالِ تجارت کی دو قسمیں ہیں۔ اگر اس کی مقدار سالانہ ضروریات کے برابر ہے تو اس کا خمس واجب نہ ہوگا صرف فائدہ کا خمس واجب ہوگا اور اگر اس کی مقدار سالانہ ضروریات سے زیادہ ہے تو اس اضافہ کا خمس بھی واجب ہوگا اور اس کے بعد جو فائدہ ہوگا اس کا خمس بھی واجب ہوگا۔

البتہ اگر کسی شخص کو تجارت وصنعت کی ضرورت نہیں ہے اور صرف اضافۂ مال یا وقت گذاری کے لئے تجارت کرتا ہے تو سارے مالِ تجارت کا خمس ادا کرنا ہوگا کہ یہ درحقیقت بچت ہے جسے اس راہ میں لگا دیا ہے۔

✪ اگر سرمایہ تجارت یا آلات صنعت وزراعت میں نقص واقع ہوگیا ہے تو اسے اس سال کے فائدہ سے پورا کرسکتا ہے آئندہ سال کے منافع سے نہیں۔ مثال کے طور پر ایک ہزار سے تجارت شروع کی اور ایک ہزار فائدہ بھی ہوا لیکن اصل سرمایہ پانچ سو رہ گیا تو باقی پانچ سو اصل سرمایہ میں ملاکر صرف پانچ سو اضافہ کا خمس نکالے گا۔

یہی حال آلاتِ صنعت وزراعت کا بھی ہوگا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

✪ اگر انسان کے پاس بعض ایسے اموال ہیں جن پر خمس واجب نہیں ہوتا اور بعض پر خمس واجب ہوتا ہے تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ خمس والے مال میں سے سال کا خرچ نکالے یا اخراجات کو دونوں قسم کی رقموں پر تقسیم کردے بلکہ اسے مکمل اختیار ہے کہ جس مال میں سے چاہے سالانہ اخراجات نکالے اور پھر باقی ماندہ کا خمس ادا کردے۔

✪ اگر انسان نے سال کے ضروریات کے لئے باقی رہنے والا سامان خریدا اور سال کے اندر یا سال تمام ہونے کے بعد اس کی ضرورت ختم ہوگئی تو علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے

کہ اس کو بچت میں شمار کیا جائے گا یا نہیں۔ مثال کے طور پر عورت نے دورِ شباب میں زیورات بنوائے اور استعمال کرتی رہی اور پھر ضعیفی آنے کے بعد وہ زیورات ناقابلِ استعمال ہو گئے یا انسان نے سردی کے کپڑے بنوائے اور سردی ختم ہوتے ہی سال تمام سے پہلے غیر ضروری قرار پا گئے تو ان کپڑوں یا ان زیورات کو بچت میں شمار کیا جائے گا یا نہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ آیۃ اللہ الخوئی دام ظلہٗ خمس واجب نہیں سمجھتے لیکن دیگر علماء نے احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے اور وہی ہر دور کے لئے مناسب ہے۔

✪ جس چیز کا خمس نکالا جا چکا ہے وہ سو سال بھی باقی رہے تو دوبارہ اس کا خمس واجب نہیں ہوگا البتہ اس میں اضافہ ہو جائے تو اضافہ کا خمس بہر حال واجب ہوگا۔

✪ حج کے اخراجات بھی سال کے اخراجات میں شمار ہوتے ہیں بشرطیکہ اس سال کی آمدنی سے حج کیا جائے ورنہ اگر آمدنی کے سال حج نہ کیا تو سال تمام پر مال کا خمس بہر حال نکالنا ہوگا یا اس طرح اگر تھوڑا تھوڑا مال جمع کیا تو ہر سال کے خاتمہ پر جمع کئے ہوئے مال کا خمس نکالا جائے گا۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا مال بقدر حج ہے یا نہیں۔ اگر بقدر حج ہے تو حج واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

یہی حال ان اموال کا ہے جو مومنین محرم وغیرہ کے اخراجات کے لئے جمع کرتے ہیں کہ اگر سال تمام ہو گیا اور محرم نہیں آیا تو پہلے سامان کا خمس نکالا جائے گا اس کے بعد محرم کے اخراجات میں صرف کیا جائے گا۔ رضائے امام کے خلاف راہِ امام میں مال صرف نہیں ہو سکتا۔

✪ اگر کسی شخص نے اپنا باغ یا مکان دو چار سال کے لئے کرایہ پر اٹھا دیا اور کل رقم لے لی تو یہ رقم اس سال کی آمدنی شمار کی جائے گی اور سال تمام ہونے پر اس کا خمس واجب ہوگا اگرچہ بظاہر اس آمدنی کے بڑے حصہ کا تعلق اگلے برسوں سے ہے ـــــ البتہ دو چار سال کرایہ پر رہنے کی بنا پر جو نقص وارد ہونے والا ہے اُسے منہا کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آج مکان کی قیمت دس ہزار ہے اور دس سال کے کرایہ پر دس ہزار روپیہ پر اٹھا دیا تو سال تمام پر یہ بھی دیکھا جائے گا مکان کی قیمت دس سال کے کرایہ کے بعد کیا رہ گئی ـــــ اگر مکان کی قیمت مثلاً آٹھ ہزار ہو گئی

تو کرایہ میں سے دو ہزار کی کمی پوری کر کے باقی آٹھ ہزار کا خمس ادا کیا جائے گا۔

✪ قرض کی ادائیگی بھی سال کے اخراجات میں شامل ہے چاہے قرض اس سال کا ہو یا پہلے کا ہو ✪ لیکن اگر قرض ادا نہ کیا اور سال پورا ہو گیا تو ساری بچت کا خمس ادا کرنے کے بعد قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔

البتہ اگر قرض سال کے خرچ کے لئے لیا ہے جس طرح دکان سے ضروریات کا سامان لایا جاتا ہے اور تنخواہ پر اسے ادا کیا جاتا ہے تو سال تمام پر اس قرض کی مقدار کو منہا کر کے باقی کا خمس نکالا جائے گا کہ اس رقم کے بغیر سال کا خرچ ہی پورا نہیں ہوا بچت کا کیا سوال ہے۔

قرض کا قانون تمام قرضوں پر جاری ہوتا ہے چاہے وہ عرفی ہوں یا خمس وزکوٰۃ کی طرح شرعی کہ انسان نے خمس وزکوٰۃ ادا کر دیا تو خیر ـــــ ورنہ پہلے بچت کا خمس نکال دیا جائے گا اس کے بعد گذشتہ برسوں کا خمس وزکوٰۃ ادا کر دیا جائے گا۔

✪ اگر کسی شخص نے سال کی ضرورت کے علاوہ کچھ سامان ادھار لے کر رکھ لیا اور وہ مال سال کے آخر تک رکھا رہ گیا تو اس کی قیمت کی ادائیگی خمس سے پہلے نہیں ہو سکتی بلکہ خمس نکالنے کے بعد ہو گی۔ اس لئے کہ یہ مال سال کے خرچ میں شمار نہیں ہے تو اس کے استثناء کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔ چاہے اس خمس کو اس مال کا خمس قرار دیا جائے یا اس کی قیمت کا قیمت کی ادائیگی بہر حال سال کے اخراجات میں نہیں ہے۔

✪ اگر اثناءِ سال مکان منہدم ہو جائے یا سامان چوری ہو جائے تو سال تمام پر اس نقصان کو بچت سے نکالا جا سکتا ہے یا نہیں ـــــ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا البتہ اگر کچھ رقم مکان کی تعمیر میں خرچ کر دی ہے یا دوسرا ضروری سامان خرید لیا ہے تو یہ رقم سال کے خرچ میں شمار ہو جائے گی اور اس کا خمس واجب نہ ہو گا۔

✪ اگر انسان نے خمس ادا نہیں کیا اور مال کو تلف کر دیا یا خرچ کر دیا تو اس کی قیمت کا ذمہ دار ہو گا اور حاکم شرع اس سے خمس وصول کرے گا۔ اب اگر خرچ کرنے کی نوعیت یہ

ہے کہ مال سے مال پیدا ہوگیا ہے جیسے انڈے سے بچہ نکل آیا ہے یا دانہ سے غلہ پیدا ہوگیا ہے تو صرف دانہ اور انڈے کی قیمت کا خمس واجب ہوگا اور اگر دوسرا مال پیدا ہونے کے بجائے وہی مال ترقی کر گیا ہے کہ شاخ کو خمس نکالے بغیر زمین میں نصب کر دیا اور وہ درخت بن گئی تو درخت کا خمس ادا کرنا پڑے گا۔

✪ اگر کسی شخص نے اپنی منفعت کا حساب کر کے خمس نکال دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ واجب سے زائد دے دیا ہے تو اگلے سال میں اتنا کم کرنے کا مقدار ہوتا ہے۔ البتہ اگر فقیر کے پاس مالِ خمس باقی ہے تو اس سے واپس لے سکتا ہے یا اگر مال ختم ہوگیا ہے اور فقیر کو معلوم تھا کہ حساب غلط ہوسکتا ہے تو بھی واپس لے سکتا ہے۔

✪ اگر انسان کے پاس مختلف زراعتیں ہیں اور بعض سال تمام تک تیار نہیں ہوئیں تو ان کا شمار اگلے سال کی آمدنی میں ہوگا ـــــ البتہ اگر جس منزل پر ہیں ان کی بھی کوئی قیمت ہے تو اتنی قیمت کا خمس نکل جائے گا اور باقی اضافہ کا شمار آئندہ سال کی آمدنی میں ہوگا۔

✪ اگر کسی عورت کا بھی کوئی ذریعہ معاش ہے یا شوہر ہی سے اسے جیب خرچ وغیرہ ملتا ہے اور سال تمام پر کچھ بچ گیا تو اس بچت کا خمس ادا کرنا ہوگا۔ خمس واجب ہونے کے لئے کاروبار اور مستقل ذریعہ معاش ہونا شرط نہیں ہے۔ ہر آمدنی کی سالانہ بچت پر خمس واجب ہوتا ہے۔

✪ خمس کے واجب ہونے کے لئے بالغ اور عاقل ہونے کی شرط بہرحال ہے۔ بچہ کے مال پر خمس واجب نہیں ہوتا نہ نابالغی کی حالت میں اور نہ بالغ ہونے کے فوراً بعد البتہ بالغ ہونے کے بعد جو سال پورا ہوگا اس کا خمس بہرحال ادا کرنا ہوگا۔

سبق ۲۹

بقایا دار حضرات

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک مدت تک خمس کا حساب نہیں کرتا ـــــ یا اس لئے کہ اسے خمس کی خبر ہی نہیں ہوتی یا خمس کی اطلاع ہوتی ہے اور اسے ماحول کی بنا پر غیر ضروری تصور کرتا ہے یا کوئی نالائق انسان اسے گمراہ کر دیتا ہے کہ آج کل خمس کی ضرورت نہیں ہے یا آپ تو خود ہی اس قدر کار خیر کرتے ہیں کہ تمام حق امام و سادات ادا ہو جاتا ہے بلکہ حساب سے کچھ امامؑ ہی کے ذمہ نکل آتا ہے تو ایسی صورت میں خمس نکالنے کی کیا ضرورت ہے یا وہ اپنے کو خمس کے قانون سے مستثنیٰ سمجھتا ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ خمس لکھ پتی اور کروڑ پتی انسانوں پر واجب ہوتا ہے دو چار سو کمانے کھانے والوں کا خمس سے کیا تعلق ہے ـــــ اور ان تمام اوہام و خیالات کے بعد وہ سامان بھی فراہم کرتا ہے جن پر خمس واجب نہیں ہوتا اور وہ سال کے خرچ میں شمار ہوتا ہے، جیسے مکان تعمیر کرتا ہے، کپڑے بناتا ہے، زیورات خریدتا ہے، اثاث البیت فراہم کرتا ہے، مشین لے آتا ہے، فرنیچر تیار کرتا ہے ـــــ اور وہ سامان بھی خریدتا ہے جس پر خمس واجب ہوتا ہے جیسے کھانے پینے کا سامان ـــــ لیکن جب یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ جن چیزوں پر خمس واجب نہیں ہوتا انھیں اسی سال کی آمدنی سے فراہم کیا ہے کہ سال کے خرچ میں حساب ہو کہ خمس سے مستثنیٰ ہو جائیں یا سال تمام کے بعد فراہم کیا ہے کہ اصل رقم پر خمس واجب ہو چکا ہو اور پھر ان اشیاء کا بھی خمس نکالنا پڑے ـــــ بلکہ اصل آمدنی اور خرچ کا حساب بھی یاد نہیں ہے اور دس پانچ سال کے بعد خمس کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور اب خمس نکالنا چاہتا ہے تو اگر اس کی یادداشت کسی بھی شکل میں ان

تفصیلات کا فیصلہ کرسکتا ہے تو خیر ورنہ اپنی تمام فراہم کی ہوئی چیزوں کی فہرست مع کمپنی قیمت کے حاکم شرع یا اس کے وکیل کے سامنے پیش کردے وہ حالات اور تفصیلات کو دیکھ کر ایک مقدار پر مصالحت کرے گا اور اسے یک مشت یا قسطوں میں ادا کرنے کی ہدایت دے دے گا۔ اس طرح فریضہ بھی ادا ہوجائے گا اور انسان حق امام و سادات کے غاصبین کے ساتھ محشور ہونے سے محفوظ ہوجائے گا۔

واضح رہے کہ قانونی اعتبار سے انسان کا سال آمدنی کے دن سے شروع ہوجاتا ہے اور دوسرے سال جب وہی دن آجاتا ہے تو سال تمام ہوجاتا ہے اور خمس واجب ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی سہولت کی بنا پر اپنا سال کسی خاص تاریخ سے شروع کرنا چاہے تو اس تاریخ تک کی بچت کا حساب کرکے اس کا خمس نکال دے اور آئندہ کے لئے اسی تاریخ کو اصل قرار دیدے۔

دوسرا سال

ایک سال خمس نکال دینے کے بعد جس قدر رقم مخمّس ہوتی ہے اسے سرمایہ محفوظ شمار کیا جاتا ہے اور آئندہ سال اس رقم یا اس مقدار پر دوبارہ خمس واجب نہیں ہوتا ـــــ البتہ اگر یہ بچت دوسرے سال کی آمدنی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی ہے تو اسے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا اور اس کا بھی خمس نکالا جائے گا۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے پندرہ تاریخ کو خمس نکالا اور مخمّس رقم ایک ہزار بچی۔ اس کے بعد کسی ضرورت سے یہ رقم ۲۹۔۳۰ تاریخ تک ختم ہوگئی اور پھر پہلی کو نئی تنخواہ ملی اب اگر اگلے سال کل دو ہزار بچے ہیں تو ایک ہزار منہا نہیں کیا جائے گا بلکہ پورے دو ہزار کا خمس نکالا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر پہلی تاریخ تک دس بیس روپیہ بچ جاتا اور نئی تنخواہ اس ذخیرہ میں شامل ہوجاتی تو سال تمام پر ایک ہزار منہا کرکے صرف ایک ہزار کا خمس نکالا جاتا۔

سرمایہ محفوظ کو منہا کرنے کے لئے اصل رقم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں ہے۔ اتنی مقدار کا ہونا

بھی کافی ہے۔

کارِ خیر

اگر کسی شخص نے نذر کر لی ہے کہ اپنی آمدنی کا ۱/۴ کارِ خیر میں خرچ کرے گا تو اگر سال تمام سے پہلے خرچ کر دیا ہے تو خیر ـــــ ورنہ پہلے خمس نکالے گا اس کے بعد کارِ خیر میں خرچ کرے گا۔ صرف کارِ خیر کے لئے نذر کر لینا یا ڈبہ میں ڈال دینا یا تصور کر لینا کافی نہیں ہے۔ خرچ کر دینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ استثناء کی کوئی صورت نہیں ہے۔

قسط وار ادائیگی

خمس کی رقم کو قاعدہ کے اعتبار سے بچت ہی میں سے ادا ہونا چاہئے۔ اب اگر کسی شخص نے ساری بچت ختم کر دیا اور دوسرے سال کی آمدنی سے ادا کیا تو یہ ادائیگی اس سال کے اخراجات میں شمار نہیں ہوگی اور اس کا خمس بھی ادا کرنا ہوگا یعنی گذشتہ سال کا خمس تقریباً ۴۴ فیصد ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر انسان کے پاس سو روپیہ کی مالیت کا سامان بچا ہے تو اسے بیس روپیہ اسی میں سے ادا کرنا چاہئے ورنہ دوسرے سال کی تنخواہ سے ادا کیا تو سال تمام پر اگر سو روپیہ بچا ہے تو ایک سو بیس کا خمس نکالنا ہوگا کہ وہ بیس بھی اس سال کا خرچ نہیں ہے۔

قرض

کھلی ہوئی بات ہے کہ قرض انسان کی آمدنی میں ایک اضافہ ہے۔ چاہے اس کے بدلے ادائیگی کی ذمہ داری بھی رہے۔ بنا بریں مقروض انسان پر بھی خمس واجب ہوتا ہے۔ البتہ اگر ضروریاتِ زندگی کا سامان قرض پر لیا ہے اور بقدر قرض رقم بچ گئی ہے تو اس پر خمس واجب نہیں ہوگا کہ یہ بچت بچت نہیں ہے بلکہ ضروریاتِ زندگی کا بدل ہے جسے بہر حال مستثنیٰ ہونا چاہئے۔ دوسرے قرضوں کی

نوعیت یہ نہیں ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے بھی خمس واجب ہوتا ہے اور قرضہ خمس نکالنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے ورنہ لمبے لمبے مہر رکھنے والے بیوی کے مقروض بن کر ہمیشہ کے لئے خمس سے آزاد ہو جائیں گے۔

قرض دینے کی نوعیت اس سے قدرے مختلف ہے کہ اس کا حاصل کرنا ممکن ہو اور خمس کے خوف سے وصول نہ کرے تو اس کا خمس بہرحال ادا کرنا ہوگا ـــــ بلکہ اگر فی الحال وصول کرنا ممکن نہیں ہے تو جب بھی وصول ہوگا اس کا خمس نکالا جائے گا اور اس کا شمار نئے سال کی آمدنی میں نہیں ہوگا کہ قرض دینا سال کی ضروریات میں نہیں ہے اور استثناء صرف ضروریات کا ہوتا ہے، ہر خرچ کا نہیں ہوتا۔ ورنہ اسراف کرنے والے یا گذشتہ قرضوں کی ادائیگی کرنے والے بھی معاف کر دیئے جاتے بلکہ ضروریات کا قانون تو اس قدر سخت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال سمندر میں پھینک دے تو اسے بھی سال تمام پر اس مال کا خمس نکالنا ہوگا کہ پھینک دینا مال کے اخراجات میں شمار نہیں ہوتا ہے۔

میراث

اگر وارث کو معلوم ہو جائے کہ مرنے والے نے اپنے اموال کا خمس نہیں نکالا ہے اور اس پر خمس واجب تھا تو اس کا فرض ہے کہ ان اموال کا خمس ادا کرے اور اس کے بغیر ترکہ تقسیم نہ کرے، بلکہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کچھ اموال بلا سبب ضائع کر دیئے ہیں تو ان کا حساب بھی کرنا ہوگا اور اس کا خمس بھی ادا کرنا ہوگا۔

خمس ایک شرعی قرضہ ہے اور قرضہ کی ادائیگی کے بغیر ترکہ تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

اب خمس کا حساب کرتے وقت صرف اس کی موت تک کے اخراجات کا حساب کرنا ہوگا اور مابقی کا خمس نکال دیا جائے گا۔ سال کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور نہ سال کی گنجائش ہے کہ اس کا سال موت کے ساتھ تمام ہو چکا ہے۔

غلط فہمی

اگر انسان نے فائدہ اور بچت کے خیال سے خمس نکال کر مستحق کے حوالہ کر دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ خمس نہیں تھا تو اگر مال مستحق کے پاس باقی ہے تو اس سے واپس لے سکتا ہے یا مال ختم ہو گیا ہے لیکن اسے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا تو بھی واپس لینے کا اختیار ہے ورنہ اب واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

البتہ اگر ابتدائے سال ہی میں یہ خیال کر کے کہ اب مزید کوئی خرچ نہ ہو گا خمس نکال دیا اور بعد میں خرچ نکل آیا اور خمس واجب نہیں رہ گیا تو مستحق سے واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ یہ عجلت صاحبِ مال نے اپنی ذمہ داری پر کی ہے۔ اس میں مستحق کا کوئی دخل نہیں ہے۔

خمس کی نوعیت

خمس اگرچہ اصل مال میں واپس ہوتا ہے اور اس کا پانچواں حصہ نکلنا چاہئے لیکن شریعت نے یہ اختیار دیا ہے کہ انسان قیمت بھی نکال سکتا ہے۔ البتہ خمس نکالنے سے پہلے بچت میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا جب تک حاکم شرع سے اجازت نہ لے لے۔ اس کی اجازت کے بغیر اپنے $\frac{4}{5}$ کو بھی استعمال نہیں کر سکتا اور اگر استعمال کرے گا اور مال ضائع ہو جائے گا تو اس کا معاوضہ ادا کرنا پڑے گا۔

یہی حال تجارت کا بھی ہے کہ سال تمام پر خمس ادا کئے بغیر تجارت جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر معصیت کر کے تجارت کر ہی لے گا تو معاملہ باطل نہ ہو گا۔

بے دین کے ساتھ معاملت

اگر کوئی شخص جہالت یا بے دینی کی بنا پر خمس نہیں نکالتا ہے تو اس کے ساتھ کاروبار میں شرکت کی جا سکتی ہے اور ہر شخص اپنے حصہ کا ذمہ دار ہو گا۔ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا ذمہ دار نہ

ہوگا ـــــ بلکہ اگر ایسے انسان سے ہبہ، ہدیہ وغیرہ کے طور پر مال مل گیا ہے تو اس میں بھی تصرف جائز ہے اور خمس کی ذمہ داری صاحبِ مال پر ہوگی ـــــ یہ بات ظاہری قانون کے خلاف ہے ـــــ لیکن ائمہ معصومینؑ نے اپنے چاہنے والوں کی زندگی کو آسان بنانے کے لئے یہ اجازت دے دی ہے کہ ایسے تمام اموال کو استعمال کر سکتے ہیں وہ اپنا حق خمس ان سے نہیں بلکہ اپنے ظالمین اور غاصبین سے وصول کریں گے بلکہ ظالمین نے کسی مال کو ملکیت بنانے کے بجائے صرف مباح کر دیا ہے تو اس میں بھی تصرف جائز ہے اور گناہ کی ساری ذمہ داری ظالم، غاصب اور بے عمل مسلمان یا مومن پر ہوگی۔

سبق نمبر ۳۰

مستحقینِ خمس

خمس کے بارے میں آیات و روایات کی تاکید سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدائے بے نیاز نے یہ حق اپنے ذاتی ضروریات کے لئے واجب نہیں کیا اور نہ اس کا مقصد نبیؐ اور امام کے خزانوں کی تشکیل دینا ہے۔ یہ کام وہ اپنے خزانۂ غیب سے بھی انجام دے سکتا ہے اور اس نے اپنی غیبی امداد سے انھیں کائنات سے بے نیاز بنایا بھی ہے ـــــ اس کا حق کا مقصد کوئی عظیم ترین کام ہے جسے انجام دینے کے لئے یہ فریضہ امت اسلامیہ پر عائد کیا گیا ہے اور اس کے ذریعہ امت کو اس کام کی اہمیت اور عظمت سے آشنا بنایا گیا ہے۔

شریعت کے قانون سے خمس کے دو حصے کئے جائیں گے۔

ایک حصہ سادات کرام اور اولاد رسولؐ کے ان نادار اور بے سہارا افراد کے لئے ہے جنھیں تاریخ کے ہر دور میں اولادِ رسولؐ ہونے کے جرم میں ہر سہولت سے محروم رکھا گیا ہے اور پامال کرنے کی مکمل کوشش کی گئی ہے۔

اس کا استحقاق ان ساداتِ کرام کے لئے ہے جو نسل جنابِ ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں اور نسبی شرافت کے ساتھ ایمان اور عمل و کردار کے خصوصیات سے بھی آراستہ ہوں۔ بے دین اور بے ایمان افراد کے لئے اس سہم میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

ہاشمیت کے ثبوت کے لئے مکمل شجرہ کی تحقیق لازم نہیں ہے۔ صرف علاقہ میں قابلِ اطمینان حد تک شہرت کافی ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو ورنہ ایسا انسان جو زبردستی اپنے کو

کسی نسل میں داخل کرنا چاہتا ہے وہ صاحبِ ایمان ہونا تو درکنار صاحبِ نسب صحیح بھی نہیں رہنا چاہتا۔

سادات کو حصہ خمس دیتے وقت ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ مالِ خمس ان کی سالانہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ مال نسب و نسل کا ٹیکس نہیں ہے۔ ضرورت کا علاج ہے اور جب انسان پر ہر سال خمس واجب ہوتا ہے تو خدانخواستہ یہ شخص آئندہ سال تک مستحق رہ گیا تو اسے آئندہ سال کے خمس میں سے حصہ دیا جائے گا۔ امسال اسے صرف اس سال کی ضرورت بھر دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ سید یتیم ہو تو فقیر بھی ہو اور مسافر ہو تو اس قدر مجبور ہو کہ وطن تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ نہ ہو ورنہ حق خمس نہیں دیا جا سکتا کہ وہ نسل کا ٹیکس نہیں ہے۔

۳۔ جس سید کو خمس دینا چاہتا ہے وہ اپنے لئے واجب النفقہ نہ ہو کہ انسان اپنے فریضہ میں کوتاہی کر کے دوسرے کے حق سے فریضہ کو ادا کرے یا جس شخص کو اپنی کفالت کے سہارے بے نیاز ہونا چاہئے اسے اپنی کوتاہی اور غفلت سے غریب و فقیر کو مستحق بنا دے۔

سادات میں ایمان، کردار، غربت، پریشانی اور واجب النفقہ نہ ہونے کی شرط اس بات کی صاف علامت ہے کہ اسلام میں حق سادات صرف نسلی برتری کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ اسلام صرف نسل و نسب کی بنا پر ہر معاشی معاملات کو طے کرنا چاہتا ہے۔ حصہ سادات تو صرف اس لئے رکھا گیا ہے اس طرح پیغمبر اسلامؐ کے خدمات کا اعتراف ہو جائے گا اور تاریخ کے مارے ہوئے افراد کی مظلومیت کے اعلان کے ساتھ ان کی کفالت کا خصوصی انتظام ہو جائے گا۔

خمس کا دوسرا نصف حصہ حق امام علیہ السّلام ہے جو درحقیقت خدا، رسولؐ اور امامینؑ کا حق ہے لیکن چوں کہ خدا خود استعمال نہیں کرتا اور رسول اکرمؐ موجود نہیں ہیں لہٰذا آج کے دور میں یہ پورا حصہ حق امام علیہ السّلام کہا جاتا ہے۔

خدا نے اپنا حصہ قرار دے کر اس حقیقت کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ مال ذاتی ضروریات کے

لئے نہیں ہے بلکہ مقصد کے ضروریات کے لئے ہے۔ نبیؐ بھی اس مال کو مقصد ہی کی تبلیغ میں صرف کریں گے اور امام کی نگاہ میں بھی اس کا مصرف یہی ہوگا۔ حد یہ ہے کہ امامؑ منظر عام پر نہ رہ جائے گا تو بھی اس کا نائب اس راہ اور اس مقصد میں مال کو صرف کرتا رہے گا۔

اس بنا پر دورِ حاضر میں اس مال کا بہترین مصرف وہ تمام مذہبی امور ہیں جن کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ مال امام علیہ السّلام کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اسی مصرف میں صرف کرتے اور چونکہ یہ اندازہ لگانا اور یہ اطمینان پیدا کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہر شخص امام علیہ السّلام کے مزاج عمل سے باخبر ہے اس لئے اس مال کو نائب امام مجتہد اعلم کے ہاتھ میں جانا چاہئے تاکہ وہ مرضی امامؑ کے مطابق خود صرف کرے یا اپنے وکیل کے ذریعہ صرف کرائے۔ مجتہد اعلم سے بہتر رضائے امامؑ اور مزاجِ امامؑ سے باخبر کوئی نہیں ہے۔

خمس کے بارے میں چند مسائل قابلِ توجہ ہیں :-

(۱) خمس کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس نقل میں حق کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر اور تساہل نہ ہو۔

(۲) اگر مالِ خمس دوسرے شہر میں ہے تو بھی انسان کوشش کرے کہ جلد از جلد مستحقین تک پہنچا دے اور کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ ادائیگی سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جائے اور روزِ قیامت اس کا جواب دینا پڑے۔

(۳) خمس کو الگ کر کے رکھ دینے سے ذمہ داری ختم نہیں ہوتی بلکہ اسے صاحبِ حق تک پہنچنا چاہئے۔ بنا بریں اگر الگ کرنے کے بعد مال تلف ہو گیا یا اس میں کوئی نقص وارد ہو گیا تو اس کی تلافی کی ذمہ داری صاحبِ مال پر ہوگی ـــــ البتہ اگر فقیر یا حاکم شرع کی وکالت میں قبول کر کے رکھ دیا ہے اور اسے منتقل کر رہا ہے اور درمیان میں ضائع ہو جائے تو کوئی ذمہ داری نہ ہوگی بشرطیکہ نقل و انتقال میں کوتاہی نہ برتی جائے۔

(۴) اگر صاحبِ مال کا کوئی قرض غریب مستحق کے ذمہ ہے اور وہ اسے خمس میں حساب

کرنا چاہتا ہے تو براہ راست اس عمل کو انجام نہیں دے سکتا بلکہ حاکم شرع سے اجازت لینا ہوگی کہ وہ جس طرح امام کا نائب اور وکیل ہے اسی طرح غریب سادات کا ولی اور سرپرست بھی ہے۔ وہ حقِ امام میں بھی تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور حقِ سادات میں بھی۔

(۵) حقِ امام میں بہرحال امام علیہ السّلام کے نائب مجتہد اعلم یا اس کے وکیل کو دینا ہوگا۔ حق سادات کے بارے میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ براہِ راست غریب اور مستحق سادات کے حوالہ کرسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ استحقاق کے جملہ قوانین اور غریب کے جملہ حالات سے باخبر ہو ورنہ نائب امام یا اس کے وکیل کے حوالہ کردے۔ وہ مسائلِ شریعت، حالاتِ امت اور صفاتِ استحقاق سے عام افراد کی بہ نسبت زیادہ باخبر ہوتا ہے۔

اس مقام پر یہ ممکن ہے کہ بعض حضرات کو یہ خیال پیدا ہو کہ اپنے علاقہ کے مستحقین کو حاکم شرع کی بہ نسبت ہم زیادہ جانتے ہیں لہذا ہمیں براہِ راست ان کے حوالہ کرنا چاہئے اور یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے ـــــ لیکن اس سلسلہ میں ایک نازک مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے قریب ترین آدمی کے استحقاق سے تو ضرور باخبر ہیں لیکن دوسرا شخص اس سے زیادہ مستحق نہیں ہے اس حقیقت سے قطعاً بے خبر ہیں اس لئے کہ نہ یہ ہمارا میدان ہے اور نہ ہم اس طرح کے اعداد و شمار فراہم کرتے ہیں۔

حاکمِ شرع یا اس کا وکیل امت کا ذمہ دار ہونے کے رشتے سے اس نکتہ پر نظر رکھتا ہے اور وہ مستحقین کے درمیان ترجیح دینے کے قواعد و اصول بھی جانتا ہے جو بعض اوقات بعض حضرات کو ناگوار بھی گذرتے ہیں لیکن ساری امت کا ذمہ دار کسی ایک علاقہ کے جملہ مطالبات کو پورا نہیں کرسکتا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ ہم ان تمام رجحانات سے بھی باخبر نہیں ہوتے جو کسی کام کے اہم یا غیر اہم ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہمیشہ اہم ترین فرد کو خمس دینا ہی ضروری نہیں ہے اور انسان کسی بھی فرد کے استحقاق کو دیکھ کر خمس دے سکتا ہے لیکن اس انفرادی عمل کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ بعض مستحقین کے پاس ضرورت سے زیادہ سرمایہ جمع ہو جاتا ہے اور بعض بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔

اسلام نے اس کا حل ضرور نکال دیا ہے کہ ایک مستحق کو ایک سال کی ضرورت سے زیادہ نہیں دینا چاہئے لیکن یہ احتیاط صرف دینے والا کر سکتا ہے، لینے والوں میں بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو اس قدر دیانتداری سے کام لیں یا اپنی ضروریات کی کوئی حد معین کر کے کسی مقدار کو ضرورت سے زیادہ قرار دیں۔

دور حاضر میں تو سہم امام پانے والے حضرات اہلِ علم میں ایسی احتیاط کم دکھائی دیتی ہے عام مستحق فقراء و مساکین کا کیا تذکرہ ہے۔ اس کا حل ایک ہی ہے کہ مال کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے اور پھر وہاں سے تقسیم کیا جائے تاکہ اس طرح کے مفاسد اور فسادات کا سدِ باب کیا جا سکے۔

سبق ۳۱

جہاد

جہاد کے معنی بے پناہ جدوجہد اور کوشش کرنے کے ہیں۔ یہ کوشش غلط راہ میں ہوسکتی اور صحیح راہ میں بھی۔ قرآن مجید نے بارہا جہاد فی سبیل اللہ کا تذکرہ کیا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ مسلمان اور مومن کا کام راہِ خدا میں سعی اور کوشش بلیغ کرنا ہے کسی دوسری راہ میں نہیں۔

جہاد مختلف انداز سے ہوسکتا ہے۔ قلم سے بھی ممکن ہے اور زبان سے بھی۔ اسلحہ سے بھی ہوسکتا ہے اور افرادی قوت سے بھی۔

اسلام نے بوقت ضرورت ہر قسم کے جہاد کا مطالبہ کیا ہے ـــــ صاحبانِ قلم سے حق کی راہ میں قلم چلانے کا مطالبہ کیا ہے اور صاحبانِ خطابت سے زبان چلانے کا۔ اسلحہ والوں سے اسلحہ استعمال کرنے کا تقاضا کیا ہے اور افرادی قوت رکھنے والوں سے اس طاقت کے استعمال کا مطالبہ کیا ہے۔

جہاد کی ایک قسم میدان جنگ میں دشمن سے مسلح مقابلہ کرنا ہے جسے اصطلاحی طور پر قتال کہا جاتا ہے ورنہ جہاد مختلف اعتبارات سے ہمہ وقت ممکن ہے بلکہ بقدر طاقت واجب بھی ہے۔

جب تک دنیا میں دشمنانِ حق وحقیقت زندہ ہیں اور شیطان رجیم کا وجود باقی ہے۔ حق پر طرح طرح کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، ادبی، اخلاقی حملے ہوتے رہیں گے اور مسلمان پر جہاد واجب رہے گا۔

جہاد صرف مردوں کا کام نہیں ہے۔ عورت پر بھی بقدر امکان جہاد واجب ہے۔ اگر

مسلح مقابلہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے تو نہ ہو دیگر مجاہدات میں اس کی شرکت بہرحال لازم ہے۔

پھر اس کے علاوہ جہاد کی ایک قسم داخلی جہاد بھی ہے جہاں انسان کو خارجی دشمن سے نہیں اپنے نفس سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جہاد کے لئے میدانِ جنگ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی وقت اور زمانہ معیّن ہے۔ یہ ہر وقت ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ انسان کے داخل میں عقل اور نفس کی جنگ جاری رہے گی اور مسلمان ہمہ وقت میدانِ جہاد میں رہے گا۔

اس جہاد کے اعتبار سے مسجد کے مرکزی مقام کو محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں انسان اور شیطان یا عقل اور نفس کی جنگ برابر جاری رہتی ہے اور نمازی ہر آن شیطان پر غالب آنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر اوقات شکست کھا جاتا ہے اور اخلاص عمل یا توجہ نفس میں فرق آجاتا ہے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

کامیابی کی بھی دو قسمیں ہیں ـــــ کبھی انسان اپنے خیال اور اندازہ میں کامیاب ہوتا ہے اور دشمن اس کامیابی کا اقرار نہیں کرتا اور کبھی دشمن بھی اس کامیابی کا اقرار کر لیتا ہے اور ندائے غیب بھی اس فتح مبین کی تائید کر دیتی ہے جیسا کہ امام زین العابدینؑ کے واقعہ میں ملتا ہے کہ جب سانپ کے انگوٹھا چبانے کے باوجود آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہ کر سکا تو ندائے غیب نے ان الفاظ میں شیطان کے مقابلہ میں آپ کی فتح مبین کا اعلان کیا کہ "انت زین العابدین" (بیشک تم بزم عابدین کی زیب و زینت ہو۔)

جہاد کی اسی داخلی شکل کی تعبیر مختلف انداز سے کی گئی ہے۔ کبھی عورت کے لئے شوہر کی بہترین خدمت کو جہاد کہا گیا ہے کہ اس خدمت کی راہ میں اکثر اوقات اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے اور دوسرے کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرنا پڑتا ہے جو جہادِ نفس کا بہترین انداز ہے ـــــ اور اس جہادِ نفس کے اعتبار سے وضعِ حمل کی زحمتوں کو شہادت اور بدل جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ مرحلہ بھی میدانِ جنگ میں موت و حیات کی کشمکش سے کمتر نہیں ہے

اور اس مرحلہ پر بھی عورت کو اسی منزل کشمکش سے گذرنا ہوتا ہے اور اس طرح مسلح مقابلہ کے لئے مجاہدین فراہم کرتی ہے ورنہ یہ جہاد ختم ہو جائے تو میدانِ جنگ کے لئے مجاہدین کی سپلائی کا راستہ بھی بند ہو جائے۔

مسلح جہاد کی دو قسمیں ہیں ـــــ ابتدائی جہاد اور دفاعی جہاد۔

ابتدائی جہاد اتنا خطرناک کام ہے کہ اسے جارحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کوئی جارح اپنے جارحیت کو جہاد کا نام دینے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ سب اپنے حملے کو دفاع کا نام دیتے ہیں اور اس طرح تلخ حقیقت پر شیریں کیپسول چڑھا دیتے ہیں۔

دنیا کے جس ملک کو دیکھا جائے، بڑے سے بڑا جارح اور حملہ آور و مفسد ملک بھی اپنے ملک میں وزارتِ جنگ قائم نہیں کرتا بلکہ وزارتِ دفاع قائم کرتا ہے اور جب ملکی بجٹ تیار کرتا ہے تو جنگی اخراجات کا نام نہیں لیتا بلکہ دفاعی اخراجات کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی جنگ یعنی جہاد انتہائی خطرناک اور بدنام مرحلہ ہے جس سے گذرنے کے لئے کوئی فرد، جماعت یا ملک تیار نہیں ہے ـــــ لیکن نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے تو ابتدائی جہاد اتنا غلط کام نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس کا استحقاق ہر شخص کو حاصل نہیں ہے اور اس کے لئے کچھ خصوصیات ہیں جن کا فراہم ہونا ضروری ہے۔

ابتدائی جہاد کی یہی خطرناک منزل تھی جس سے بچنے کے لئے مسلمان مورخین نے سارا زور تحقیق اس بات پر صرف کیا ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ کے سارے اقدامات کو دفاعی ثابت کیا جائے اور کسی طرف سے ابتدائی اقدام کا احساس نہ ہونے پائے۔

یہ بات واقعات کے اعتبار سے صحیح ہے کہ سرکارؐ نے حتی الامکان دفاعی راستہ اختیار کیا ہے اور ابتدائی جہاد کے راستہ کو ترک کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ کو یہ حق بھی حاصل تھا اور آپ اس راستہ کو بھی اختیار کر سکتے تھے جس کا اختیار دوسرے افراد یا ممالک کے لئے ناجائز اور حرام ہے ـــــ اور اس کا راز یہ ہے کہ اسلام اس واقعیت پر ایمان رکھتا

ہے کہ یہ کائنات ازخود نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ اسے ایک خالق و مالک اور قادرِ مطلق خدا نے خلق فرمایا ہے اور جو کسی کا خالق و مالک اور وجود دینے والا ہوتا ہے اس کا کم سے کم حق یہ ہوتا ہے کہ اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے اور زندگی کو اس کی ملکیت تصور کرتے ہوئے ہر قدم پر اس کی اطاعت کی جائے اور ضرورت پڑ جائے تو جانِ عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دیا جائے اور اگر کوئی از راہِ نالائقی و بغاوت اس کی اطاعت سے سرکشی کرے یا اس کے وجود ہی سے انکار کر دے تو دینے والے کو مکمل اختیار ہے کہ اپنی نعمت واپس لے لے اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ یہ حق دوسرے کسی پیدا ہونے والے کو حاصل نہیں ہے۔ اس نے نہ وجود دیا ہے اور نہ اسے لینے کا حق ہے۔ وہ تو زندگی کا خاتمہ کرنا بھی چاہے تو اس کے لئے جواز درکار ہے کہ اس کا کوئی احسان نہیں ہے اور سب اپنے اپنے گھر میں اپنے خالق کا احسان لے کر دنیا میں آئے ہیں۔

اسلام اور کفر یا دنیاوی نظاموں میں یہی فرق ہے کہ اسلام کا واضع ایک خالق و مالک ہے اور کسی نظام کا وضع کرنے والا کائنات کا خالق و مالک نہیں ہے اور اسے بنیادی طور پر کسی پر حق اطاعت حاصل ہے اور نہ بغاوت کرنے پر زندگی سلب کرنے کا حق ہے۔

رسولؐ اور امام خدائے مالک و محسن کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا اسے خدا کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب تک انسان خدا کا اعتراف اور اس کی اطاعت کرتا رہے اسے زندہ رہنے دے اور جب انسان مالک کی بغاوت پر اتر آئے تو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اس لئے اسلام نے ابتدائی جہاد کے لئے نبیؐ اور امامؑ کی شرط لگائی ہے اور جہاد کے آغاز کے لئے دعوت الی اللہ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ مکمل طور پر یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ انسان باغی ہے یا نہیں اور اس کو مالک کے وجود کا اقرار ہے یا نہیں۔ اگر مالک کے وجود کا اقرار ہے اور اطاعت میں کوتاہی ہے تو سزا دے، تنبیہ کرے، راہِ راست پر لے آئے اور اطاعت کا پابند بنائے اور اگر اصل وجود کا انکار کر دے تو جس کا خالق نہ رہے اس مخلوق کو رہنے کا کیا حق ہے کہ مخلوق کا وجود خالق کے کرم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ایسی صورتِ حال میں ہمیں سرکارِ دو عالم کے مجاہدات کو دفاعی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کو ابتدائی جہاد کا مکمل حق حاصل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے حالات کے پیشِ نظر اس حق کو استعمال نہیں کیا اور ہمیشہ مدافعانہ کارروائی کرتے رہے اور اس کا واحد راز یہ تھا کہ آپ کے پیشِ نظر یہ نکتہ بھی تھا کہ دنیا کا ہر انسان نہ خالق و مالک کا قائل ہے اور نہ اس کے حق کو پہچانتا ہے خصوصاً کافر و مشرک جس سے جہاد کرنا ہے تو وہ یکسر اس حقیقت سے غافل یا متجاہل ہے۔ اس کے سامنے ایسے حقوق کو استعمال کیا گیا تو وہ الزام تراشی اور جارحیت کے پروپیگنڈہ کا بہترین موقع تلاش کرلے گا اور کوئی غیر جانبدار اس نکتہ پر غور کرنے کی زحمت بھی نہ کرے گا کہ مجھے وہ حقوق بھی حاصل ہیں جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہیں کہ سب قومی اور سیاسی لیڈر ہیں اور میں خدائے قادر و قاہر کا نمائندہ ہوں۔ قومی لیڈروں کو وہی اختیار حاصل ہوتے ہیں جو قوم انھیں دیتی ہے اور خدائی نمائندوں کو وہ سارے اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو خدائے قادر مختار ان کے حوالے کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ سلب اور جبر کا اختیار خدائے قادر و مختار کو حاصل ہے کسی قوم اور ملک کو نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض مسلم مورخین کا یہ خوف کہ سرکارِ دو عالم کے کسی اقدام میں ابتدائی جہاد کی جھلک پیدا ہو گئی تو ظلم کا الزام لگ جائے گا یا ان کا یہ اندازِ تحریر کہ اپنے کو ملزم سمجھ کر ہر غزوہ اور جنگ کی صفائی دی جائے اور اس میں کسی نہ کسی شکل میں مدافعانہ انداز پیدا کیا جائے۔ حقائق سے ایک قسم کی ناواقفیت ہے یا ذہنی احساسِ کمتری ہے کہ دنیا کے نادان اربابِ عقل راضی ہو جائیں اور وہ سرکار کے عمل کو جائز قرار دیدیں۔ حالانکہ ہر مسلمان مورخ اور سیرت نگار کا فرض تھا کہ پہلے اس نکتہ کی وضاحت کرتا کہ سرکارؐ کو خدائی نمائندہ ہونے کے اعتبار سے ابتدائی حملہ کا حق حاصل تھا اور آپ جس وقت بھی یہ حق استعمال کرتے حق بجانب ہوتے لیکن آپ نے مصالح اور حالات کے پیشِ نظر اپنے حق کو استعمال نہیں کیا اور آخر امکان تک صبر کرتے رہے اور صبر سے کام بگڑتا ہوا دکھائی دیا تو میدانِ دفاع میں قدم رکھا۔

سبق ۳۲

جہاد اور دفاع کا فرق

اصطلاحی اعتبار سے ابتدائی حملے کا نام جہاد ہے اور جوابی کارروائی کا نام دفاع ـــــ لیکن حقیقت کے اعتبار سے جہاد بھی حق سے دفاع اور دفاع بھی حق کی راہ میں ایک جہاد کا نام ہے۔

جہاد کرنے والا اس وقت جہاد شروع کرتا ہے جب ظالمین رب العالمین کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے اصولِ حیات کو باطل و بیکار قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کے نظام کو لغو و لاطائل قرار دے کر اس کے مقابلہ میں دوسرے نظام کو قابلِ عمل تصور کر لیتے ہیں اور دفاع کرنے والا بھی ساری جد و جہد اس راہ میں صرف کرتا ہے کہ کسی صورت سے حق کا بول بالا رہے اور اسلام خطرات کا شکار نہ ہونے پائے۔

جہاد کے لئے نبیؐ یا امامؑ کی رہبری ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کے پاس اتنی صلاحیت نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس صحیح وقت کی تعیین کر سکے جب اس طرح کا میجر آپریشن جائز ہو جائے اور انسانی خون بہانا قانون کے حدود کے اندر آجائے اور بغاوت کا پیمانہ اس طرح لبریز ہو جائے کہ اس کا علاج اس آپریشن کے علاوہ کوئی نہ رہ جائے۔

دفاع کے لئے کسی کی رہبری یا موجودگی کی شرط نہیں ہے۔ جب پر وقت پڑے گا اس پر دفاع واجب ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ دفاع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ شخصی دفاع اور مذہبی دفاع۔

شخصی دفاع کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذاتی طور سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے ، چور گھر میں گھس آئے ، ڈاکو گھیر لے ، قاتل حملہ آور ہو جائے اور جان ، مال یا آبرو خطرہ میں پڑ جائے تو ہر شخص کا ذاتی فریضہ ہے کہ ذلت کے راستہ کو ترک کر کے مقابلہ کرے اور حتی الامکان اپنے جان، مال، آبرو کا تحفظ کرے چاہے اس راہ میں ظالم کی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے البتہ اپنی زندگی خطرہ میں پڑ جائے تو دفاع میں حکمت عملی استعمال کرے کہ اسلام مال کی راہ میں جان قربان کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہ فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ جان سے زیادہ عزیز کوئی شے نہیں ہے اور جان ہی باقی نہ رہ گئی تو مال رہ کر کیا کرے گا۔

اس سلسلہ میں چند مسائل قابل ذکر ہیں :۔

۱۔ ہر انسان پر اپنے جان، مال اور آبرو کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے چاہے اس میں حملہ آور کا قتل ہی کیوں نہ ہو جائے۔

۲۔ خطرہ کا تعلق اپنی جان کے علاوہ اولاد متعلقین بلکہ خادم اور خادمہ سے ہو تو بھی دفاع ضروری ہے چاہے حملہ آور کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

۳۔ اگر کوئی شخص زوجہ پر حملہ کرے تو اس کی عفت کا تحفظ بھی ضروری ہے چاہے حملہ آور کے قتل ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔

۴۔ مال پر حملہ بھی واجب الدفاع ہے چاہے جس قیمت پر ہو۔

۵۔ اگر دفاع میں اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو جان اور آبرو کی راہ میں دفاع واجب رہے گا۔ مال پر جان قربان نہیں کی جا سکتی۔

۶۔ دفاع میں یکبارگی حملہ آور کے قتل تک نہیں پہنچ جانا چاہئے بلکہ تدریجی راستے اختیار کرنا چاہئے اور جب کوئی امکان نہ رہ جائے تو قتل کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

۷۔ احتیاط کے باوجود اگر حملہ آور کے قتل کی نوبت آجائے تو کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن بداحتیاطی کی صورت میں اس کی زندگی کے خاتمہ کا ضامن تصور کیا جائے گا۔

۸۔ دفاع کی صورت میں گرفتار کرنے سے جان اور آبرو کا تحفظ ہو سکتا ہے تو قتل کا راستہ نہیں اختیار کرنا چاہئے۔ میدانِ جہاد سے فرار حرام ہے۔ گھر سے فرار حرام نہیں ہے۔

۹۔ دفاع بہر حال واجب ہے چاہے انسان یہ جانتا ہو کہ اس دفاع کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ذلت کے ساتھ سپردگی، خودکشی یا زناکاری کے مترادف ہے۔

۱۰۔ اگر چور ڈاکو حملہ کرنا چاہیں اور انسان کو اطمینان ہو کہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تو دفاعی اقدام صحیح نہیں ہے اور اس صورت میں اقدام کرنے پر اگر چور یا ڈاکو قتل ہو گیا یا اس کے جسم میں نقص پیدا ہو گیا تو حملہ کرنے والا اس نقص کا ذمہ دار ہوگا۔ اسلام چور اور ڈاکو کے مقابلہ میں بھی احتیاط اور دیانتداری کی دعوت دیتا ہے۔

۱۱۔ اگر چور نے حملہ کیا اور انسان نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر جب وہ بھاگنے لگا تو دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا تو ایک ہاتھ کے قصاص کا ذمہ دار ہوگا کہ وہ حملہ کے خاتمہ کے بعد کاٹا گیا ہے۔

۱۲۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ یا اولاد پر تجاوز ہوتے دیکھے تو اسے ہر طرح دفاع کرنے کا حق ہے چاہے بدمعاش کا قتل ہی کیوں نہ واقع ہو جائے بلکہ اجنبی مومن اور مومنہ کی آبرو کی طرف سے بھی دفاع جائز ہے اور اس کے نتائج کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۳۔ اگر کسی شخص نے اجنبی کو زوجہ کے ساتھ جماع کرتے دیکھا اور یہ اندازہ کیا کہ زوجہ بھی اس عمل سے راضی ہے تو وہ دونوں کو قتل کر سکتا ہے اور کسی کے قتل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے چاہے زوجہ دائمی ہو یا ممتوعہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔

۱۴۔ واضح رہے کہ یہ سارے حقوق انسان اور اس کے خدا کے درمیان ہیں کہ دفاع کرنے والے پر شرعاً کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر ظالم نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تو قاضی کو شرعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا اور واقعی مظلوم اگر اپنے مقدمہ کو ثابت نہ کر سکا تو قاضی سزا دینے میں بہر حال حق بجانب ہوگا چاہے سزا برداشت کرنے والا واقعاً مظلوم ہو۔

لہذا دفاع کرتے وقت اس نکتہ کی طرف متوجہ رہنے کی ضرورت ہے۔

۱۵۔ اگر کوئی شخص کسی گھر میں جھانک رہا ہے تو صاحبِ خانہ کو حق ہے کہ اسے تنبیہ کرے بلکہ ایسا اوقات واجب بھی ہے اور اُس کے بعد باز نہ آئے تو اسے سزا بھی دے چاہے اس راہ میں بے دین کا قتل ہی کیوں نہ واقع ہو جائے لیکن دفاع کا تدریجی ہونا ضروری ہے۔ حد سے تجاوز کرنے میں دفاع کرنے والا بھی سزا کا حقدار ہو سکتا ہے مظلومیت گناہوں کا سرٹیفکٹ نہیں ہے۔

۱۶۔ اگر جھانکنے والا عورتوں کا محرم ہے اور حدود شریعت کے اندر نگاہ کر رہا ہے تو صاحبِ خانہ کو مارنے کا حق نہیں ہے اور کوئی پتھر وغیرہ مار کر زخمی کر دیا تو اس کا تاوان بھی دینا ہوگا۔ البتہ اگر حدود شریعت سے تجاوز کر کے عورت کو برہنہ یا مخصوص حالات میں دیکھنا چاہتا ہے تو تدریجاً ہر طرح کی تنبیہ کرنے کا حق ہے۔

۱۷۔ اگر جھانکنے والا نابینا ہے یا اتنی دور سے دیکھ رہا ہے جہاں سے کوئی شخص نظر نہیں آ رہا ہے تو بلا وجہ تنبیہ کرنے یا پتھر وغیرہ مارنے کا حق نہیں ہے۔

۱۸۔ اگر کوئی شخص انتہائی دور سے دیکھ رہا ہے لیکن دوربین کے ذریعہ دیکھ رہا ہے تو اس کا حکم بھی قریب سے دیکھنے جیسا ہے اور صاحبِ خانہ کو ہر طرح تنبیہ کرنے کا حق ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص آئینہ کے ذریعہ عورت کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کا حکم بھی براہِ راست دیکھنے والے کا ہے۔ البتہ احتیاط یہ ہے کہ اسے مارنے کے بجائے خود آئینہ کے سامنے سے ہٹ جائے یا کوئی اور وسیلہ اختیار کرلے۔

۲۰۔ اگر کسی انسان پر کوئی جانور حملہ کر دے تو اسے ہر طرح دفاع کرنے کا حق ہے اور اس کی کوئی ذمہ داری بھی نہ ہوگی۔ البتہ اگر بھاگنے سے جان بچ سکتی ہے تو بھاگ کر اپنا تحفظ کرلے گا اور جانور کو نقصان نہیں پہنچائے گا ورنہ اس کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

سبق ۳۳

مذہبی دفاع

مذہبی دفاع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دفاع میدانِ جنگ میں دشمن کے حملہ کے بعد ہوتا ہے جہاں ہر مرد و عورت پر دفاع واجب ہے اور ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دین و مذہب سے دفاع کرے اور اس پر ہونے والے ہر حملہ کا منھ توڑ جواب دے کہ دین و مذہب سے بالاتر کوئی شے نہیں ہے، نہ زندگی اور نہ سامانِ زندگی۔

دوسرا دفاع میدانِ جنگ کے علاوہ دیگر میدانوں میں ہوتا ہے جہاں دشمن بظاہر مسلح جنگ کا آغاز نہیں کرتا ہے اور نہ کسی طرح کا حملہ کرتا ہے لیکن دھیرے دھیرے حملہ کی تیاری کرتا ہے یا بلادِ اسلامیہ پر سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، تہذیبی حملے کر کے اس کے وجود یا تشخص کو تباہ کر دینا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں بھی مسلمان پر دفاع واجب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان اس وقت تک انتظار کرے جب مسلح حملہ ہو جائے اور دفاع کے امکانات ختم ہو جائیں یا مشکل ہو جائیں۔

اسلام پر ہونے والے کسی بھی حملے یا حملہ کی تیاری کا جواب دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جس طرح کا حملہ ہوگا اسی طرح کا جواب دیا جائے گا اور جس طرح کے جواب کی ضرورت ہوگی اس طرح کے انسان پر جواب واجب ہوگا ـــــ کبھی جواب ہر انسان پر واجب ہوگا، کبھی صرف صاحبانِ صلاحیت و استعداد پر واجب ہوگا۔ کبھی نوک زبان سے جواب دیا جائے گا، کبھی نوکِ قلم سے کام لیا جائے گا اور کبھی جان و مال کی قربانی کے ذریعہ مقدساتِ اسلام کا تحفظ کیا جائے گا۔

مذہب کے خطرات سے آنکھیں بند کر لینا اور اسے ظالمین کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے جو کسی قیمت پر قابلِ معافی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل مسائل قابلِ توجہ ہیں:۔

۱۔ دفاع میں پہلے نزدیکی دشمن سے مقابلہ کیا جائے گا اور پھر دور والے سے لیکن اگر دور والے دشمن سے شدید خطرہ ہے تو اسے مقدم کیا جائے گا۔

۲۔ میدانِ قتال سے فرار جائز نہیں ہے لیکن واپسی اگر قوت میں اضافہ، مناسب وقت کی فراہمی یا کسی جنگی ضرورت کی بنا پر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ میدانِ جنگ میں ہر مناسب حربہ کا استعمال کرنا جائز ہے چاہے وہ قلعے، مکانات اور حصار توڑنے اور راستے روکنے کی ہی شکل میں کیوں نہ ہو۔

۴۔ دورانِ جنگ بلاضرورت دیوانوں، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ جنگ میں شریک ہوں تو حرج کبھی نہیں ہے۔

۵۔ اگر دشمن مبارز طلبی کرے تو مستحب ہے کہ پورے اطمینانِ نفس اور تمام تر قوت وطاقت کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے۔

۶۔ دشمن کے مقابلہ میں کسی طرح کی بھی چال اور تدبیر کرنا جائز ہے لیکن اس کی شکل بنانا یا اس کی طرف سے کسی طرح کا کام کرنا حرام ہے۔

۷۔ جنگ میں شرکت کرنے کے لئے مسلمان کا اجرت طلب کرنا جائز ہے لیکن اگر امام کسی کو کسی امر پر معین کر دیں تو پھر وہ اجرت طلب نہیں کرے گا۔

۸۔ مجاہد کے لئے اپنے کافر ماں باپ کا قتل کرنا مکروہ ہے۔ اور میدانِ جنگ تک میں اخلاقِ اسلامی کی یہ بہترین مثال ہے۔

۹۔ جہاد میں کامیابی کے بعد کفار کے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے انھیں غلام وکنیز بنا لیا جائے گا مگر اس میں بھی قوانینِ اسلامی کی رعایت ہوگی مثلاً اگر کافر عورت اور اس کا چھوٹا بچہ گرفتار ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی جگہ رکھنا چاہئے۔

۱۰۔ جہاد میں کامیابی کے غلبہ کے اثر سے حاصل ہونے والی ہر شئی مالِ غنیمت ہے اور امام کے حکم سے اسے مجاہدوں پر تقسیم کیا جائے گا اور جنگ کے بغیر حاصل ہونے والا مال صرف امام سے مخصوص ہے۔

۱۱۔ مالِ غنیمت کی وہ اشیاء جو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہیں مثلاً سور اور شراب وغیرہ انھیں ضائع کر دیا جائے گا اور جائز اشیاء کو خمس نکالنے کے بعد استعمال کیا جائے گا۔

۱۲۔ مالِ غنیمت کی غیر منقولہ اشیاء جیسے زمین اور باغات وغیرہ کو خمس نکالنے کے بعد تمام مسلمان استعمال کریں گے اور وہ صرف مجاہدوں سے مخصوص نہ ہوں گی۔ اگر جنگ مصالحت پر تمام ہوتی ہے

۱۳۔ اگر جنگ مصالحت پر تمام ہوتی ہے تو آراضی وغیرہ پر صلح نامہ کے شرائط کے تحت عمل کیا جائے گا۔

۱۴۔ اگر دشمنانِ اسلام مسلحانہ حملہ نہ کر کے کسی دوسرے انداز سے اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے تب بھی تمام مسلمانوں پر حسبِ حیثیت دفاع ضروری ہے۔

۱۵۔ حملہ قلم، حملہ زبان (میڈیا) اور سیاسی حملوں کے جواب کی زیادہ ذمہ داری اس میدان کے ماہرین کی ہے کہ وہ دشمنی کا اسی انداز سے مقابلہ کریں۔

۱۶۔ دشمنِ اسلام اگر کتابوں یا تقاریر کے ذریعہ اسلام کو کمزور یا نابود کرنا چاہتا ہے تو اہلِ قلم و خطباء کا خاموش رہنا صحیح نہیں ہے بلکہ انھیں جواب میں کتابیں لکھنا یا تقاریر کرنا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ان کے دلائل کا بطلان کر کے قاری کو سچائی سے آگاہ کیا جائے۔

۱۷۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ قلم یا زبان کے ذریعہ دشمنِ اسلام کی مدد کرے یا کوئی ایسی غیر صحیح بات لکھے یا کہے جو دشمن کی تقویت کا باعث ہو۔ اور اپنے قلم یا زبان سے مقدساتِ اسلامی کی توہین کرنا حرام ہے اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور واجب القتل بھی ہو سکتا ہے۔

سبق ۳۴

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایک ایسا عملِ خیر ہے جس کے حسن و خیر کا ادراک صرف صاحبانِ دین و دیانت نہیں بے دین اور لامذہب افراد کو بھی حاصل ہے۔ مختلف نظاموں کی ترویج اور مختلف جماعتوں کی کنوینسنگ کی بنیاد اسی ایک عقلی ادراک پر قائم ہے کہ جو انسان جس چیز کو بہتر سمجھتا ہے اس کی دعوت دوسروں کو بھی دیتا ہے اور جس چیز کی برائی اور شرّیت کا احساس کرتا ہے اس سے دوسروں کو بھی روکتا ہے۔ حالات، سیاست اور مصالح کے تحت اس قانون پر عمل نہ ہو تو اور بات ہے لیکن ادراک و احساس کے اعتبار سے تمام صاحبانِ عقل و فہم اس منزل میں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں کہ سب کی نظر میں نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایک عملِ خیر اور ایک تقاضائے انسانیت و شرافت ہے۔

دین اسلام نے اس ادراکِ عقل کی تائید کرتے ہوئے اس عمل کو واجبات و فرائض کے صف میں کھڑا کر دیا ہے اور مسلمانوں کے لئے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو نیکیوں کی ہدایت دے اور برائیوں سے روکے کہ سماج کی اصلاح کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مختلف فوائد ہیں۔

۱۔ اس طرح نیکیاں پھیل جاتی ہیں اور برائیوں کا سدِ باب ہو جاتا ہے جو ایک شریف اور صالح معاشرہ کی پہچان ہے۔

۲۔ اس کاروبار سے نیک انسانوں کو حوصلہ ملتا ہے اور برے انسانوں کو اپنی برائیوں کا

احساس پیدا ہوتا ہے جو نیکیوں کے رواج اور برائیوں کے انسداد کا بہترین ذریعہ ہے۔

۳۔ یہ عمل انسان کی اجتماعیت اور اس کی شرافتِ نفس کی علامت ہے کہ وہ اکیلے اکیلے ثواب اکٹھا کرنے، جنّت میں جانے اور جہنّم سے بچ جانے کے بارے میں نہیں سوچتا بلکہ اپنے برادرانِ ایمان کو بھی اپنے ثواب میں شریک دیکھنا چاہتا ہے۔

۴۔ اس عمل سے انسان اولیاء اللہ کی صفوں میں شامل ہو جاتا ہے کہ ان کی زندگیوں کا حاصل یہی عملِ خیر تھا ورنہ وہ اس دنیا میں نہ اپنی عاقبت بنانے آئے تھے اور نہ ان کی تمام تر جدّتیں اپنی نجات کی خاطر تھیں۔ ان کا کل منشا یہی تھا کہ سماج کے بھٹکے ہوئے انسان راہِ راست پر آجائیں اور جاہلوں کو سیدھا راستہ معلوم ہو جائے۔

۵۔ امر و نہی کا فقدان ہی معاشرہ میں شمر و یزید جیسے کردار پیدا کرتا ہے کہ جب انسان کے پاس برائیوں کے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں اور ٹوکنے والے خاموش ہو جاتے ہیں یا ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں تو برائیوں کو بڑھاوا ملتا ہے اور ضمیر فروش منع کرنے کے بجائے واہ واہ کرنے لگتے ہیں اور برائی آخری منزل میں یزید اور شمر کا روپ دھار لیتی ہے۔ خاصانِ خدا نے اسی لئے جان کی بازی لگا دی کہ سماج کو آزاد نہ چھوڑا جائے اور برائیوں کو پنپنے کا مزید موقع نہ دیا جائے۔

رسول اکرمؐ کی زندگی میں علی الاعلان برائیوں کا ختم ہو جانا اور منافقین کا بظاہر مقدّس و متقی بن جانا اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کرامت تھی کہ آپ نے بے عمل اور بدعمل افراد کو آزادی سے کام کرنے کا موقع نہ ملنے دیا اور ایسے تمام راستوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

آپ کی حیات کے خاتمہ سے پہلے معاویہ اور ابوسفیان کا کلمہ پڑھ لینا اور آپ کے بعد یزید و ابن زیاد کا پیدا ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ سماج پر امر و نہی کی حکومت رہتی ہے تو بدترین انسانوں کو بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور سماج سے امر و نہی کا سلسلہ رک جاتا ہے تو قاریانِ قرآن کو حکومت پاتے ہی قرآن بند کر دینا پڑتا ہے کہ اب حکومت ہاتھ آگئی ہے اب قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔

امر و نہی کے اسی فقدان کا مرثیہ علامہ اقبال نے ان لفظوں میں پڑھا تھا ؎

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت　　حریت را زہر اندر کام ریخت

اسلامی نصوص میں امر و نہی کی بیحد تاکید کی گئی ہے اور اس کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے فقدان کے خطرناک نتائج سے بھی باخبر کیا گیا ہے۔

ارشاد جناب احدیت ہوتا ہے۔ "تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے فائدے کے لئے منظرِ عام پر لایا گیا ہے اور تمہارا کام یہ ہے کہ تم نیکیوں کی ہدایت کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے "تم میں ایک ایسے گروہ کو ہونا چاہئے جو نیکیوں کی دعوت دے، اچھائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے کہ اسی میں فلاح اور کامیابی ہے۔"

امام رضاؑ نے سرکار دوعالم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جب امت امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر میں کوتاہی اور ٹال مٹول شروع کر دے تو اسے عذابِ الٰہی کے لئے تیار ہونا چاہئے۔"

دوسرے مقام پر سرکار نے فرمایا کہ خدا کمزور اور بیدین مومن کو دشمن رکھتا ہے۔ عرض کی گئی۔ سرکار! یہ کمزور اور بیدین مومن کون ہے؟ فرمایا جو دوسروں کو برائیوں سے نہیں روکتا ہے۔

(واضح رہے کہ سرکار دوعالمؐ نے امر و نہی سے غفلت برتنے والے کو واضح لفظوں میں مومن بھی کہا ہے اور بیدین بھی۔ لہٰذا مومن کے لئے بیدین کی تعبیر کوئی غلط تعبیر نہیں ہے اگر وہ اپنے فریضۂ امر و نہی پر عمل نہیں کرتا ہے۔)

پھر ارشاد ہوتا ہے جب تک میری امت نیکیوں کا امر، برائیوں سے نہی اور خیر پر تعاون کرتی رہے گی بخیریت رہے گی اور جب یہ کام ترک ہو جائے گا تو برکتیں سلب ہو جائیں گی اور ایک دوسرے پر مسلط ہو جائے گا۔ پھر زمین و آسمان میں اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے والوں کی ہلاکت کا راز یہ تھا کہ وہ برائیاں کرتے تھے اور ان کے علماء و مقدسین انھیں برائیوں سے روکتے نہیں تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ معصیت میں اضافہ ہوگیا اور عذابِ الٰہی نازل ہوگیا لہٰذا اب تم نیکیوں کی ہدایت کرو اور برائیوں سے روکو کہ اس سے نہ موت قریب آجاتی ہے اور نہ روزی بند ہوجاتی ہے۔

(مولائے کائنات کے اس ارشادِ گرامی سے ان صاحبانِ علم اور خطباء کی تنبیہ ہوتی ہے جو امر و نہی کے رشتے کو موت کے خوف سے چھوڑے ہوئے ہیں یا انھیں یہ خطرہ ہے کہ اس طرح قوم کی طرف سے ملنے والی روزی بند ہوجائے گی۔ رزق خدا کے ہاتھ میں ہے بندوں کے ہاتھ میں نہیں ہے اور جو انسان خدا کی رزاقیت پر ایمان نہ رکھے اسے منبرِ رسولؐ پر قدم رکھنے کا حق نہیں ہے۔)

امام محمد باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ آخر زمانے میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جس میں ریاکاروں کا اتباع کیا جائے گا۔ جو احمق تلاوتِ قرآن اور عبادت کریں گے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کریں گے جب تک انھیں ہر طرف سے تحفظ حاصل نہ ہوجائے۔ یہ لوگ اپنی کوتاہی کے لئے عذر اور بہانے تلاش کریں گے ـــــ ان کا حال یہ ہے کہ ان کو نماز میں بھی کوئی نقصان نظر آجائے گا تو اسے بھی ترک کر دیں گے کہ انھوں نے اتنے اہم فریضہ کو ترک کر دیا ہے جس سے معاشرہ میں نماز اور روزہ قائم ہے۔ ایسے لوگوں پر غضب الٰہی نازل ہوگا اور اشرار کے ساتھ ابرار اور کبار کے ساتھ صغار بھی اس کی زد میں آجائیں گے۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے شیعوں کو تحریر فرمایا کہ تم میں سے بزرگ اور عقلمند افراد کا فرض ہے کہ کم سن اور جاہل افراد پر رحم کریں اور طالبانِ ریاست کو صحیح ہدایت دیں ورنہ ایسا نہ کریں گے اور کمزوروں کی طرف سے غافل ہوکر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے تو سب کے سب میری لعنت کے حقدار ہوجائیں گے ـــــ (تحریر الوسیلہ)

(دشمنانِ امام پر لعنت کرنے والے اپنے کردار کا جائزہ لیں کہ امر و نہی سے گریز انسان کو اس منزل پر پہنچا دیتا ہے جہاں ہماری لعنت نہیں انسان خود امام کی لعنت کا حقدار ہوجاتا ہے۔)

سبق ۳۵

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نوعیت

امر و نہی کی نوعیت کا دارومدار عمل کی نوعیت پر ہے۔ اگر عمل عقلاً یا شرعاً واجب یا حرام ہے تو امر و نہی واجب ہوگا اور اگر مستحب یا مکروہ ہے تو امر و نہی کی حیثیت بھی ایسی ہی ہوگی کہ مستحب کا امر مستحب ہوگا اور مکروہ سے نہی واجب نہ ہوگی۔

امر و نہی کا شمار اگرچہ واجبات میں ہے لیکن یہ واجب عینی نہیں ہے یعنی ہر شخص پر اس طرح واجب نہیں ہے کہ آخر وقت تک واجب رہے بلکہ مقصد کے حصول کے بعد اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

اس حقیقت کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام میں واجبات کی دو قسمیں ہیں۔ واجب عینی اور واجب کفائی۔ واجب عینی وہ واجب ہے جو ہر شخص پر واجب ہوتا ہے اور سب کے بجالانے سے بھی کسی ایک فرد سے ساقط نہیں ہوتا جیسے نماز یومیہ کہ ۹۹ فیصدی افراد ادا کرلیں تو آخری فرد کو بہرحال ادا کرنا ہوگا۔

واجب کفائی کا وجوب ایسا نہیں ہے۔ وہ واجب تو سب پر ہوتا ہے لیکن بقدر کفایت وضرورت افراد کے انجام دے دینے کے بعد باقی افراد سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کہ بقدر ضرورت افراد نے غسل و کفن دے کر دفن کر دیا تو دوسرے افراد کا فرض نہیں ہے کہ میت کو قبر سے نکال کر دوبارہ غسل و کفن دیں اور دفن کریں ـــــ یہ اور بات ہے کہ جب میت بے غسل و کفن رہ گئی تو جتنے افراد کو موت کا علم ہو گیا تھا اور جن کے امکان میں غسل و کفن تھا سب

مجرم قرار پائیں گے۔

امر و نہی کی نوعیت یہی ہے کہ اس کا مقصد نیکیوں کا رائج ہو جانا اور برائیوں کا رک جانا ہے۔ اب اگر بقدر ضرورت افراد نے یہ کام کر دیا اور مقصد حاصل ہو گیا تو باقی افراد پر واجب نہ رہ جائے گا۔ لیکن ٹال مٹول جائز نہیں ہے کہ ہر شخص دوسرے کا منھ دیکھتا رہے اور اپنے کو خطرات سے محفوظ رکھے اور اس طرح سماج تباہی اور بربادی کے دہانے تک پہنچ جائے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل نکات قابلِ توجہ ہیں :-

۱۔ اگر کسی واجب کے ادا ہونے یا حرام کے سدِ باب کے لئے ایک جماعت درکار ہے تو چند افراد کے قیام سے باقی لوگ معاف نہیں ہوں گے اور انھیں بھی حصہ لینا پڑے گا۔ البتہ اگر باقی لوگوں نے ساتھ نہ دیا تو عمل کرنے والوں کو عمل کا اجر مل جائے گا اور کاہلوں کو عذابِ الٰہی کا سزاوار قرار دیا جائے گا۔

۲۔ اگر کسی کو اطمینان ہو گیا کہ بقدر ضرورت افراد کام کر رہے ہیں تو اس کا وجوب ختم ہو جائے گا لیکن اگر بعد میں انکشاف ہو گیا کہ کار نامکمل رہ گیا ہے تو اسے بہر حال قیام کرنا پڑے گا ورنہ اس کے بغیر عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

۳۔ فقط حسنِ ظن کہ دوسرے افراد کام مکمل کر دیں گے کافی نہیں ہے اس کا یقین یا اطمینان یا شہادت ضروری ہے۔ اس کے بغیر قیام واجب تھا اور واجب رہے گا۔

۴۔ اگر فریضہ کا قیام یا حرام کی روک تھام خود بھی کسی حرام پر موقوف ہو جس طرح کہ ڈوبتی ہوئی نامحرم عورت کو بچانے کے لئے اس کے جسم کو ہاتھ لگانا پڑتا ہے تو اہم اور غیر اہم کا لحاظ کرنا پڑے گا اور جو صورت زیادہ اہم ہو گی اسے اختیار کیا جائے گا۔

۵۔ فقط نیکیوں کے فضائل اور برائیوں کی برائی کے نکتے بیان کر دینا کافی نہیں ہے۔ اسلام میں امر و نہی واجب ہے اور بیان کو ایسا ہونا چاہئے جس سے معلوم ہو کہ مقصد نیکیوں کا قیام اور برائیوں کی روک تھام ہے۔ اپنا کاروبار سیدھا کرنا مقصد نہیں ہے۔

۶۔ فقط امر ونہی خداوندی کا تذکرہ بھی کافی نہیں ہے کہ شریعت نے بیان امر واجب نہیں کیا ہے۔ امر واجب کیا ہے کہ بیان کرنے والے کو براہِ راست اپنی طرف سے امر ونہی کرنا چاہئے اور اس کا استناد خدا و رسولؐ کی طرف ہونا چاہئے تاکہ اعتبار قائم ہو سکے۔

۷۔ امر ونہی ان واجبات میں ہیں جن میں چھوٹے بڑے کا بھی امتیاز نہیں ہے۔ بدعمل بزرگ ہے اور مبلغ چھوٹا ہے تو اسے بھی امر اور نہی کا لہجہ اختیار کرنا چاہئے کہ اسلام میں بزرگی سن و سال سے نہیں ہے، ایمان اور عملِ صالح سے ہے۔

۸۔ امر ونہی میں قربۃً الی اللہ کی شرط بھی نہیں ہے۔ مقصد کو حاصل ہو جانا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ مقصد قربت کرے گا تو ثواب بھی ملے گا۔

۹۔ نہی عن المنکر میں حرام کے گناہ کبیرہ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ گناہ اگر صغیرہ ہے تو اس سے بھی روکنا واجب ہے۔ اگر کسی شخص کی نگاہ میں ڈاڑھی منڈانا گناہِ عظیم نہیں ہے تو بھی اس کا فرض ہے کہ گناہ میں مبتلا افراد کو اس برائی کی طرف متوجہ کرے کہ حقیقتاً دوستی، اخلاص اور محبت یہی ہے۔ یہاں سے مروت سے کام لے کر وہاں عذاب میں مبتلا کرا دینا محبت نہیں ہے دشمنی ہے۔

۱۰۔ اگر کسی شخص نے حرام کے مقدمات شروع کئے، شراب خانہ کا رخ کیا، طوائف کے گھر کا ارادہ کیا، ناچ گانے کی محفل کا پروگرام بنایا، جوا کھیلنے کے لئے پارٹی جمع کرنا شروع کی غیبت یا اہانتِ مومن کے لئے اجتماع شروع کیا اور انسان کو معلوم ہے کہ ان مقدمات کا نتیجہ حرام کی شکل میں ظاہر ہوگا تو اس کا فرض ہے کہ حرام کے واقع ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ مقدمات ہی کی منزل پر روک دے اور برائی کو منظرِ عام پر نہ آنے دے۔ (تحریر الوسیلہ)

ان تفصیلات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا فریضہ ہے جس کی راہ میں کسی عیاری، مکاری، ریاکاری، بہانہ بازی، عذر تراشی اور فن کاری کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کوئی فن نہیں ہے جس کے لئے فنکار تلاش کئے جائیں۔ یہ ایک فرض ہے جس کے

لئے اسلام و ایمان ہی کافی ہے ۔ یہ ظاہری تہذیب و اخلاق کا سماجی مسئلہ کبھی نہیں ہے کہ اس راہ میں "چھوٹا منہ بڑی بات" جیسے محاورات کو سدراہ بنایا جائے ۔ یہ فریضہ شرعی ہے جس پر عمل کرنا ہر دیندار کا فرض ہے ۔ سطحی تہذیب و اخلاق باقی رہے یا اس کا قصر مسمار ہو جائے ۔ شریعت کی تعمیر کو پائیدار ہونا چاہئے ـــــ سماج کی تعمیر کے مسمار ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے ۔

سبق ۳۶

شرائط امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگرچہ اہم ترین فرائض ہیں لیکن اسلام میں کوئی فریضہ بے بنیاد نہیں ہوتا اور ہر فریضہ کے لئے کچھ شرائط ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ فرض اہمیت اور افادیت پیدا کرتا ہے اور اس کے بغیر اپنی عظمت و افادیت کو کھو بیٹھتا ہے۔

امر و نہی کے لئے چار باتوں کا ہونا ضروری ہے :۔

شرطِ اوّل

انسان کو یہ معلوم ہو کہ یہ کام شریعت میں واجب یا حرام ہے ورنہ علم کے بغیر تبلیغ کا کام شروع کر دے گا تو واجب کو حرام اور حرام کو واجب بھی بنا سکتا ہے اور اس طرح سماج ایک نئے خطرہ سے دوچار ہو جائے گا جو انفرادی بدعملی سے بدتر ہوگا۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل نکات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :۔

۱۔ حکمِ شریعت کا علم یقین کے ذریعہ ہو یا مجتہد کے فتویٰ کے ذریعہ کسی دلیل شرعی سے ہونا چاہئے ورنہ صرف سماجی رواج یا آبائی قانون کی بنا پر علم پیدا ہوا ہے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

۲۔ اگر تقلید میں اختلاف ہو جائے اور عمل کرنے والے کے مقلد کی نگاہ میں وہ عمل جائز ہو تو صرف اپنی نگاہ میں حرام ہونے کی بنا پر تبلیغ نہیں کی جا سکتی۔ ہاں عمل متفق علیہ طور پر حرام ہے تو مزید تحقیق کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ عمل کرنے والا کس کا مقلد ہے۔

۳۔ اگر عمل صریحاً حرام نہیں ہے۔ احتیاط واجب کے خلاف ہے تو بھی منع کرنا ضروری ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس نے دوسرے کی طرف رجوع کر لیا ہے۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط اور اس کے مقامات کا جاننا ضروری ہے اس کے بغیر یہ کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ اگر امر و نہی سے شریعت کی بدنامی کا اندیشہ ہے اور یہ خطرہ ہے کہ جاہل اسے شریعت کی بد اخلاقی قرار دیں گے تو حتی الامکان احتیاط سے کام لے اور حالات پر مکمل نگاہ رکھے۔

شرطِ دوم۔ احتمالِ تاثیر

امر و نہی کرنے والے کی نظر میں کم سے کم یہ احتمال ہو کہ اس کی ہدایت کا اثر ہوگا ورنہ اگر یقین ہو گیا ہے کہ اس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوگا تو اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ البتہ اس سلسلہ میں وسوسۂ شیطانی اور توہم پرستی کا انتظار نہ ہو کہ آج کل کے زمانے میں کوئی سننے والا نہیں ہے۔ تاثیر نہ ہونے کا گمان غالب ہو تو بھی تبلیغ واجب ہے۔ صرف قطعی یقین کی صورت میں وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

اس ذیل میں حسب ذیل مسائل قابلِ توجہ ہیں :۔

۱۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ صرف انکار اور بیزاری سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک اس میں موعظہ اور التماس کا عنصر شامل نہ کیا جائے تو اسے بھی شامل کرنا ضروری ہے تاکہ اصل مدعا حاصل کیا جا سکے۔

۲۔ اگر کوئی دو واجب ترک کئے ہوئے ہے یا دو حرام اختیار کئے ہوئے ہے اور یہ معلوم ہے کہ دونوں کے بارے میں ہدایت کرے اور دوسرے کے بارے میں موقع کا انتظار کرے۔

۳۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ امر و نہی کا اثر خود اس شخص پر نہ ہوگا لیکن دوسروں پر ہو جائے گا اور وہ برائی سے محفوظ ہو جائیں گے تو بھی امر و نہی واجب ہے۔ مخاطب ایک کو بنائے گا اور اثر دوسرے پر ظاہر ہوگا۔

۴۔ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ تبلیغ کا فی الفور اثر نہ ہوگا لیکن مستقبل میں اثر ہوسکتا ہے تو بھی تبلیغ ضروری ہے تاکہ دھیرے دھیرے تاثیر کی زمین ہموار ہو اور ایک دن یہی ہدایت کام آجائے۔

۵۔ اگر یہ خطرہ ہو کہ ہدایت سے مزید بغاوت پیدا ہوگی اور ہرگز راہ راست پر نہ آئے گا تو ہدایت نہ کرے اور موقع کا انتظار کرے۔

۶۔ اگر بے عمل کا مزاج ایسا ہے کہ برائی سے روکنے سے اصرار پیدا ہوگا اور برائی کا حکم دینے سے ترک کردے گا تو حکم دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس سے کوئی اور خرابی نہ پیدا ہو ورنہ اسکو اس کے حال پر چھوڑ دے۔

۷۔ اگر یہ اندازہ ہے کہ تبلیغ و ہدایت سے برائیوں کا خاتمہ تو نہ ہوگا البتہ ان میں کمی واقع ہوجائے گی تو بھی تبلیغ ضروری ہے تاکہ سماج کو کچھ تو اصلاح نصیب ہوجائے۔

۸۔ اگر تاثیر کے احتمال کے ساتھ برعکس احتمال بھی پیدا ہوجائے تو امر و نہی واجب نہیں ہے۔

۹۔ اگر یہ اندازہ ہے کہ منع کرنے سے حرام تھوڑی دیر کے لئے رک جائے گا اور یہ امکان بھی ہے کہ بعد میں موقع ہی نہ ملے اور مستقل رک جائے تو بھی ہدایت ضروری ہے کہ اس طرح برائیوں کے روک تھام کا ایک راستہ نکل سکتا ہے۔

۱۰۔ اگر دو آدمیوں کو یقین ہوجائے کہ دونوں کا بیان اثر انداز نہ ہوگا لیکن دو میں سے ایک کا کلام اثر انداز ہوسکتا ہے تو دونوں پر ہدایت واجب ہے البتہ اگر یہ طے ہوجائے کہ کس کا کلام اثر کرے گا اور کس کا کلام اثر نہ کرے گا تو صاحب اثر پر ہدایت واجب ہے اور دوسرے پر واجب نہیں۔

شرط سوم۔ اصرار بہ معصیت

گناہ کرنے والا اپنے گناہ پر مصر ہو اور مسلسل گناہ کرتا رہے تو ہدایت واجب ہے ورنہ وہ خود ہی گناہ کو ترک کردے تو صرف برائے نام تبلیغ واجب نہیں ہے۔ اب اگر اس بات کی علامتیں ظاہر ہوجائیں کہ وہ گناہ کو ترک کر رہا ہے یا ترک کر دیا ہے تو وجوب کا کوئی سوال نہیں ہے۔

اس ذیل میں بھی چند نکات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :۔

۱۔ اصرار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مسلسل مدتوں گناہ کرتا رہے بلکہ ایک گناہ کے بعد دوبارہ گناہ کو بھی اصرار ہی کہا جاتا ہے جس طرح ایک دن ڈاڑھی مونڈنے والا دوسری صبح شیونگ کا سامان لے کر بیٹھے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنے گناہ پر اصرار کر رہا ہے۔ اس کے لئے دو چار چھ ماہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ اسلامی واجبات میں ایک توبہ بھی ہے کہ انسان گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گناہ کیا اور ایک واجب کو ترک کیا اور یہ خود بھی گناہوں پر ایک طرح کا اصرار ہے لہٰذا توبہ نہ کرنے پر بھی تبلیغ ضروری ہے کہ انسان توبہ کرے اور گناہ کو ترک کرے کہ توبہ کرنے کا مطلب ہی گناہ کو ترک کر دینا ہے۔

۳۔ ہدایت کے واجب نہ ہونے کے لئے توبہ کا اظہار ضروری نہیں ہے۔ صرف یہ معلوم ہو جائے کہ انسان شرمندہ ہو گیا ہے اور آئندہ ایسا گناہ نہ کرے گا تو تبلیغ و ہدایت کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

۴۔ اگر انسان گناہ کرنے سے عاجز ہے لیکن اس کا قصد ہے کہ جب امکانات پیدا ہو جائیں گے گناہ کرے گا تو اگر یہ اندازہ ہے کہ امکانات پیدا ہو سکتے ہیں تو ہدایت ضروری ہے ورنہ اسے حسرتِ گناہ میں مرنے دے اس کی سزا روزِ قیامت ملے گی۔

۵۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جماعت میں کوئی ایک شخص حرام کار ہے اور بالیقین معلوم نہ ہو تو ہدایت کا لہجہ بھی عام ہونا چاہئے کہ تم میں سے جو بھی شرابخوار یا جواری ہے وہ اپنا یہ عمل چھوڑ دے ورنہ اس کی خیریت نہیں ہے۔

شرطِ چہارم ۔ عدم فساد

امر و نہی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے مزید کوئی فساد نہ پیدا ہو ـــــ ورنہ اگر جان،

مال یا آبرو کا خطرہ ہے تو اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ انسان ایسے خطرات کو مول لے کر تبلیغ کرے اور ایک اصلاح سے ایک فساد پیدا ہو جائے۔

اس نکتہ کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ امر و نہی سے اپنی یا اپنے متعلقین کی جان، آبرو یا غیر معمولی مال کا نقصان ہے تو یہ ہدایت واجب نہیں ہے۔

۲۔ اگر خطرہ فی الحال نہیں ہے لیکن مستقبل میں یقینی ہے تو بھی ہدایت واجب نہیں ہے۔

۳۔ اگر ہدایت کرنے میں شدید زحمت اور پریشانی کا اندیشہ ہے تو بھی ہدایت واجب نہیں ہے۔

۴۔ اگر اپنی یا کسی مومن کی جان کا خطرہ ہے تو تبلیغ حرام ہے بلکہ اگر غیر معمولی مال کا نقصان ہے تو بھی تبلیغ کو ترک کر دینا چاہئے۔ البتہ اگر قابلِ برداشت مالی نقصان ہے تو اسے برداشت کرے اور دینِ خدا کی راہ میں اس قدر قربانی سے گریز نہ کرے۔

۵۔ اگر تبلیغ و ہدایت کے لئے مال صرف کرنے کی ضرورت ہے تو مال صرف کرنا واجب نہیں ہے لیکن بہترین کارِ خیر ہے بشرطیکہ خرچ قابلِ تحمل ہو۔

۶۔ امر و نہی کے لئے خود پابند ہونا شرط نہیں ہے۔ امر و نہی بہرحال واجب ہے چاہے انسان خود عمل نہ کرتا ہو کہ اگر امر و نہی نہ کرے گا تو عمل نہ کرنے کا بھی گناہگار ہوگا اور ہدایت نہ کرنے کا بھی گناہگار ہوگا اور چوں کہ عمل کے بغیر قول کا اثر نہیں ہوتا ہے لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پہلے باعمل بنے اور اس کے بعد ہدایت کرے لیکن باعمل نہ بھی بنے گا تو ہدایت کا وجوب بہرحال برقرار رہے گا۔

۷۔ نابالغ پر امر و نہی واجب نہیں ہے چاہے بلوغ کے قریب ہی کیوں نہ پہنچ جائے جس طرح کہ نابالغ کو نابالغ کو امر و نہی کرنا بھی بیکار ہے کہ اس کے حق میں واجبات و محرمات ثابت نہیں ہیں۔ البتہ اگر وہ کوئی ایسا عمل انجام دے رہا ہے جو بہرحال مزاجِ شرع کے خلاف ہے جیسے کسی ولی خدا کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اسے منع کرنا بہرحال واجب ہے چاہے کتنا ہی نابالغ کیوں نہ ہو۔

۸۔ اگر بظاہر گناہ کرنے والا مجبور اور شرعاً معذور ہے تو اسے ہدایت دینا واجب نہیں ہے بلکہ جائز بھی نہیں ہے۔

۹۔ اگر یہ احتمال ہے کہ بظاہر گناہ کرنے والا شرعاً معذور ہو تو بھی ہدایت واجب نہیں ہے اگرچہ حرام بھی نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر کوئی شخص بر بنائے جہالت گناہ کر رہا ہے تو اگر جہالت کا تعلق موضوعات سے ہے کہ اسے یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ مشروب شراب سے ہے تو بتانا واجب نہیں ہے لیکن اگر جہالت کا تعلق حکم شرعی سے ہے کہ اسے واقعی حکم کا علم نہیں ہے تو اگر اجتہاد یا تقلید کی غلطی سے تو اس کی اصلاح بھی واجب نہیں ہے لیکن اگر خالص جہالت ہے کہ اپنے ہی مجتہد کا مسئلہ نہیں جانتا ہے تو بتانا ضروری ہے اور برائی سے روکنا لازم ہے کہ یہ مسلمان کا فرض اوّلین ہے۔

سبق ۳۷

علماء کرام کے فرائض

امر و نہی کے سلسلہ میں یہ نکتہ انتہائی توجہ کے قابل ہے کہ اب تک کے مباحث و اسباق کا تعلق انفرادی اعمال سے تھا جہاں ایک شخص واجب کو ترک کئے ہوئے ہے یا حرام کا ارتکاب کر رہا ہے ورنہ دوست افراد شریعت کے احکام پر عامل ہیں اور اصل شریعت بہر حال محفوظ ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اصل شریعت خطرہ میں پڑ جائے اور ایسے حالات پیدا ہو جائیں جہاں ایک دو افراد کی بدعملی کا سوال نہ ہو اصل حکم شریعت کو خطرہ لاحق ہو گیا ہو ــــ تو ایسی صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنوان اقامۂ شریعت اور ازالہ بدعت سے تبدیل ہو جائے گا اور اور اس مرحلہ پر وہ شرائط نہ رہیں گے جن کی طرف گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

انفرادی امر و نہی میں تو ہلکا خطرہ بھی وجوب کو برطرف کر سکتا تھا لیکن احیاء شریعت کے مرحلہ میں بڑے سے بڑا خطرہ بھی وجوب کو ساقط نہیں کر سکتا اور انسان کی ذمہ داری ہو گی کہ ہر طرح کی قربانی دے کر شریعت کو فنا ہونے سے بچائے اور بدعتوں کا سدِ باب کرے۔

تقیہ کے وجوب و عدم وجوب کی سرحدیں بھی اس مقام سے الگ ہوتی ہیں کہ جب تک انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے شریعت اجازت دیتی ہے بلکہ حکم دیتی ہے کہ واجب کو ترک کر کے یا حرام پر عمل کر کے اپنی جان بچائیے۔ آپ کی جان عزیز ہے۔ ہمارا دین تو دوسرے افراد کے عمل میں بہر حال محفوظ ہے لیکن اگر اصل دین پر وقت آجائے اور اصل شریعت خطرہ میں پڑ جائے تو ہرگز اس بات کی اجازت نہ دی جائے گی کہ آپ اپنی جان کا تحفظ کریں اور شریعت کو برباد ہونے دیں۔

آپ کی جان، آپ کی نماز، آپ کے روزے، آپ کے کلمہ اور آپ کے اعمال کے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہے۔ آپ کی جان ہمارے قانون، ہمارے دین، ہمارے اسلام اور ہماری شریعت کے مقابلہ میں زیادہ عزیز نہیں ہے۔ شریعت خطرہ میں پڑ جائے تو اپنی جان قربان کیجیے اور ہماری شریعت کا تحفظ کیجیے۔

امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کے قیام کا بنیادی فرق یہی تھا کہ جب تک ظالم دین و مذہب کا نام لے رہا تھا اور اپنے کو دین کا ذمہ دار ظاہر کر رہا تھا۔ امام حسنؑ صلح کر رہے تھے اور امام حسینؑ اس صلح کی پابندی کر رہے تھے لیکن جب نوبت اسلام کے بقاء و اساس تک پہنچ گئی اور اسے بنی ہاشم کا کھیل کہا جانے لگا۔ وحی و خبر سماوی کا انکار ہونے لگا۔ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کی آرزو ہونے لگی ــــــ مسند خلافت سے اسلام کی بربادی کی مہم شروع ہو گئی تو امام حسینؑ کا فرض ہو گیا ہر طرح کے خطرہ کا مقابلہ کرکے اور ہر طرح کی قربانی دے کر دین اسلام کو بچائیں اور شریعت اسلامیہ کو تباہ نہ ہونے دیں۔

علماء، انبیاء کے وارث اور ائمہ کے نائب عام ہوتے ہیں۔ ان کی ذمہ داریاں عوام سے زیادہ ہیں لہٰذا ان کا فرض ہے کہ ایسے حالات پر نگاہ رکھیں اور ایسے مواقع پر ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

ان مواقع اور ان قربانیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱ـــ اگر معروف و منکر ایسے امور میں سے ہے جن کا تحفظ شریعت کی نگاہ میں بے حد اہمیت رکھتا ہے جیسے امتِ اسلامیہ کے وقار کا تحفظ یا آثارِ اسلام کی بربادی کا خطرہ یا خانہ کعبہ کا انہدام یا قرآنِ حکیم کی تحریف و ترمیم یا مقدساتِ مذہب کی تباہی و بربادی وغیرہ ــــــ تو ایسے مواقع پر مطلق ضرر کو واجب سے گریز کا بہانہ نہیں بنایا جا سکتا بلکہ حالات و مواقع کے پیشِ نظر طرح کی قربانی دے کر مقدسات اسلام کا تحفظ کیا جائے گا اور یہاں تکلیف و مشقت ہی نہیں جان کی قربانی بھی دی جائے گی اور اپنی ہی جان نہیں دوسرے مسلمانوں کی جان عزیز بھی قربان کی جائیگی

کہ اسلام کا مسئلہ ہر مسلمان کی جانِ عزیز سے زیادہ قیمتی ہے۔

۲۔ اگر اسلام میں کوئی ایسی بدعت ایجاد ہو جائے جس پر علماء اعلام کا سکوت اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کے عقائد کی تباہی کا باعث بن جائے تو یہ سکوت بہر حال حرام ہے اور آواز کا بلند کرنا ضروری ہے چاہے اس کا کوئی اثر ہو یا نہ ہو۔ یہاں بھی ضرر اور حرج کا اظہار نہیں کیا جائیگا۔ البتہ یہ طے کرنا علماء کرام ہی کا کام ہے۔ عوام کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ بدعت اور سنّت کا صحیح فرق طے کر سکیں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ اس بدعت کے مضمرات کیا ہیں اور اس کے اثرات اسلام پر کس قدر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اسلام کو کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۳۔ اگر علماء اعلام کے سکوت سے یہ خوف پیدا ہو جائے کہ نیکی بدی قرار پا جائے گی اور برائی کو نیکی کا درجہ مل جائے گا تو یہ سکوت جائز نہیں ہے اور ان کا فرض ہے کہ اپنی آواز بلند کریں چاہے اس کے نتائج کچھ ہی ہوں اور چاہے اس آواز کا کوئی اثر ظاہر ہو یا نہ ہو ـــــ کم سے کم تاریخ میں یہ انکار تو درج ہو جائے تاکہ آئندہ آنے والوں کو حق و باطل کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

۴۔ اگر علماء اعلام کے سکوت سے ظالمین کی تائید اور اس کی اعانت ہوتی ہو تو ان کا فرض ہے کہ اپنے سکوت کی نوعیت کا اعلان کریں تاکہ ظالم اس سے فائدہ نہ اٹھانے پائے اور عوام کسی فریب میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔

۵۔ اگر علماء اعلام کے سکوت سے ظالم حکام کی جرأتوں میں اضافہ ہو جائے اور وہ ترکِ واجبات یا ارتکابِ محرمات میں آزاد ہو جائیں تو علماء کا فرض ہو جاتا ہے کہ ظالموں کی اس روش کے خلاف آواز اٹھائیں تاکہ عوام ان کے اتباع میں گمراہ نہ ہوں اور مذہب کمزور نہ ہونے پائے۔

۶۔ اگر علماء اعلام کے سکوت سے بدگمانی پیدا ہو رہی ہو کہ یہ ظالمین کے ہاتھ بک گئے ہیں اور ان کے الوان و انصار میں شامل ہو گئے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اس غلط فہمی کا ازالہ کریں اور عوام کے اعتماد کو زائل نہ ہونے دیں۔ علماء کے وقار کا تحفظ بھی علماء کی عظیم ترین ذمہ داری ہے۔

۷۔ اگر علماء کا حکومت میں شرکت کرنا یا حکام ظالمین کی طرف سے کسی عہدہ کا قبول کرنا واجبات

کے رواج یا محرمات کی روک تھام کا ذریعہ بن سکتا ہو اور اس میں اسلام کی توہین، علماء اعلام کی بے حرمتی کا اندیشہ نہ ہو تو ان کا فرض ہے کہ حکومتی منصب کو قبول کریں تاکہ اس راہ سے مظالم کی روک تھام کر سکیں اور واجباتِ شریعت کو رواج دے سکیں۔

۸۔ جن دینی اداروں پر حکامِ ظالمین نے قبضہ کر لیا ہے اور اپنی نگرانی میں انھیں چلا کر اپنی دیانتداری کا ڈھونگ رچانا چاہتے ہیں اور عوام کو دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ان اداروں سے وابستگی پیدا کرنا شرعاً حرام ہے اور ایسے اداروں کی کسی طرح کی امداد لینا بھی جائز نہیں ہے کہ اس سے اسلام کی کمزوری اور ظالمین کی طاقت و قوت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

۹۔ جو مدرسے ظالم حکومتوں کے اشارہ پر چل رہے ہیں یا جن مساجد پر ظالمین کا قبضہ ہے اور انھوں نے فرضی علماء کو ان کا ذمہ دار بنا دیا ہے اور اس ذریعہ سے اپنی اسلام دوستی کا پروپیگنڈا کرنا چاہتے ہیں ان مدرسوں یا مسجدوں میں داخلہ لینا یا پیشنمازی کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے کہ اس طرح ظالمین کو تقویت ملتی ہے اور اسلام کے اقدار کمزور ہوتے ہیں۔ صرف کام کی ظاہری خوبی کافی نہیں ہے۔ کام کی واقعی حیثیت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس نکتہ پر بہرحال نگاہ رکھنا ہوگی کہ اس کام کے دوررس اثرات کیا ہوں گے اور ظالمین کو اس سے کیا کیا فائدے ہو سکتے ہیں۔

۱۰۔ حکومت کی طرف سے ایسے تمام مناصب و مقامات کو قبول کرنے والے اور ظالمین کی براہِ راست یا بالواسطہ امداد کرنے والے فاسق ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے۔ انھیں طلاق کا گواہ اور عدالت کا قاضی بھی نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ سہم امام یا سہم سادات دینا بھی حرام ہے کہ یہ شرعاً دینی ذمہ داری کے اہل نہیں ہیں۔

اس سلسلہ میں تراشے جانے والے عذر اور بہانے عوام کی نظر میں جاذب اور پرکشش ہو سکتے ہیں، شریعت کی نگاہ میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی واقعی حیثیت کو پہچانے، اس کا تحفظ کرے اور اپنے عمل سے پیدا ہونے والے اثرات اور نتائج کا اندازہ کرے اور جب تک تمام جہات کا صحیح اندازہ نہ کرے، ایسے کاموں میں ہاتھ نہ لگائے۔ شریعت کے معاملات بہت نازک

ہیں۔ انھیں تاویلات وتوجیہات کی نذر نہیں کیا جاسکتا۔

عوام کا بھی فرض ہے کہ علماء اعلام کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت حقائق پر مکمل نگاہ رکھیں اور صرف جذبات میں فیصلہ نہ کریں ورنہ روزِ قیامت توہین عالم کا مواخذہ بہت شدید ہے۔ عالم کا فرض ہے کہ اپنے علم کا لحاظ رکھے اور عوام کی ذمہ داری ہے کہ علماء اعلام کے احترام کو برقرار رکھیں۔ اسلام انھیں دونوں ستونوں پر قائم رہ سکتا ہے۔ اس کے بغیر عمارت کے منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

سبق ۳۸

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراتب و درجات

امر و نہی کا مسئلہ بندگانِ خدا سے تعلق رکھنے کی بنا پر انتہائی اہمیت اور نزاکت کا حامل ہے۔ اس میں ایک طرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ نیکیاں رائج ہو جائیں، برائیوں کا سدِ باب ہو جائے اور دوسری طرف یہ بھی دھیان رکھنا ہوتا ہے کہ مومن کی توہین نہ ہونے پائے۔ اس کا دل نہ دکھنے پائے۔ اس کے حق میں کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے کہ حق اللہ ادا کرنے میں حق العباد کی ذمہ داری گلے پڑ جائے۔

اس بنا پر دینِ اسلام نے اس کے درجات قرار دیئے ہیں اور ہر درجہ کے مختلف درجات قرار دیئے ہیں اور یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ ادنیٰ درجہ کے ممکن ہوتے ہوئے دوسرے درجہ کی طرف تعدی نہ کی جائے ورنہ ادائے واجب کے ساتھ ارتکابِ حرام کا بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمومی درجات چار ہیں :-

۱۔ خاموش بیزاری کا اظہار

اس مرحلہ میں زبان سے کام نہیں لیا جاتا ہے، صرف خاموشی سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن اس کے بھی درجات ہیں۔ کبھی آنکھوں سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ کبھی منہ پھیر لیا جاتا ہے۔ کبھی حرکات و سکنات سے بیزاری کا اعلان کیا جاتا ہے۔ کبھی ترکِ تکلم کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے اور کبھی کچھ اور

طریقے ہوتے ہیں اور یہ سب مستقل درجات ہیں جن میں مختلف افراد کے حق میں مختلف درجات کارآمد ثابت ہوتے ہیں لہذا امر ونہی کرنے والے کا فرض ہے کہ تمام درجات اور تمام افراد پر مکمل نگاہ رکھے اور ابتدائی درجہ کے ممکن ہوتے ہوئے دوسرے درجہ کا ہرگز ارتکاب نہ کرے ورنہ خود بھی مجرم ہو جائے گا۔

اس مرحلہ پر چند نکات قابل توجہ ہیں :۔

۱۔ برائیوں سے قلبی بیزاری بہرحال واجب ہے چاہے اس کا کسی شکل میں اظہار ہو یا نہ ہو۔ ورنہ اگر کسی کے دل میں کبھی بیزاری نہیں ہے تو اس کا ایمان ہی خطرہ میں ہے۔

۲۔ اگر علماء دین کے سلاطین احکام سے کنارہ کش رہنے میں ہدایت کا کوئی امکان ہے تو کنارہ کشی واجب ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے کہ ہدایت کا امکان معاشرت اور تعلقات میں ہے تو تعلقات اور اعراض کے اثرات ونتائج پر غور کرنا ہوگا اور جس راستہ کا نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہوگا اس راستہ کو اختیار کیا جائے گا۔

۳۔ اگر ظالمین کے ہدیہ اور تحفہ کو رد کر دینے میں اصلاح یا ظلم کی تخفیف کا امکان ہے تو رد کر دینا ضروری ہے لیکن اگر قبول کر لینے میں اصلاح کا امکان ہے تو قبول کرنے اور نہ کرنے کے اثرات کا جائزہ لے کر ترجیح کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ اگر ظالمین کا تحفہ قبول کرنے میں ان کی شوکت وعظمت کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے تو تحفہ قبول کرنا حرام ہے اور اعراض ضروری ہے۔

۵۔ ان معاملات کا تعلق صرف حکام سے نہیں ہے۔ عام برادری میں بھی انسان کو یہ لحاظ رکھنا پڑے گا کہ برائیوں کے سدباب کا کیا طریقہ مناسب ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی عالم دین سمجھتا ہے کہ کسی مومن کے یہاں کھانا نہ کھانے سے وہ خمس کا پابند ہو جائے گا یا اس سے قطع تعلق کر لینے میں وہ ناچ گانا اور جوا شراب ترک کر دے گا ـــــ یا اس سے صاحب سلامت ترک کر دینے میں وہ راہ راست پر آجائے گا تو ان تمام امور کا اختیار کرنا ضروری ہے اور معاشرہ

میں نیکیوں کو رواج دینے اور برائیوں کے سدِباب کی مہم میں حصہ لینا لازم ہے۔

مسلمان دوسرے مسلمانوں کے اعمال یا اسلام کے احکام کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا اور اس کا فرض ہے کہ ہر آن اسلام کے احکام کی برتری اور شریعت کی زندگی کے بارے میں فکر کرتا رہے اور اپنے ہر طرزِ عمل کو اسی معیار پر پرکھے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان عورت بے پردہ مجمع میں آجائے تو سارے مسلمان احترام کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ یہ قطعاً نہی عن المنکر کے خلاف اور فعل حرام ہے۔ مسلمان کا احترام اپنے مقام پر ہے لیکن بدعمل کا احترام کرکے شریعت کی پامالی کسی قیمت پر قابلِ برداشت نہیں ہے۔

۲۔ زبان سے انکار

اس انکار کے بھی درجات ہیں کہ اگر صرف وعظ و نصیحت سے کام چل جائے تو سخت لہجہ کا اختیار کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ کلام نرم و نازک بے اثر ہے تو سختی سے کام لیا جائے گا۔

اس کے بعد اگر گالم گلوچ کی ضرورت پڑ جائے تو کام کی اہمیت پر غور کرنا پڑے گا۔ ہر مسئلہ میں اس راستہ کو اختیار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خود بھی حرام ہے۔ البتہ اگر کام شریعت کی نگاہ میں اس قدر اہم ہے کہ اس کے مقابلہ میں یہ حرام بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے تو یہ اقدام بھی جائز ہے جس طرح کوئی شخص کسی مومن کو قتل کرنا چاہتا ہو یا بدکاری پر آمادہ ہو اور اتنے سخت لہجہ کے بغیر ترکِ گناہ کا امکان نہ ہو تو ایسا ہی لہجہ اختیار کیا جائے گا تاکہ گناہ کا سدِباب کیا جا سکے اور سماج کی عزت و آبرو اور جان و مال کا تحفظ کیا جا سکے۔

✪ اگر یہ طے ہو جائے کہ برائی کا روکنا ظالمین سے تعلقات کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس میں کوئی دوسرا فساد نہیں ہے تو تعلقات جائز مگر بعض اوقات حرام ہیں کہ کبھی کبھی برائیوں کو روکنے کے لئے پولیس کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس میں بعض اقدامات غیر صحیح بھی ہو جاتے ہیں۔

- اگر ابتدائی درجات سے مدعا حاصل ہوجائے تو بعد کے درجات کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے کہ حق العباد کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔
- اگر ایک شخص ابتدائی درجات سے روک سکتا ہے اور دوسرے کی شخصیت کا اتنا اثر نہیں ہے تو دونوں پر اپنی حیثیت کے اعتبار سے امر و نہی کے درجات واجب ہیں۔ ایک پر ابتدائی درجہ واجب ہے اور دوسرے پر دوسرا۔
- اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ایک شخص پر ابتدائی درجہ اثر کرے گا اور دوسرے پر دوسرا تو ہر ایک کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرے اور ہر ایک کی اصلاح کے لئے فکرمند رہے۔

۳۔ عمل سے انکار

- اگر انسان یہ دیکھ لے کہ زبان سے اثر نہیں ہو رہا ہے تو عملی طاقت استعمال کرے۔ اب اگر گناہ کی راہ میں حائل ہوسکتا ہے تو حائل ہوجائے تاکہ گناہ واقع نہ ہونے پائے اور اگر اس اقدام کے لئے ہاتھ وغیرہ پکڑنا پڑے تو ہاتھ پکڑلے اور آگے نہ بڑھنے دے۔
- اگر امر و نہی کے لئے دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا پڑے اور اس کے گھر میں داخل ہونا پڑے اور کام انتہائی اہم ہے تو یہ اقدام بھی کرے لیکن ہر کام کے لئے ایسا بڑا اقدام نہیں ہوسکتا۔
- اگر شرابی یا قاتل کو روکنے میں اس کا جام شراب یا خنجر ٹوٹ جائے تو مبلغ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ اگر الگ سے توڑ دیا ہے تو اس کی قیمت دینا پڑے گی کہ اسلام نے برائی روکنے کا حکم دیا ہے پیالہ توڑنے کا نہیں۔
- اگر برائی سے روکنے کے لئے آدمی کو گرفتار کرنا پڑے تو وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس سے کم پر کام نہ چل سکتا ہو۔
- اگر سختی کے بغیر کام نہ چل سکتا ہو تو سختی کرنا بھی جائز ہے لیکن وہاں بھی احتیاط کا لحاظ رکھنا

پڑے گا۔

- اگر مار پیٹ کے بغیر اصلاح نہ ہوسکتی ہو تو وہ بھی جائز ہے البتہ بہتر ہے کہ اس سلسلہ میں حاکم شرع سے اجازت لے لے۔
- اگر مار پیٹ سے بڑھ کر زخمی کرنے یا قتل کرنے کی نوبت آجائے تو بغیر امامؑ یا نائب امامؑ کی اجازت کے اقدام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ حق صرف انھیں حضرات کو حاصل ہے۔ البتہ اگر عمل ایسا ہو جسے صاحب شریعت کسی قیمت برداشت نہ کرتا ہو تو اس راہ میں ہر اقدام جائز ہے جس طرح کہ کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کرنا چاہتا ہو تو مومن کا بچانا بہرحال واجب ہے چاہے اس راہ میں قاتل کو زخمی یا قتل ہی کرنا پڑے۔ سماج میں قتل وخون کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور نہ قاتلوں کو آزاد چھوڑا جاسکتا ہے۔
- زخمی کرنے سے کام چل سکتا ہو تو قتل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اگر ایسی صورت میں قتل کر دیا تو اس کا ذمہ دار بھی ہوگا اور قصاص دینا پڑے گا۔
- امر ونہی کرنے والے کو ایک مہربان طبیب کا رول ادا کرنا چاہئے اور نہایت نرمی سے راہِ راست پر لانا چاہئے تاکہ امت میں رحم وکرم کے جذبات بھی عام ہوں اور قصد قربت الٰہی بھی برقرار رہے ورنہ اگر ہوائے نفس اور جذبۂ انتقام وغیرہ شامل ہوگیا تو سارا عمل برباد ہوکر رہ جائے گا!

سبق ۳۹

سرکاری عہدے

معروف و منکر اور نیک و بد کے ذیل میں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ انسان کے لئے کن عہدوں کا اختیار کرنا جائز ہے اور کن کا شمار محرمات اور منکرات میں ہوتا ہے۔

علماء اعلام نے ان حقائق کو درج ذیل دفعات میں بیان کیا ہے:۔

۱۔ دنیا کے تمام سیاسی امور حدود کا جاری کرنا، قضایا کا فیصلہ کرنا، مالیات اور ٹیکس وغیرہ کا وصول کرنا اسلامی اعتبار سے امام المسلمینؑ اور اس کے مقرر کردہ نائب کے علاوہ کسی کا حق نہیں ہے۔ زمانۂ غیبت امامؑ میں یہ اختیار ولی فقیہ، مجتہد جامع الشرائط کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کا فرض ہے کہ تا حدِ امکان ان امور پر عمل کریں۔ حالات مجبور کر دیں اور ظالم عمل نہ کرنے دیں تو دوسری بات ہے ورنہ ان کا اختیار برقرار رہتا ہے۔

۲۔ امتِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ سیاسی معاملات میں فقہاءِ جامع الشرائط کا ساتھ دیں اور ان کے لئے شرعی نظامِ حکومت قائم کرنے کے لئے زمین ہموار کریں۔

۳۔ ظالم حکام کی طرف سے قضاوت یا اجرا حدود کا منصب سنبھالنا حرام ہے اور اس منصب کے تحت جو بھی فیصلہ کرے گا اس کا ذمہ دار ہوگا اور گنہگار بھی ہوگا۔

۴۔ ظالم قضاوت وغیرہ پر مجبور کرے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن کسی کو زخمی کرنا یا قتل کرنا بہرحال صحیح نہیں ہے کہ قتل و خون میں بہرحال تقیہ نہیں ہوتا۔

۵۔ ظالم کی طرف سے سیاسی یا قضائی عہدہ سنبھال لیا ہے تو فیصلہ قانونِ شریعت کے مطابق

کرنا ہوگا۔ ظالمین کے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا بہرحال حرام ہے۔

۶۔ اگر فقیہ یہ دیکھ رہا ہے کہ حدود شرعیہ اور قوانین اسلام کا اجراء ظالمین کے عہدہ کے بغیر نہیں ہوسکتا تو عہدہ کا قبول کرنا جائز بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہے بشرطیکہ اس کا کوئی اور مفسدہ اس سے بدتر نہ ہو۔

۷۔ جو شخص مکمل طور پر مجتہد نہیں ہے۔ اسے ان امور میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ اگر مجتہد مطلق ممکن نہیں ہے تو متجزی کو بھی ان مسائل میں دخل دینے کا اختیار ہے خصوصیت کے ساتھ ان مسائل میں جن میں اس نے باقاعدہ اجتہاد کیا ہے۔

۸۔ مومنین کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اپنے مقدمات کا فیصلہ ظالمین کی عدالتوں سے کرائیں بلکہ ان کا فرض ہے کہ فقیہ جامع الشرائط کے پاس جاکر اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرائیں اور اسی پر عمل کریں۔ البتہ اگر مجبور ہوجائیں تو دوسری بات ہے ورنہ اختیاری حالت میں اگر ظالمین سے فیصلہ کرایا تو فیصلہ بھی غلط ہوگا اور اس فیصلہ کی بنا پر جو حق لیا جائے گا وہ بھی غیر صحیح اور باطل ہوگا۔

۹۔ اگر کوئی شخص اپنے فریق کو حاکم شرع کے پاس فیصلہ کی دعوت دے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے جس طرح کہ فریق مخالف کی رضامندی کے باوجود دوسری عدالتوں میں مقدمہ لے جانا خلاف شرع ہے۔ ظالم عدالتوں کی طرف رجوع کرنا مجبوری کے علاوہ ہر حالت میں ناجائز ہے۔

۱۰۔ اگر کسی مدعی نے حاکم شرع کے یہاں مقدمہ دائر کیا اور حاکم شرع نے مدعیٰ علیہ کو مخاطب کیا تو اس کا عدالت میں حاضر ہونا واجب ہے اور اس کے حکم کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح حکام کا فرض ہے کہ حتی الامکان مقدمات کو قبول کریں اور رجوع کرنے والوں کو واپس نہ کریں کہ اس طرح ظالمین کی طرف رجوع کرنے کا جواز پیدا ہوجائے گا اور اسلامی عدالتوں کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

ان مسائل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے معروف ومنکر صرف انفرادی اور عبادی اعمال کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے دائرہ میں قضاوت، سیاست اور دیگر مسائل دنیا بھی شامل ہوجاتے ہیں اور مسلمان کا فرض ہے کہ ہر مسئلہ حیات میں معروف کی ترویج کرے اور منکرات کی مخالفت کرے۔ ظاہر ہے کہ سیاسی امور میں نہی عن المنکر عبادی اور انفرادی معاملات سے زیادہ سخت تر ہے کہ اس میں اہلِ اقتدار کا اقتدار خطرہ میں پڑجاتا ہے لیکن اسکے باوجود حتی الامکان عملدرآمد ضروری ہے کہ اسلامی قوانین کو کسی دور میں معطل نہیں کیا جاسکتا۔

سبق نمبر ۴۰

گناہانِ کبیرہ

منکرات کے ذیل میں دو طرح کے گناہ آتے ہیں ـــــ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ۔

گناہ کبیرہ ان گناہوں کا نام ہے جن کی خصوصیت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے اور ان پر جہنم کے عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے یا جن گناہوں پر جہنم سے ڈرایا گیا ہے اور ان سے شدید تر اور سخت تر کہا گیا ہے۔

گناہ صغیرہ: مذکورہ گناہوں کے علاوہ تمام گناہ ہیں جن میں حکمِ خالق کی مخالفت پائی جاتی ہے اور حکم خالق کی مخالفت سے بڑا گناہ کیا ہوگا۔

صغیرہ وکبیرہ کی تقسیم گناہوں کے باہمی درجات اور فرق کے اعتبار سے ہے ورنہ معصیت خداوندی اور غضبِ الٰہی کے اعتبار سے ہر گناہ کبیرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور عدالت کو ختم کر دینے کے لئے کافی ہے۔

گناہانِ کبیرہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ اجمالاً چند ایک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:۔

۱۔ خدا کا شریک قرار دینا۔

۲۔ رحمت خدا سے مایوس ہونا۔

۳۔ عذابِ الٰہی کی طرف سے بے پرواہ ہو جانا۔

۴۔ ماں باپ کے ساتھ نامناسب برتاؤ کرنا۔

۵۔ نفسِ محترم کو قتل کرنا۔

۶۔ باعفت انسان کو زنا کی تہمت دینا۔
۷۔ ناجائز طریقہ سے یتیم کے مال کو کھالینا۔
۸۔ میدانِ جنگ سے فرار کر جانا۔
۹۔ سود کھانا۔
۱۰۔ زنا کرنا۔
۱۱۔ اغلام بازی کرنا۔
۱۲۔ جادو کرنا۔
۱۳۔ جھوٹی قسم کھانا۔
۱۴۔ زکوٰۃ واجب ادا نہ کرنا۔
۱۵۔ جھوٹی گواہی دینا۔
۱۶۔ گواہی کو چھپا دینا اور حق بات کی گواہی نہ دینا۔
۱۷۔ شراب پینا۔
۱۸۔ قصداً نماز یا کسی بھی فریضۂ الٰہی کو ترک کر دینا۔
۱۹۔ عہدِ الٰہی کو توڑ دینا۔
۲۰۔ قرابتداروں سے رسمی تعلقات بھی قطع کر لینا۔
۲۱۔ ایسے مقام پر جا کر قیام کرنا جہاں دین خطرہ میں پڑ جائے۔
۲۲۔ چوری کرنا۔
۲۳۔ احکام الٰہیہ کا انکار کرنا۔
۲۴۔ خدا و رسول و ائمہ کے خلاف جھوٹ بولنا۔
۲۵۔ مردار کھانا۔
۲۶۔ خون پینا۔

۲۷۔سور کا گوشت کھانا یا بغیر ذبح شرعی گوشت استعمال کرنا۔

۲۸۔جوا کھیلنا۔

۲۹۔حرام مال کھانا۔مثلاً مردار کی قیمت، شراب وغیرہ کی قیمت یا زناکاری کی اجرت وغیرہ۔

۳۰۔فیصلہ پر رشوت لینا چاہے فیصلہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

۳۱۔کہانت کی اجرت لینا۔

۳۲۔ظالموں کی طرف سے تحفے قبول کرنا۔

۳۳۔گانے والی عورت کی اجرت۔

۳۴۔شطرنج کی قیمت۔

۳۵۔ناپ تول میں کمی کرنا۔

۳۶۔ظالمین کی امداد کرنا اور ان کی طرف مائل ہونا یا ان کا عہدہ قبول کرنا۔

۳۷۔بلاسبب حقوق کو روک لینا۔

۳۸۔غرور وتکبر۔

۳۹۔فضول خرچی اور اسراف کرنا

۴۰۔حج کو معمولی قرار دینا اور ہلکا سمجھ لینا۔

۴۱۔اولیاء اللہ سے جنگ کرنا۔

۴۲۔لہو ولعب، ناچ گانے میں مصروف ہونا۔

۴۳۔ستار بجانا یا اہل فسوق وفجور کے کسی بھی طریقہ کو اپنانا۔

۴۴۔گناہانِ صغیرہ پر اصرار کرنا۔

۴۵۔غیبت کرنا یعنی مومن کے پسِ پشت اس کے کسی ایسے مخفی عیب کا بیان کرنا جس کے اظہار سے اسے تکلیف ہو اور ناپسند ہو چاہے توہین کا قصد ہو یا نہ ہو۔عیب کبھی بدن میں ہو یا نسب، اخلاق، افعال، اقوال، دین، دنیا وغیرہ میں۔

اظہار بھی الفاظ کے ذریعہ ہو یا حکایت و اشارہ کے ذریعہ ـــــ البتہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایک شخص کو معین کر کے بیان کیا جائے ورنہ اگر اجمالاً بیان کیا جائے کہ اس محلہ یا شہر میں ایک شخص ایسا ہے تو اسے غیبت نہیں کہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات توہین کے اعتبار سے یہ بیان بھی حرام ہو سکتا ہے۔

غیبت کرنے کے بعد نادم اور شرمندہ ہونا ضروری ہے کہ یہی اس کی توبہ ہے بلکہ اگر مزید فساد کا اندیشہ نہ ہو تو جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی بھی طلب کرے کہ یہ معاملہ حق العباد سے متعلق ہے اور حق العباد کا معاملہ سخت ہوتا ہے۔ البتہ اگر یہ خطرہ ہے کہ اس سے بیان کرے گا کہ میں نے تمہاری فلاں عیب کا تذکرہ کیا ہے تو وہ اور ناراض ہوگا اور مزید فتنہ و فساد پیدا ہوگا تو اس سے معافی نہ مانگے بلکہ رب العالمین کی بارگاہ میں استغفار کرے کہ وہ دونوں پر رحم کرے۔ اسے عیب سے نجات دلا دے اور ایسے گناہ سے محفوظ رکھے۔

واضح رہے کہ چند مقامات پر غیبت جائز ہوتی ہے اور ان کی طرف متوجہ رہنا بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات بیجا تقدس سے بھی فساد کے پھیل جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان مقامات کی اجمالی فہرست یہ ہے۔

۱۔ **متجاہر بالفسق** ـــــ جو شخص کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور کسی طرح کی شرم و حیا نہیں رکھتا ہے اس کے عیوب کا بیان کرنا جائز ہے چاہے ان عیوب کا اظہار کرے جو بظاہر پوشیدہ ہیں اور وہ ان کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کھلم کھلا روزانہ ڈاڑھی مونڈتا ہے اور گھر کے اندر شراب بھی پیتا ہے تو ڈاڑھی مونڈنے کے علانیہ گناہ کی بنا پر شراب کا اعلان کرنا بھی جائز ہے۔ یہی حال سربازار بے پردہ گھومنے والی عورت کا ہے کہ اس کے اس جرم کی بنا پر اس کے مخفی عیوب کا بھی تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ **ظالم** ـــــ ظلم کرنے والے کے خلاف مظلوم کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس کے عیب کا اظہار کرے تاکہ لوگ اس کی واقعی حیثیت سے باخبر ہو جائیں اور ظلم کو مزید بڑھنے کا

موقع نہ ملے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ یہ بات اسی سے بیان کی جائے جس سے کسی طرح کی مدد ملنے کا امکان ہو، صرف فساد پھیلانے کی غرض سے نہ بیان کیا جائے۔

۳۔ **نصیحت مومن** ـــــ اگر کوئی اپنی لڑکی کا عقد کرنے کے لئے لڑکے کے بارے میں دریافت کرے اور انسان کو اس کا عیب معلوم ہے تو بہتر ہے کہ بیان کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ مومن دھوکہ میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے بلکہ اگر فساد کا اندیشہ ہے تو مشورہ کے بغیر بھی بیان کر سکتا ہے۔ صرف فساد پھیلانے کا ارادہ نہ ہو۔

۴۔ **اصلاح** ـــــ اگر انسان جانتا ہے کہ غیبت کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی ہے تو اس کے عیب کا تذکرہ کرے تاکہ اصلاح کا راستہ نکل آئے۔ مثال کے طور پر بیٹے کا عیب باپ سے بیان کیا۔ زوجہ یا شوہر کا عیب شوہر یا زوجہ سے بیان کیا۔ بھائی کا عیب بھائی سے بیان کیا۔ قوم کا عیب عالم سے بیان کیا کہ اس طرح اصلاح کے امکانات قوی تر ہو جاتے ہیں۔ صرف اعلان و اظہار کی نیت ہے تو حرام ہے۔

۶۔ **جرح** ـــــ اگر گواہ جھوٹا ہے اور غلط گواہی دے رہا ہے تو انسان کو حق ہے کہ اس کے عیب کا اظہار کر کے اس کے فسق کو ثابت کرے تاکہ اس کی گواہی پر اعتبار نہ کیا جا سکے ورنہ جھوٹوں کو گواہی دینے کی کھلی چھوٹ مل جائے گی۔

۷۔ **ردّ باطل** ـــــ اگر کوئی شخص غلط باتوں کی ترویج کر رہا ہے اور لوگ اس کے عیب سے باخبر نہیں ہیں تو جائز ہے کہ انسان اس کی واقعی حیثیت کا اعلان کرے تاکہ لوگ اس کی باتوں میں نہ آئیں اور باطل کو رواج نہ ملنے پائے۔

ان تمام مقامات پر اس بات کا لحاظ رکھنا بہرحال ضروری ہے کہ اسلام نے غیبت جائز کی ہے۔ مومن کی توہین جائز نہیں کی اور اعمال کا محاسبہ کرنے والا عالم الغیب خدا ہے۔ جاہل بندے نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی انسان مومن کی توہین یا سماج میں برائیوں کی اشاعت یا جذبۂ انتقام کی بنا پر کسی کی کمزوریوں کا اعلان کرتا ہے تو وہ نگاہِ خداوندی میں بہرحال مجرم ہے چاہے اپنے عمل

کے جواز کے لئے کتنے ہی عنوان کیوں نہ تلاش کرلے۔

انتباہ : گناہانِ کبیرہ کی فہرست میں بہتان و الزام لگانا۔ مومن کی توہین کرنا اور اسے گالیاں دینا۔ چغلی کھانا۔ حرام کاری کے لئے دلالی کرنا۔ مسلمانوں کو دھوکہ دینا۔ گناہوں کو ہلکا اور معمولی سمجھنا۔ ریاکاری کرنا وغیرہ بھی شامل ہیں جن کی مکمل فہرست مفصل کتابوں میں تلاش کی جاسکتی ہے اور بعض گناہوں کا تذکرہ اخلاقیات کے ذیل میں کیا جائے گا کہ اسلامی اخلاق کی بنیاد انھیں گناہوں سے پرہیز کرنا اور اپنے کو احکام الٰہی کا پابند بنالینا ہے۔

سبق ۴۱

تولا و تبرّا

خدا و رسولؐ اور اولیاء اللہ سے محبّت کا نام تولا ہے اور ان کے دشمنوں سے برائت اور بیزاری کا نام تبرّا ہے ـــــ لیکن محبّت اور نفرت کی دو قسمیں ہوتی ہیں :۔

محبّت اور نفرت کبھی دل میں ہوتی ہے اور اس کا عملی مظاہرہ نہیں ہوتا اور کبھی اس کا اظہار عمل سے بھی ہو جاتا ہے ۔ آلِ محمدؐ کے سلسلہ میں محبّت قلبی نہیں ، خلوص دل سے ان کی عظمت ، شرافت اور بزرگی کا اعتقاد یہ روح ایمان ، جان ایمان اور اصل ایمان ہے اور یہی حیثیت ان کے دشمنوں سے بیزاری کی ہے ۔ لیکن اس اعتبار سے اس کا شمار فروعِ دین میں نہیں ہو سکتا کہ فروعِ دین میں اعمال کا شمار ہوتا ہے قلبی کیفیات یا عقائد کا نہیں ۔

تولا و تبرا کو محبّت و نفرت سے الگ کر کے فروعِ دین میں شمار کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کا تعلق اعمال سے ہے اور فروع دین میں یہ گنجائش بھی ہوتی ہے کہ حالات و مواقع کے اعتبار سے کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے ۔ ایمان اور عقیدہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے جس طرح نماز کے وجوب کا عقیدہ ہر وقت ایک جیسا ضروری ہے چاہے نماز چار رکعت ہو یا سفر کی وجہ سے دو رکعت ہو جائے یا روزہ کا ایمان و عقیدہ بہر حال لازم ہے چاہے رکھ سکے یا سفر و مرض کی بنا پر نہ رکھ سکے ۔

محبّت و نفرت وہ قلبی کیفیات ہیں جن کا یکساں طور پر رہنا ہمہ وقت ضروری ہے چاہے مقامِ عمل میں ان کا اظہار ممکن ہو یا نہ ہو ۔ ان کیفیات میں تخفیف و اضافہ یا کمی اور زیادتی کا امکان

نہیں ہے۔

تولا اور تبرا کی نوعیت اس سے قدرے مختلف ہے کہ اس پر حالت اور مصالح کا بہرحال اثر ہوتا ہے۔ کہیں اظہار ممکن ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا ہے۔

خود امیرالمومنینؑ نے معاویہ کے دور حکومت کی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب تم پر ایک جلاد کی حکومت ہوگی جو تم سے دو مطالبات کرے گا۔ مجھے گالیاں دو اور مجھ سے بیزاری اختیار کرو۔

جہاں تک گالیوں کا تعلق ہے میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ مجھے برا بھلا کہہ سکتے کہ مجھے تمھاری زندگی عزیز ہے لیکن برائت و بیزاری کے سلسلہ میں خبردار مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا کہ میں دینِ فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور ایسے شخص سے بیزاری جائز نہیں ہے۔

اس کلام ہفت نظام سے صاف واضح ہوگیا کہ عملی انحراف کی اجازت دی جاسکتی ہے قلبی برائت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ عملی انحراف کا تعلق فروعِ دین سے ہے۔ اس میں تخفیف، تسہیل سب ممکن ہے لیکن قلبی کیفیات کا مسئلہ ایمان اور عقیدہ کا ہے اور ایمان اور عقیدہ کے معاملہ میں کسی طرح کی کمی یا زیادتی نہیں ہوسکتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام نے صاحبانِ ایمان سے دو طرح کے مطالبات کئے ہیں۔ ایمان کی منزل میں اولیاء اللہ سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کا مطالبہ کیا ہے اور عمل کی منزل میں ان سے تولا اور ان کے دشمنوں سے تبرا کا مطالبہ کیا ہے جس میں حالات اور مصالح کے اعتبار سے چھوٹ دی جاسکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات میں یہ اظہار واجب نہ رہ جائے اور اخفاء واجب ہوجائے جس طرح کہ مقام تقیہ میں ہوتا ہے اور خود ائمہ معصومینؑ نے اپنے احباب کو تعلیم دی ہے۔ ایک طرف ظالموں سے مکمل نفرت کا حکم دیا ہے اور دوسری طرف ان سے ظاہری ربط ضبط برقرار رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ علی بن یقطین کی وزارت اسی حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ صفوان جمال کو حکومتِ وقت کے ہاتھ اونٹ کرایہ پر دینے سے

روکا جاتا ہے کہ اس طرح ظالموں کی حیات کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اسلام کو یہ بھی گوارا نہیں ہے اور علی بن یقطین کو وزارت کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس طرح مصالح سے اسلام و مسلمین کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔

تولا و تبرا کی عملی حیثیت کی وضاحت کے بعد دو مسائل اور تشنۂ توضیح رہ جاتے ہیں:۔

(۱) تولا اور تبرا کے اظہار کی دو صورتیں ہیں کبھی اس کا اظہار قول کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی عمل کے ذریعہ۔

اسلام دونوں طرح کے اظہار کا طلبگار ہے اور یہ چاہتا ہے کہ صاحبِ ایمان تولاً بھی اولیاء اللہ سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کا اظہار کرے اور عملاً بھی ـــــ لیکن معلوم ہے کہ اس قول کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جو عمل سے الگ ہو جائے اور جس کی پشت پر عمل کی موافقت نہ ہو۔

آپ دنیا داری میں کبھی کسی انسان سے انتہائی محبت کا مظاہرہ کریں اور عملی طور پر اس محبت کا ثبوت نہ دیں تو اسے ریاکاری کہا جاتا ہے محبت نہیں کہا جاتا ـــــ یہی حال نفرت اور بیزاری کا ہے اگر صرف لفظوں سے بیزاری کا اعلان کیا جائے اور عملاً علیحدگی نہ اختیار کی جائے تو اس کا نام منافقت پڑ جاتا ہے اسے برائت نہیں کہتے ـــــ حالانکہ دنیا داری کے اکثر و بیشتر معاملات ریاکاری اور منافقت پر چلتے رہتے ہیں تو دینداری اور مذہب کا معاملہ تو بہت سنگین ہے۔ اس میں نہ مکاری و ریاکاری کی گنجائش نہ منافقت اور عیاری کی۔ وہاں تو خلوص ہی خلوص درکار ہے اور تقرب ہی تقرب لازم ہے۔ بنا بریں محبت و نفرت کے لفظی اظہار کے ساتھ اس کا عملی اظہار بھی واجب ہے ورنہ تولا ایک مظاہرہ اور تبرا ایک تماشہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔

عملی اظہار کے معنی یہ ہیں کہ انسان وہ زندگی، وہ طریقۂ حیات اور وہ طرز رہائش اختیار جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ اولیاء اللہ کا چاہنے والا ہے اور اس طرز زندگی سے کنارہ کشی کرے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا رابطہ دشمنانِ خدا سے بھی ہے۔

اب اگر کوئی انسان عبادات سے غافل، اخلاقیات سے بیگانہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے بے پروا اور آئینِ بندگی سے بے نیاز ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں واقعی اولیاء اللہ کی محبت نہیں ہے اور صرف زبانی دعدے پر گذارا کر رہا ہے۔

یہی حال تبرا کا ہے کہ اگر انسان کی زندگی میں بے دینی، بے ایمانی، خیانت، غصب، جھوٹ، الزام تراشی، غیبت، ناچ گانا اور دنیا کے دوسرے خرافات داخل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شیطانی جماعت کا رکن ہے جو ایمانی جماعت میں داخل ہو گیا ہے اور اپنی عیاری سے شیطان ہو کر صف ملائکہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

تولا و تبرا کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تصور کر لیا جاتا ہے۔ یہ پوری زندگی کا سودا ہے جس میں تولا ایک خاص زندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے اور تبرا ایک خاص طرزِ زندگی سے روکتا ہے۔

(۲) تولا و تبرا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ تفریحی اعمال نہیں ہیں کہ انھیں ڈھولک کی تال اور ستار کی جھنکار پر انجام دیا جائے۔ ان کا شمار ایک طرح کی عبادت میں ہے جہاں انسان کو انتہائی اخلاص و شرافت کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے اور اسی طرح عمل کو انجام دینا ہوتا ہے جس طرح خدا اور خاصانِ خدا چاہتے ہیں۔

رسول اکرمؐ کی محبت کے نام پر رقص و سرور، حال و قال، قوالی و بداعمالی تولا نہیں ہے تماشہ نہیں ہے اور آل رسولؐ کے دشمنوں سے تبرا کے نام پر ناچ، گانا، ڈھولک، شہنائی، گالم گلوچ، فحش مذاق، بدترین اعمال ان کے دشمنوں سے محبت کے سہارے ہیں نفرت کے نہیں۔

تولا و تبرا کا فرض انجام دینا ہے تو شرافت اختیار کرنا پڑے گی۔ قصد تقرب الٰہی پیدا کرنا پڑے گا اور عمل کو اس طرح انجام دینا پڑے گا جس طرح خود خاصانِ خدا نے انجام دیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہم سے مطالبہ کریں کہ دشمنانِ خدا و رسولؐ سے بیزاری اختیار کرو اور خود بیزاری

اختیار کریں یا ہمیں اظہارِ نفرت کی دعوت دیں اور خود نفرت نہ کریں ؛ اور جب یہ ممکن نہیں ہے تو انھیں کی زندگی کو نمونہ بنانا پڑے گا کہ انھوں نے کس طرح تبرا کیا ہے۔ ان کی زندگی میں خطبۂ شقشقیہ تو ہے، ناچ گانا اور فحش کلامی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تبرا بھی ایک مقدس عمل ہے جس طرح تولا ایک مقدس فریضہ ہے اور دونوں کو ان کے شرعی آداب کے مطابق انجام دینا چاہئے۔

سبق نمبر ۴۲

اسلامی اخلاقیات

اخلاقیات ان اعمال خیر کا نام ہے جن کو انسان فطرت کے تقاضے اور ضمیر کی تحریک کی بنا پر اختیار کرتا ہے۔

اخلاقیات کا کام انسان کو نیکیوں پر آمادہ کرنا اور برائیوں سے پاک و پاکیزہ بنانا ہے۔ علماءِ حکمت و فلسفہ نے نظریات کی دنیا میں زمین و آسمان کے سارے فلسفے طے کرنے کے باوجود عملی حکمت کا کام مذہب کے حوالے کر دیا ہے کہ اخلاقیات کے بارے میں جس تفصیل کے ساتھ مذہب نے بیان کیا ہے نہ کسی حکیم و فیلسوف کے عقل میں آسکتا ہے اور نہ اس نے بیان کیا ہے۔

اخلاقیات کے مختلف درجات اور مختلف شعبے ہیں جن کی تکمیل ایک شریف اور محترم انسان کے لئے ضروری ہے۔

اخلاقیات کا پہلا درجہ اپنے نفس کو پاکیزہ بناتا ہے۔ دوسرا درجہ اپنی منزل کے حالات درست کرنا ہے اور آخری منزل ممالک و بلاد کے حالات کی اصلاح کرنا ہے۔

تہذیبِ نفس کے مرحلہ میں بھی دو قسم کی باتوں کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے تخلیہ اور تحلیہ یعنی پہلے نفس کو برے حالات و صفات سے خالی اور پاک بنایا جاتا ہے اس کے بعد نیک حالات و خصائل کے زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے ـــــ اس کے بعد ایک بلند ترین منزل آتی ہے جس پر فائز ہونا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے اور اس کا نام ہے تجلیہ۔ جہاں

پہنچ کر انسان اپنے اندر جلوۂ پروردگار کا مشاہدہ کرتا ہے اور کسی شے پر نگاہ نہیں ڈالتا مگر اسے جلوۂ ربوبیت نظر آتا ہے۔

دین اسلام نے ان تمام مراحل کی تکمیل کر دی ہے اور ان سب کے بیان کے لئے ایک عظیم کتاب درکار ہے۔ اجمالی طور پر چند ایسے اوصاف و کمالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے انسان کو متصف ہونا چاہئے اور پھر چند ایسے مفاسد کا تذکرہ کیا جائے گا جن سے انسان کو پاک و پاکیزہ ہونا چاہئے کہ ان کے بغیر انسان صاحب کمال کردار نہیں ہو سکتا۔

بہترین اوصاف و اخلاق کے چند شعبے

۱۔ **خدا سے مضبوط ترین ارتباط اور اس کے تحفظ پر مکمل اعتماد** ـــــ قرآن مجید میں ارشاد احدیت ہوتا ہے جو خدا سے طلب تحفظ کرتا ہے وہ صراط مستقیم تک پہنچ جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں جناب داؤد سے خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی بندہ ہم سے تحفظ طلب کرتا ہے اور مخلوقات پر اعتماد نہیں کرتا ہے تو اس کے بعد زمین و آسمان بھی اس کے راستے بند کرنا چاہیں تو ہم اس کے لئے نئے راستے کھول دیں گے بشرطیکہ اس ارتباط کا صرف اظہار نہ ہو اس کے دل میں بھی یہی حوصلہ ہو کہ صرف ہم سے امداد چاہتا ہے اور دوسروں کی حفاظت پر بھروسہ نہیں کرتا ہے۔

۲۔ **توکل علی اللہ** ـــــ ظاہر ہے کہ جب خدا رؤف، رحیم، کریم، قاضی الحاجات اور عالم الاسرار والمخفیات ہے تو انسان اس پر بھروسہ نہ کرے گا تو کس پر بھروسہ کرے گا۔ اپنے نفس پر؟ یا دوسرے بندوں پر؟ جب کہ سب عاجز و ناتواں اور جاہل و نادان ہیں۔

قرآن مجید نے واضح لفظوں میں اعلان کر دیا ہے: "جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اس کے لئے خدا کافی ہے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے نہایت حسین انداز سے اس حقیقت کی وضاحت فرمائی

ہے کہ "عزت اور بے نیازی ہمیشہ سرگرم سفر رہتی ہیں۔ جب کسی مقام پر توکل و اعتماد دیکھتی ہیں تو قیام پذیر ہو جاتی ہیں اور وہیں اپنے ڈیرے ڈال دیتی ہیں۔ یعنی جو شخص اللہ پر توکل اور اعتماد رکھتا ہے وہی صاحبِ عزت بھی ہوتا ہے۔ اور بندوں کے سامنے عرضِ حال کرنے اور ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز بھی ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس نہ عزت ہے نہ بے نیازی۔

۳۔ خدا کے ساتھ حسنِ ظن

انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ کمزور، ناتوان، فریب کار، چرب زبان انسان پر بھروسہ کر لیتا ہے اور اس سے حسنِ ظن پیدا کر لیتا ہے کہ جس بات کا وعدہ کیا ہے ضرور پورا کرے گا لیکن رب العالمین سے یہ حسنِ ظن بھی پیدا نہیں کر پاتا کہ اس نے رزق کا وعدہ کیا ہے تو ضرور دے گا۔ دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے تو ضرور قبول کرے گا۔

رب العالمین کو اپنے بندوں سے سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ وہ ہمارے ہو کر بھی ہم سے حسنِ ظن نہیں رکھتے اور ہم سے مانگتے وقت بھی یہ یقین نہیں کرتے کہ ہم ان کی آواز سن رہے ہیں یا ان کے درد دل سے باخبر ہیں یا ان کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے "جب کوئی بندہ مومن اللہ سے حسنِ ظن رکھتا ہے تو وہ اس کے حسنِ ظن کی لاج رکھ لیتا ہے۔ وہ کریم ہے اور سارا خیر اس کے قبضے میں ہے۔ وہ اس بات میں حیا و شرم خیال کرتا ہے کہ بندہ اس پر اعتماد کرے اور وہ اس کے اعتبار کو ٹھیس لگا دے ـــــ خدارا اس سے حسنِ ظن پیدا کرو۔ وہ تمہارے نیک مقاصد کی تکمیل کرے گا۔"

واضح رہے کہ رب العالمین کے بارے میں اس طرح کی تعبیرات کمال محبت و عنایت کی دلیل ہیں ورنہ بندہ کا اس پر کوئی حق ہے اور نہ اسے بات کے ٹھکرا دینے میں شرم کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔

۴۔ مصیبت اور معصیت کے مواقع پر صبر

صبر انسانی زندگی کا سب سے بڑا جوہر ہے اور اسے "مفتاح الفرج" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دنیا کی کوئی مشکل ایسی نہیں ہے جس کا علاج صبر میں نہ ہو بشرطیکہ انسان میں صبر کرنے کا حوصلہ ہو۔ ورنہ مصیبت کا رخ دیکھ کر گریہ وزاری اور نالہ وبیقراری میں مصروف ہو گیا تو دنیا کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے۔ انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ صرف راحت و آرام چاہتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ پر امن وسکون و اطمینان کا طلبگار رہتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ امن وسکون ممکن نہیں ہے اور خدا نے صابروں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ خدا کو ساتھ لینا ہے تو مصائب کا استقبال کرنا ہوگا۔ مصائب کے مقابلہ ہی میں صبر ہوتا ہے اور صبر کے بعد ہی خدا اپنی معیت اور ہمراہی کے کرامات دکھلاتا ہے۔

صبر فقط ظاہری مصائب ہی سے وابستہ نہیں ہے۔ صبر کا ایک رخ اطاعت ومعصیت کے مرحلہ پر صبر ہی ہے جہاں نفس اطاعت سے روکتا ہے یا معصیت کی طرف کھینچتا ہے اور انسان اس جذبۂ نفس کو ٹھکرا کر خواہشات کو پامال کر کے اپنے مالک کی اطاعت کرتا ہے کہ صبر درحقیقت نفس پر کنٹرول کر لینا اور اس کے خواہشات پر قابو حاصل کر لینا ہے۔ یہ صفت نہیں ہے تو انسان کسی رخ سے صابر کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔

قرآن مجید کا وعدہ ہے کہ "اللہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے"

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے "صبر کرو صبر میں خیر کثیر پایا جاتا ہے اور یاد رکھو کہ نصر صبر کے ساتھ ہے اور کشائش احوال کرب و اضطراب کے بعد ہے۔ عسر کے بعد یسر کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی انسان صبر نہیں کرتا، کرب کا سامنا نہیں کرتا، عسر و پریشاں حالی کا مقابلہ نہیں کرتا تو اس کے لئے نہ نصرتِ الٰہی ہے نہ کشائش احوال، نہ دولت وثروت ہے نہ راحت و آرام۔

امیرالمومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ "ظفر صبر سے الگ نہیں ہے چاہے زمانہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو جائے۔ جہاں صبر ہے وہاں ایک دن کامیابی ضرور ہے۔ خالق کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے"

دورحاضر کے اسلامی انقلابات میں اس حقیقت کا باقاعدہ طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

۵۔عفت و پاکدامنی ـــــــ انسانی شرافت کا سب سے بڑا نمونہ یہ ہے کہ اپنے شکم کو مال حرام اور اپنے اعضاء جسم کو فعل حرام سے محفوظ رکھے۔ عفت نگاہ اسلام میں بیحد قیمت رکھتی ہے کہ اس کے نظریہ کے مطابق سارا فساد یا شکم کی ہوس سے پیدا ہوتا ہے جہاں انسان لوٹ مار، غصب، خیانت اور اس طرح کے بے شمار جرائم کا مرتکب ہوتا ہے یا جنسی ہوس سے پیدا ہوتا ہے جہاں نامحرم پر نگاہ سے ہم جنسی اور خود کاری تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اسلام نے انھیں دونوں جذبات کو پاکیزہ بنانا چاہا ہے کہ اس کے بعد مفاسد و جرائم کی جڑیں کٹ جائیں گی اور انسان ایک شریف النفس اور نیک کردار انسان نظر آئے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں" اللہ کے نزدیک شکم اور جنس کو پاکیزہ رکھنے سے بڑی کوئی عبادت نہیں ہے۔" امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے۔" میرا شیعہ وہی ہے جو شکم اور جنس کو پاکیزہ رکھے، زحمت زیادہ برداشت کرے، خدا کے لئے کام کرے اور نتیجہ میں ثواب کی امید رکھے، عذاب الٰہی سے ڈرتا رہے اور معصیت سے الگ رہے۔ ایسا انسان مل جائے تو سمجھ لینا کہ وہ ہمارا شیعہ ہے ـــــ ورنہ نہیں۔"

۶۔حلم اور بردباری ـــــــ مصائب کے مقابلہ میں صبر سے ملتی جلتی صفت ہے حلم اور بردباری جہاں انسان کو اپنی قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے اور طاقت کے باوجود انتقام کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ ہربات پر بدلہ لینا جہالت اور نادانی ہے۔ جاہل اور پڑھے لکھے میں یہی فرق ہے کہ جاہل ہر وقت لڑنے مرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور پڑھا لکھا حالات اور مصالح پر نگاہ رکھتا ہے اور اسی اعتبار سے حلم و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

حضور سرورکائناتؐ ارشاد فرماتے ہیں۔" جہالت میں عزت نہیں ہے اور حلم و تحمل میں ذلت نہیں ہے۔"

مولائے کائناتؑ کا ارشاد گرامی ہے۔" تحمل کرنے والے کو پہلا صلہ یہ ملتا ہے کہ لوگ جاہل

کے مقابلہ میں اس کے طرفدار ہوجاتے ہیں۔"

امام رضا علیہ السّلام فرماتے ہیں:" انسان اس وقت تک عبادت گذار نہیں ہوسکتا جب تک حلیم اور بردبار نہ ہو۔

۷۔ **تواضع و انکسار** ـــــ یہ بھی انسانی شرافت وکرامت کی بہترین نشانی ہے جس نے روز اوّل انسان کو شیطان سے الگ کر دیا اور یہ واضح کردیا کہ غرور وتکبر شیطنت کی علامت ہے اور تواضع و انکسار ملائکہ کی صفت ہے۔

رب العالمین نے انسانی تربیت کے لئے فطرت میں ایسے نمونے فراہم کر دیئے ہیں کہ نظر ہوشیار وہوش مند ہو تو برگ درخت ایک دفتر معرفت ہے۔ انسان ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے کہ شاخ خالی رہتی ہے تو سر آسمان کی طرف رہتا ہے اور بار آور ہوجاتی ہے تو پھلوں کے بوجھ سے جھک جاتی ہے اور سربلندی کی ادا خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔ اب اس کی ذاتی انانیت نظر نہیں آتی لیکن لوگوں کی نگاہ میں اس کی قیمت سیکڑوں گنا بڑھ جاتی ہے۔ انسان کے لئے بھی یہ مرقع فطرت ایک درس عبرت ہے کہ وہ زندگی میں تواضع اور انکسار سے کام لے۔ تکبر اور غرور کو قریب نہ آنے دے کہ اس طرح شیطان کے داخلہ کا راستہ نکل آئے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:" جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر سے کام لیتا ہے اللہ اس کو جھکا دیتا ہے۔ جو معیشت میں میانہ روی کرتا ہے خدا اسے رزق عطا کرتا ہے اور جو اسراف سے کام لیتا ہے خدا اسے محروم کر دیتا ہے۔ جس کے پاس ذکر موت زیادہ ہوتا ہے اسے خدا محبوب رکھتا ہے۔" موت کو نظر انداز کر دینے ہی سے برائیاں پیدا ہوتی ہیں ورنہ انجام دنیا معلوم رہے اور قبر کی خاک نگاہ میں رہے تو سر اٹھانے اور اکڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

۸۔ **مکمّل انصاف** ـــــ انسان کے لئے یہ بات بہت آسان ہوتی ہے کہ دو انسانوں کے درمیان اختلاف ہوجائے تو نہایت درجہ دیانتداری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کردے لیکن

یہ بات بہت مشکل ہوتی ہے کہ معاملہ اپنی ذات سے وابستہ ہو جائے اور ایک فریق خود ہو جائے تو بھی انصاف اور عدالت سے کام لے۔ اسلام جن اخلاقِ فاضلہ کی دعوت دیتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان صرف دوسروں کے مقابلہ میں انصاف نہ کرے بلکہ خود اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی عدالت اور انصاف سے کام لے اور جو جس کا حق ہے اسے دیدے۔

سرکار دو عالمؐ ارشاد فرماتے ہیں: "سید الاعمال یہ عمل ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ اپنے نفس کے مقابلہ میں انصاف کرے اور ہر صورت میں برادرانِ ایمانی کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرے۔"

۹۔ خود بینی و خود سازی —— دوسروں کے عیوب پر نظر رکھنا اور ان کی تنقید و تنقیص یا تحقیر و تکفیر کرنا بہت آسان ہے اور اپنے اعمال پر کڑی نگاہ رکھنا اور اپنا محاسبہ کرتے رہنا بہت مشکل کام ہے۔

اسلام نے خود سازی کا بہترین نسخہ یہ بتایا ہے کہ انسان دوسروں کے عیوب کے بجائے اپنے عیب پر نگاہ رکھے اور دوسروں کی تنقید کرنے کے بجائے اپنا محاسبہ کرتا رہے۔

سرکار دو عالمؐ ارشاد فرماتے ہیں: "طوبیٰ اس شخص کے لئے ہے جس کے دل میں خوفِ خدا آکر اسے دوسروں کی طرف سے بے خوف بنا دے اور جس کی اپنے عیب کی طرف توجہ دوسروں کی عیب جوئی سے غافل بنا دے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "ثواب کے اعتبار سے سب سے زیادہ سریع الاثر نیکی احسان ہے اور عقاب کے اعتبار سے سب سے زیادہ زود اثر دوسروں پر ظلم ہے۔ انسان کے عیب دار ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ دوسروں کا عیب نظر آئے اور اپنا عیب نظر نہ آئے یا دوسروں کی تنبیہ و تحقیر ان باتوں پر کرے جنھیں خود بھی ترک نہیں کرتا ہے۔

برائیوں کا رجحان پیدا ہوتے وقت اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جانا بہترین کمالِ بشر ہے۔ امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو اپنے باطن کی اصلاح کرے گا۔ خدا اس کے

ظاہری حالات کی بھی اصلاح کر دے گا اور جو اپنے دین کے لئے کام کرے گا خدا اس کی دنیا کا خود انتظام کر دے گا جو اپنے اور خدا کے درمیان معاملات ٹھیک رکھے گا خدا اس کے اور بندوں کے معاملات کی بھی اصلاح کر دے گا۔

۱۰۔ زہد اور ترکِ رغبتِ دنیا ــــ اسلام میں زہد کے معنی ترک دنیا یا ترک لذات دنیا کے نہیں ہیں۔ اللہ نے حلال چیزوں سے نفرت کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ وہ اس نفرت کو پسند کرتا ہے۔ اسلام رغبتِ دنیا اور دنیا داری کی مذمت کرتا ہے اور اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو انسان دنیا میں زہد سے کام لے گا اللہ حکمت کو اس کے دل میں راسخ بنا دے گا اور اس کی زبان پر بھی حکمت ہی جاری ہوگی۔ اس کی نگاہ ہمیشہ دنیا کے عیوب، اس کے امراض اور اس کے علاج پر رہے گی اور وہ صحیح و سالم دارالسّلام کی طرف جائے گا۔

ایک شخص نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ کئی برس کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی ہے لہذا کوئی مستقل موعظہ فرمادیں۔ فرمایا اللہ سے ڈرو، پرہیزگار بنو، کوشش کرو اور اپنے سے بالاتر انسانوں کو نہ دیکھو۔ خدا نے اس بات سے منع کیا ہے کہ جن کے پاس زندگانی دنیا کی بہاریں ہیں ان پر نگاہِ طمع آمیز ڈالو۔ ان کے اموال و اولاد تمھیں زیادہ پرکشش نہ دکھائی دیں۔ حرص و طمع دنیا کا اندیشہ پیدا ہو تو رسول اکرمؐ کی زندگانی پر نگاہ رکھو جن کی غذا جَو، شیرینی خرمہ اور ایندھن کھجور کی چھال تھی اور وہ بھی اگر مل جائے۔ خبردار! مال، اولاد، ذات جس پر بھی مصیبت آئے رسول اکرمؐ کی مصیبت کو یاد کرنا کہ ان کے مصائب سب سے بالاتر تھے حالاں کہ ان کا مرتبہ بھی سب سے بالاتر تھا۔

صفاتِ قبیحہ کے چند نمونے

۱۔ غضب ـــــ انسان میں دو طرح کی صفتیں پائی جاتی ہیں۔ شہوت اور غضب۔
شہوت انسان کو حرص و طمع اور خیانت و بد دیانتی پر آمادہ کرتی ہے اور غضب انسان میں جذبۂ ظلم و شقاوت و انتقام و اذیت پیدا کرتا ہے۔

اسلام نے غضب کو برائیوں میں ایک نمایاں مقام دیا ہے اور انسانوں کو اس سے اجتناب کرنے کی مکمل دعوت دی۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے "غضب ایمان کو برباد کر دیتا ہے جس طرح کہ سرکہ شہد کو برباد کر دیتا ہے۔"

امام جعفر صادق علیہ السّلام خود ارشاد فرماتے ہیں "غضب ہر برائی کی کنجی ہے۔"

امام محمد باقر علیہ السّلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "انسان غضب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک واصلِ جہنّم نہ ہو جائے۔ لہٰذا جب کسی شخص کو حالتِ قیام میں غصّہ آئے تو فوراً بیٹھ جائے تاکہ شیطان کا رجس دور ہو جائے اور جس شخص کو قرابتداروں پر غصّہ آئے اسے چاہئے کہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرے تاکہ سکون پیدا ہو جائے۔

۲۔ حسد ـــــ اولادِ آدم کے سب سے قدیم ترین دشمن کا نام ہے۔ اسی نے شیطان کو جناب آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے سے روکا اور اسی نے قابیل کو اپنے عزیز ترین بھائی کا قاتل بنا دیا۔

حسد انسان کو بالکل اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے اور انسان کے دل میں صرف ایک ہی آرزو رہ جاتی ہے کہ شخص اسی کا جیسا کمزور، مجبور، ناقص اور پست ہو جائے۔ حسد محسود کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن خود حاسد کی زندگی بہر حال برباد کر دیتا ہے اور اس کی آخرت کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ شیطان نے سجدہ نہ کیا تو عظمتِ آدم میں فرق نہ آیا لیکن شیطان ابدی لعنت کا حقدار ہو گیا۔ ہابیل نے قتل ہو کر شہادت اور حیاتِ جاودانی حاصل کر لی قابیل کو لعنت کے سوا کچھ نہ ملا۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حسد ایمان کو اسی طرح جلا کر راکھ کر دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔

رسول اکرمؐ اپنے اصحاب کو تلقین فرما رہے تھے کہ "تمھارے اندر پچھلی امتوں کی بیماری دبے پاؤں چلی آ رہی ہے جس کا نام ہے حسد۔ حسد سر کے بال صاف نہیں کرتا دل سے ایمان کو صاف کر دیتا ہے۔ اس کے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان ہاتھ کو قابو میں رکھے، زبان پر کنٹرول رہے اور مومن کی کسی طرح برائی نہ کرے۔

حسد کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ تقریباً فطری رجحان کا درجہ رکھتا ہے اس لئے پروردگار عالم نے اس کے مواخذہ کو اس وقت تک معاف رکھا ہے جب تک اس کا تعلق دل سے رہے اور عملاً اظہار نہ ہو۔ اظہار کے بعد پھر قابلِ معافی نہیں رہ جاتا اس لئے انسان کا فرض ہے کہ مقام اظہار میں قول و عمل دونوں پر نگاہ رکھے اور کوئی خلافِ شرع اظہار نہ ہونے دے۔

حسد کے بارے میں ایک دلچسپ روایت یہ پائی جاتی ہے کہ یہ ایک ایسی بلا ہے جس سے عام انسانوں کا کیا ذکر ہے انبیاء و مرسلین اور اولیاء خدا محفوظ نہیں رہے۔ راوی نے یہ سن کر اظہار تعجب کیا کہ بھلا معصوم حضرات کا اس بلا سے کیا تعلق ہے؟ تو ارشاد فرمایا گیا کہ مقصد یہ نہیں ہے کہ معصومین حسد کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حسد سے محفوظ نہیں رہتے کہ حسد دو افراد سے قائم ہوتا ہے ایک حاسد حسد کرنے والا اور ایک محسود جس سے حسد کیا جائے جس طرح ظلم اور قتل کا قیام دو افراد سے ہوتا ہے ایک ظالم ایک مظلوم ـــــ ایک قاتل ایک مقتول ـــــ انبیاء و مرسلین حاسد نہیں تھے مگر محسود ضرور تھے کہ ہر دور تاریخ میں اولیاء اللہ نے جس قدر مصائب برداشت کئے سب اسی حسد کا نتیجہ تھے کہ دنیا والے ان کے فضائل و کمالات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور کسی نہ کسی طرح ان کی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا کرتے تھے۔ خود ہماری مسلمان تاریخ میں ائمہ معصومینؑ کا قتل عوام کے ذریعے نہیں ہوا کہ انھیں ان کی برتری کا علم بھی تھا اور اقرار بھی ـــــ سارے فسادات حکام کے ذریعہ پیش آتے تھے کہ انھیں ان کی برتری کا علم تھا لیکن اقرار نہیں کرنا

چاہتے تھے اور یہ خطرہ تھا کہ یہ رہیں گے تو ہمارا پرسانِ حال کوئی نہ رہے گا لہٰذا بہتر ہے کہ ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

حسد کے بارے میں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حسد اور ایمان ناقابلِ اجتماع ہیں۔ حسد آئے گا تو ایمان چلا جائے گا اور ایمان رہے گا تو حسد کو راستہ نہ مل سکے گا اور اس کا راز یہ ہے کہ حسد کسی کو اپنے سے بالاتر سمجھنے اور مقابلہ سے عاجز ہو جانے کی شکل میں پیدا ہوتا ہے اور صاحبِ ایمان ایمان سے بالاتر کسی دولت و منصب کو نہیں سمجھتا تو اس کے حسد کرنے کا کیا سوال ہے۔ پھر ایمان کے درجات کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔ انسان خود اپنے ایمان کو اتنا بلند کرے کہ دوسرے کی حیثیت سے حسد کا امکان ہی نہ پیدا ہونے پائے۔

روایات میں محبت آلِ محمدؐ کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ محبت آلِ محمدؐ ایک ایسی دولت ہے جس کا حامل کسی دولت مند یا صاحبِ ثروت سے حسد نہیں کر سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں دشمنانِ آلِ محمدؐ کو غلامانِ آلِ محمدؐ سے حسد رہا ہے اور غلامانِ آلِ محمدؐ نے حکام و سلاطین کو مڑ کر بھی نہیں دیکھا حسد کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

کس حقارت کی نظر سے تاجداروں کی طرف
دیکھتے ہیں کفش بردارانِ مسکین حسینؑ

۳۔ ظلم ـــــ یہ ایک ایسا فسادِ اخلاق ہے جس کے شر و عیب کا اقرار و احساس ہر صاحبِ شعور انسان کو ہے۔ اخلاقی دنیا میں اگر کوئی شے بلا اختلاف و تردد مسلّم ہے تو وہ عدالت و انصاف کی خوبی اور ظلم و ستم کی برائی۔ ظلم کی برائی کے بارے میں نہ آج تک کوئی بحث ہے اور نہ اس میں کوئی استثناء ہے۔ جھوٹ کی برائی میں استثناء ہے کہ مجبوری یا اصلاح کے موقع پر مباح ہو جاتا ہے۔ چوری اور غصب میں استثناء ہے کہ خوف ہلاکت میں اسے جائز کر دیا جاتا ہے لیکن ظلم میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ یہ کسی وقت ایک لمحہ کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں بعض اقدامات ظلم نہ کہے جائیں لیکن ظلم صحیح ہو جائے اور قابلِ مذمت نہ رہے یہ ممکن

نہیں ہے۔

قرآن مجید نے بار بار ظلم کی مذمت کی ہے اور مسلمان کو اس بدترین صفت سے محفوظ رہنے کی دعوت دی ہے۔ روایات میں بھی اس کی مذمت اور برائی کا تذکرہ بکثرت پایا جاتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "جو شخص کوئی بھی ظلم کرے گا اس کا اثر اس کے نفس، مال یا اولاد میں ضرور ظاہر ہوگا"۔۔۔ "ظلم کرنے والا کسی خیر کا مالک نہیں ہو سکتا مظلوم ظالم کے دین میں سے اس سے کہیں زیادہ لے لیتا ہے جتنا ظالم اس کی دنیا میں سے حاصل کرتا ہے"۔

ظلم کا ایک بدترین درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ظالمیت میں اتنی شہرت پیدا کرلے کہ لوگ اس کے شر سے پناہ مانگنے لگیں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے "روز قیامت بدترین شخص پیش پروردگار وہ ہے جس کا احترام اس کے شر کے خوف سے کیا جائے"۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "جس کی زبان سے لوگ خوفزدہ رہتے ہوں وہ جہنمی ہے"۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ "خدا کے نزدیک بدترین خلائق وہ بندہ ہے جس کی زبان سے لوگ خوف کھاتے ہوں"۔

زبان انسانی کمالات کے اظہار کا بہترین ذریعہ بھی ہے اور انسانی نقائص کے پرکھنے کا بہترین وسیلہ بھی۔ زبان و دل ہی سے انسان کی کل حقیقت وابستہ ہے لہذا انسان دل کو طیب و طاہر اور زبان کو پاک و پاکیزہ بنالے تو اس سے زیادہ باعظمت کوئی شے نہیں ہو سکتی۔

محاسن صفات اور مکارم اخلاق کے عشرۂ کاملہ اور شر و فساد کے اوصاف ثلاثہ پر اس سلسلۂ بیان کو تمام کیا جا رہا ہے۔

سبق ۴۳

آدابِ معاشرت

تہذیبِ اخلاق کے بعد تدبیرِ منزل کی باری آتی ہے جہاں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ انسان کو اجتماعی زندگی کس طرح گذارنی چاہئے اور اسے اپنے اہلِ منزل کو کس طرح مہذب اور با اخلاق بنانا چاہئے۔

اس سلسلہ میں دینِ اسلام نے بے شمار آداب و اصول وضع کئے ہیں اور انھیں پچاسوں ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر ان چند آداب کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جن سے ہر اس انسان کو گذرنا پڑتا ہے جو عائلی زندگی میں قدم رکھتا ہے اور ایک منزل کی تشکیل کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔

اس مرحلہ پر انسان کے قوانین تربیت کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کے نظاموں میں تربیتِ اولاد کا کام پیدائش کے چند برس گذر جانے کے بعد شروع ہوتا ہے جب بچہ بظاہر شعور کی منزلوں میں قدم رکھنے لگتا ہے لیکن دین اسلام نے یہ کام اس وقت سے شروع کیا ہے جب بظاہر بچہ کی زندگی کا بھی پتہ نہیں ہوتا اور اکثر انسان اس کے وجود سے بھی غافل رہتا ہے۔

اسلام نے ایک طرف عقدِ نکاح کی بنیاد میں کثرتِ نسل کو رکھ کر انسان کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا کہ خبردار ازدواج کا مقصد صرف جنسی تسکین اور ہوا و ہوس کو نہ قرار دینا۔ اس کا ایک مقدس مقصد یہ بھی ہے کہ نسل بنی آدمؑ میں اضافہ ہو اور انسان کا قافلۂ وجود صبحِ قیامت تک چلتا رہے۔ پھر نسل و ذرّیت کے ساتھ امتِ مسلمہ کی کثرت کا حوالہ دیا تاکہ انسان صرف تولید انسان کا فرض انجام نہ

دے بلکہ تکثیر مسلمین کا فرض انجام دے اور اسے یہ خیال رہے کہ مجھے صرف انسانی آبادی میں اضافہ کرنا نہیں ہے بلکہ میرا کام اسلامی آبادی کا اضافہ ہے اور یہ احساس انسان کو ان تمام ذمہ داریوں کی طرف خود بخود متوجہ کر دیتا ہے جو ایک امتِ مسلمہ کے وجود کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ انسان کا اضافہ بہت آسان ہے اور مسلمان کا اضافہ بہت مشکل ہے۔ مسلمان کے اضافہ کے لئے مرد و عورت میں مخصوص صفات درکار ہوتے ہیں۔ دونوں کے لئے ایک مخصوص ذہنیت ضروری ہوتی ہے۔ جنسی ارتباط و تعلق کے وقت ایک مخصوص کیفیت طاری کرنا ہوتی ہے اور جنسی عمل میں ایک مخصوص تصور کارفرما ہوتا ہے۔ جب یہ سارے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں تو ایک مسلمان کے وجود کی زمین ہموار ہوتی ہے۔ اس کے بعد آنے والا دنیا میں آئے گا یا نہیں اور آنے کے بعد مسلمان رہے گا یا نہیں، یہ بعد کے مراحل ہیں۔ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ ان اسباب کو فراہم کر دے اور حالات مہیا کر دے۔ اس کے بعد نہ وہ خالق و مالک ہے اور نہ تقدیر ساز ہے۔ تخلیق کا کام خالق کے ہاتھوں میں ہے اور تقدیر سازی بھی اس کے اختیار و اقتدار کی بات ہے۔

اسلام کے انیس خانگی معاشرت کے آداب کا تذکرہ مختلف ابواب میں کیا گیا ہے۔

۱۔ ارادہ نکاح

نکاح اسلام میں امر مستحب ہے جس کے استحباب اور اس کی محبوبیت کا ذکر قرآن اور سنت دونوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس راہ میں غربت دور کرنے کا بھی حوالہ دیا ہے کہ انسان فقیر بھی ہے تو مالکِ کائنات اپنے فضل و کرم سے اسے غنی اور مالدار بنا دے گا کہ آنے والی عورت خود بھی اپنا رزق لے کر آئے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے مقدر کا رزق مرد کے مقدر سے زیادہ ہو ــــــ پھر تجرباتی دنیا میں بھی جب انسان پر ذمہ داریوں کا بوجھ پڑتا ہے تو لاپروائی احساس ذمہ داری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ مجبور ہو کر کوئی نہ کوئی کام شروع کر دیتا ہے۔ حرکت میں برکت مشہور محاورہ ہے۔ جب انسان تلاشِ رزق کا کام شروع کر دیتا ہے تو پروردگار عالم بھی رحمت

کے دروازے کھول دیتا ہے۔

نکاح ایک طرف برائیوں کے راستے بند کرتا ہے کہ انسان جنسی بے راہ روی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے پاس بدکاری کا رسمی جواز بھی نہیں رہ جاتا ــــ اور دوسری طرف رزق کے دروازے کھول دیتا ہے کہ عورت اپنے حصّہ کا بھی رزق لے کر آجاتی ہے۔ گھر میں سامانِ جہیز بھی آجاتا ہے اور نفس میں احساسِ ذمہ داری بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

روایات میں عورت کی محبت کو اخلاقِ انبیاء اور اضافہ خیر قرار دیا گیا ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ انسان جس قدر عورت سے محبت کرے گا اس کے ایمان میں اضافہ ہوگا کہ برائی کے راستے بند ہوتے چلے جائیں گے۔ اپنی عورت سے بیزاری برائی کے راستے پر لگا سکتی ہے لیکن عورت کی واقعی اور اسلامی محبت خیر کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتی۔

غیر شادی شدہ رہ جانا اسلام کی نگاہ میں مکروہ ہے اور ایسے انسان کو بدترین انسان قرار دیا گیا ہے۔ غیر شادی شدہ رہ جانا علامت ہے کہ انسان کے دل میں عورت کی محبت نہیں ہے اور وہ زندگی میں ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کی نگاہ میں امّتِ اسلامیہ میں اضافہ اور محبانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی کثرت کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

مجبوری کے مسائل اپنے مقام پر ہیں۔ اختیاری حالات میں غیر شادی شدہ رہ جانا انسان کی غیر ذمہ دارانہ شخصیت کی بہترین علامت ہے۔ اس راہ میں فرضی بہانے بھی کارآمد نہیں ہیں۔ ربُّ العالمین کی نگاہ میں امّتِ اسلامیہ کے اضافہ سے بالاتر کوئی مصلحت نہیں ہے اور وہ اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے مایوس یا غیر ذمہ دار نہیں دیکھنا چاہتا۔

نکاح کا استحباب خواہش مند اور غیر خواہش مند دونوں طرح کے افراد کے لئے ہے اور اس کا خاتمہ ایک عقد کے بعد نہیں ہو جاتا بلکہ آخری حد جواز تک باقی رہتا ہے اور پھر اس کے بعد عقد منقطع کے استحباب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ بس اسلام کا ایک مقصد ہے کہ جنسی رشتہ جنسی مسائل کا علاج رہے۔ جنسی ہوسناکی کی علامت نہ بن جائے کہ اسلام کی عزت

بھی خطرہ میں پڑجائے اور افراد کا کردار مذہب کی بدنامی کا باعث بن جائے۔

ارادۂ نکاح کے وقت حسب ذیل آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :۔

۱۔ عقد سے پہلے پیغام دیا جائے تاکہ کام مرتب اور منظم شکل میں شریفانہ انداز سے انجام پائے۔

۲۔ پیغام سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ کر مالک کی بارگاہ میں دعا کی جائے کہ وہ ہر اعتبار سے بہترین عورت کا انتخاب فرمادے۔

۳۔ عقد کے بعد ایک یا دو دن ولیمہ کیا جائے اور اس میں حتی الامکان فقراء کو مدعو کیا جائے تاکہ ایک خوشی کئی لوگوں کی خوشی کا باعث بن جائے۔ اغنیاء کو بھی مدعو کیا جا سکتا ہے لیکن فقراء کا حق مقدم ہے۔

۴۔ عقد سے پہلے خطبہ پڑھا جائے جس میں حمد و نعمت و شہادتین و صلوات کے ساتھ تقویٰ کی وصیت اور طرفین کے حق میں دعائے خیر ہو۔

۵۔ مومنین کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔

۶۔ عقد رات میں ہو کہ یہی مستحب بھی ہے اور اسی میں عورت کے وجہ سکون ہونے کی اشاریت بھی ہے۔

۷۔ قمر در عقرب کے وقت عقد نہ ہو۔

۸۔ بدھ کے دن عقد نہ ہو۔

۹۔ مہینہ کی منحوس تاریخوں میں عقد نہ ہو یعنی ۳-۵-۱۳-۱۶-۲۱-۲۴-۲۵

۱۰۔ مہینہ کی آخری دو یا تین راتوں میں عقد نہ ہو۔

۱۱۔ ایسی عورت کا انتخاب کیا جائے جو کنواری، محبت کرنے والی، پاکدامن اور قابلِ تولید ہو۔ نسلی اعتبار سے ولادتِ زنا و حیض یا بدنام نہ ہو۔ گندمی آنکھیں، صحت مند، خوش اخلاق، اچھے بالوں والی، شوہر کی مددگار، گھرانے میں عزت دار، شوہر کے سامنے خاکسار۔ گھر میں زینت کرنے والی، باہر سادگی سے رہنے والی، اطاعت شعار اور دیانتدار ہو۔

مذکورہ آداب اگرچہ واجب نہیں ہیں لیکن ان سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام ازدواج سے کیا چاہتا ہے اور اس کا واقعی مقصد کیا ہے۔

۲۔ آدابِ جنسی تعلقات

زوجہ سے جنسی تعلق قائم کرنے سے پہلے حسب ذیل آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :۔

۱۔ قبل دخول یا بعد دخول ولیمہ کیا جائے۔

۲۔ مقاربت رات کے وقت ہو تاکہ حیا و شرم کا سلسلہ مجروح نہ ہونے پائے۔

۳۔ انسان باوضو ہو۔

۴۔ دو رکعت نماز ادا کرکے دعا پڑھے کہ خدا الفت و محبت عطا کرے اور زندگی کو خوشگوار بنائے۔ اولاد دے تو نیک و صالح کہ شیطان اس کی زندگی میں شریک نہ ہونے پائے۔

۵۔ شب چہارشنبہ مقاربت مکروہ ہے۔

۶۔ مقاربت سے پہلے بسم اللہ اور اعوذ باللہ پڑھے اور خدا سے اولاد صالح طلب کرے۔

۷۔ چاند گہن کی رات اور سورج گہن کے دن جماع مکروہ ہے۔

۸۔ سرخ، زرد، سیاہ آندھیوں کے وقت جماع مکروہ ہے کہ یہ علامات قیامت ہیں اور اس وقت انسان کو یادِ خدا میں رہنا چاہئے۔

۹۔ زوال کے وقت۔ غروب آفتاب کے ہنگام۔ تحت الشعاع کی حالت میں طلوعِ فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان۔ ماہ رمضان کے روزوں۔ ہر مہینے کی چاند رات۔ ہر مہینہ کی پندرہ[۱۵] تاریخ۔ اذان و اقامت کے درمیان۔ بقرعید کی شب کشتی میں یا رو بقبلہ یا پشت بقبلہ یا سر راہ یا برہنہ ہوکر یا بدخوابی کے بعد وضو یا غسل سے پہلے یا خضاب لگا کر یا بالکل شکم سیر ہوکر یا کھڑے کھڑے یا پھل والے درخت کے نیچے یا کھلی چھت پر یا کسی چھوٹے بچہ کی بھی موجودگی میں یا حالتِ جماع میں عورت کی شرمگاہ کو دیکھتے ہوئے یا ذکر خدا کے علاوہ کوئی بات کرتے ہوئے یا نامِ خدا اور آیتِ قرآن وغیرہ کی انگوٹھی پہن کر جماع کرنا مکروہ ہے۔

۱۰۔ جماع کے لئے بہترین زمانہ شب دوشنبہ۔ شب سہ شنبہ۔ شب پنجشنبہ۔ روز پنجشنبہ وقت زوال۔ روز جمعہ بعد عصر اور عورت کی خواہش کے وقت ہے۔

۳۔ آدابِ ازدواج

۱۔ شادی کے لئے کوشش کرنا اور طرفین کو راضی کرنا مستحب ہے۔

۲۔ بلوغ کے بعد لڑکی کا فوراً عقد کر دینا مستحب ہے۔

۳۔ عورت کو حتی الامکان گھر میں رکھنا اور اجنبی افراد کے داخلہ پر پابندی رکھنا مستحب ہے۔

۴۔ بلوغ سے پہلے بچوں کا نکاح کر دینا مکروہ ہے۔

۵۔ شادی کے خرچ اور مہر کا کم سے کم رکھنا مستحب ہے۔ یہاں تک کہ ایک سورۂ قرآن کی تعلیم پر بھی عقد ہو سکتا ہے اور یہ بہترین مہر ہے۔

۶۔ مقاربت سے پہلے خوش فعلی کرنا اور عورت کا دل خوش کرنا مستحب ہے۔

۷۔ مقاربت میں جلد بازی اور حیوانیت سے کام لینا خلافِ ادب ہے۔

۸۔ مستحب ہے کہ عورت کے گھر میں آنے کے بعد اس کے پیروں کو دھو کر اس کا دھوون سارے گھر میں چھڑک دیا جائے کہ یہ باعثِ برکت ہے اور اس طرح عورت کی عظمت و اہمیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

۹۔ مستحب ہے کہ شادی کے پہلے ہفتہ میں عورت کو لبنیات، سرکہ، سیب ترش کے استعمال سے روک دیا جائے۔

۱۰۔ جماع کے بعد ایک ہی کپڑے سے دونوں کا نجاست صاف کرنا مکروہ ہے۔

۱۱۔ زیرِ آسمان مجامعت کرنا مکروہ ہے۔

۱۲۔ انسان اپنی زوجہ کے ہر جزو بدن کو دیکھ سکتا ہے، مس کر سکتا ہے اور بوسہ دے سکتا ہے بشرطیکہ خلاف شرافت و انسانیت کوئی عمل نہ ہو۔

ان احکام سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام انسان کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت

کی اعلیٰ منزلوں تک لے جانا چاہتا ہے اور اسے بہترین اخلاق وکردار کا حامل بنانا چاہتا ہے۔ وہ نہ یہ چاہتا ہے کہ انسان زاہد خشک ہوکر رہبانیت اختیار کرلے اور اس طرح مردم بیزاری یا خودکاری کا شکار ہوجائے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ اس میں ہوا وہوس کی کیفیت پیدا ہوجائے۔

اس نے دونوں کے درمیان بہترین راستہ نکالا ہے کہ ایک طرف نکاح کی ترغیب دلائی۔ غربت وافلاس کے خوف کو دل سے نکال کر مالداری اور حاجت روائی کا وعدہ کیا اور دوسری طرف یہ ہدایت دی ہے کہ اگر عقد ممکن نہیں ہے تو شہوت کا علاج بدکاری یا خودکاری سے نہ کرے بلکہ بال بڑھائے اور روزہ رکھے کہ اس طرح شہوت دب جاتی ہے اور جذبات پر قابو حاصل ہوجاتا ہے۔

ایک طرف اپنی عورت کے سراپا کو بوسہ دینے کا اختیار دیا اور دوسری طرف چھ برس کی اجنبی بچی کو گود میں بٹھانے یا بوسہ دینے پر پابندی عائد کردی کہ مبادا شیطانِ رجیم نیت میں فتور پیدا کرادے اور دین وایمان خطرہ میں پڑجائے۔

ایک طرف ہر نامحرم عورت پر نگاہ کو حرام قرار دیا اور دوسری طرف جس عورت سے عقد کرنا چاہتا ہے اس پر نگاہ کرنے کو جائز قرار دے دیا تاکہ کسی طرح کا دھوکہ نہ ہو اور انسان اپنی ذاتی پسند کے تحت عقد کرے۔

ایک طرف نابینا مرد کے جسم پر بھی عورت کی نگاہ کو حرام قرار دے دیا اور دوسری طرف ضرورت کے حالات میں علاج یا گواہی وغیرہ کے مواقع پر مرد کی نگاہ کو بھی جائز قرار دے دیا۔

ایک طرف عورت کو سلام کرنا یا اسے کھانے پر مدعو کرنا مکروہ بنا دیا تو دوسری طرف اس کی آواز سننے کو جائز بنا دیا تاکہ زندگی کے معاملات انجام پاسکیں اور معاشرہ معطّل ہوکر نہ رہ جائے۔

ایک طرف نماز جماعت کی عمومی ترغیب دلائی اور دوسری طرف مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو مکروہ قرار دے دیا کہ عورتیں شریکِ جماعت بھی ہوں تو فقط پردہ کے ساتھ نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے تاکہ خلط ملط صادق نہ آئے اور دین کے معاملات میں دنیا شریک نہ ہونے پائے۔

ایک طرف مومنہ عورت پر ایک نگاہ کو بھی ممنوع رکھا اور دوسری طرف کافرہ پر بلا شہوت

نگاہ کو جائز بنا دیا تاکہ اسلام کے احترام اور کفر کی بے وقعتی کا اندازہ لگایا جا سکے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام معاشرہ کو کس انداز کی تربیت دینا چاہتا ہے اور انسان کو اعمال، کردار، اخلاق، حرکات و سکنات اور ارادہ و نیت کی منزلوں میں کس طرح طیب و طاہر اور پاک و پاکیزہ بنانا چاہتا ہے۔ اسلام کے احکام سے بے خبر اور اس کے نظامِ تربیت سے ناآگاہ افراد نہ اخلاقیات کا اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ باعزت اور باوقار زندگی کے معنی سمجھ سکتے ہیں۔

اسلام نے خالص جنسی مسائل میں بھی مذہب کو اس طرح داخل کر دیا ہے کہ مسلمان اس ہیجانی مرحلہ میں بھی حیوان نہ بننے پائے اور اس کا مقصد صرف تسکین جذبات نہ ہو ـــــ بلکہ وہ حساس ترین مراحل میں بھی مسلمان رہے اور اپنے اسلام کو اپنی زندگی کا جزو بلکہ کل سمجھے ـــــ اسلام زندگی کا عارضی مسئلہ نہیں ہے کہ انسان جب چاہے مسلمان بن جائے اور جب چاہے اسلام سے آزاد ہو جائے۔

اسلام زندگی کے سارے مسائل و مشکلات کا واحد حل ہے۔ اس کے اخلاق و آداب کا انتیار کرنا ایک شرافت مند انسان کا فریضہ ہے اور اس کے بغیر کوئی انسان واقعی انسانی زندگی نہیں گذار سکتا۔

ازدواج اور اجتماع کے ان احکام کے بعد اسلام آنے والی نسل کی تربیت کا دوسرا دور شروع کرتا ہے اور ولادت و تربیت کے احکام و قوانین کی طرف توجہ دلاتا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سبق ۴۴

آدابِ ولادت وتربیت

یہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ دین اسلام نے نکاح کے جنسی رشتہ کو مقدس اور پاکیزہ بنانے کے لئے ولادت کو نکاح کا ایک اہم ترین مقصد قرار دیا ہے۔ سرکار دو عالمؐ نے واضح لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ نکاح کرو نسل بڑھاؤ تاکہ تمہاری تعداد میں کثرت پیدا ہو اور میں روزِ قیامت دیگر امتوں کے مقابلہ میں فخر کر سکوں کہ میری امت میں کلمہ توحید کے زبان پر جاری کرنے والے اور نظامِ الٰہی کے اپنانے والے زیادہ پیدا ہوئے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نکاح کی جنسی حیثیت کو اہمیت نہیں دیتا یا اس کو یکسر ختم کر دینا چاہتا ہے۔ وہ نکاح کو جنسی مسائل کا حل ہی سمجھتا ہے لیکن انسان کے تزکیۂ نفس اور اس کے افکار کو بلند تر بنانے کے لئے اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے کہ تولید مثل کا کام تو جانور بھی کر لیتے ہیں اور جنسی بھوک کا علاج تو ان کے پاس بھی ہے۔ انسان کو اس سے بلند تر ہونا چاہئے اور اس کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ وہ صرف جنسی تسکین کا انتظام نہیں کر رہا ہے۔ انسانی آبادی میں اضافہ کرنا چاہتا ہے اور صرف انسانوں میں اضافہ نہیں کر رہا ہے۔ اللہ کے بندوں اور کلمہ پڑھنے والوں میں اضافہ کر رہا ہے۔ یہ تصور انسان کو تمام فراہم کرنے کی دعوت دے گا جو ایک مسلمان نسل کی تشکیل و تولید کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

انھیں مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلام نے ولادت اور تربیت کے معاملات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اس نے اگر صحت و حالات کے پیشِ نظر اس بات کی اجازت دی

ہے کہ انسان ضبطِ تولید کے وہ وسائل اختیار کرے جن سے نطفہ نہ قرار پانے پائے اور مادّہ عورت کے رحم تک نہ پہنچنے پائے ـــــ تو اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ اگر نطفہ رحم تک پہنچ گیا اور استقرار پیدا ہوگیا تو اس کے اسقاط کی شدید ترین سزا دی جائے گی کہ وہ ایک انسانی زندگی کا خون ہے اور انسانیت کا قتل کسی مرحلہ پر جائز نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر انسانی نسل کی روک تھام صحیح نہیں ہے تو لوپ کا استعمال یا مادّہ کا فرج سے باہر گرا دینا کس طرح جائز ہے ـــــ اس لئے کہ جو مادّہ اپنی منزل تک نہیں پہنچا اسے انسانی زندگی کی بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔ بچہ نہ باپ کے صلب میں پیدا ہوتا ہے اور نہ رحم کے باہر۔ بچہ کی ولادت کے لئے رحم مادر ضروری ہے اور ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب اگر بچہ رحم مادر کی منزل سے باہر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں اس کے انسان بننے کا کوئی سوال نہیں ہے لیکن اگر رحم مادر تک پہنچ گیا اور استقرار پیدا ہوگیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کا سفر شروع ہوگیا۔ اب یہ سفر ابتدائی مراحل میں ہے تو سزا کم ہوگی اور دیت کم دینا پڑے گی ۔ صرف بیس مثقال سونا ـــــ لیکن سزا ضرور رہے گی تاکہ انسان آدم کشی کی لعنت میں گرفتار نہ ہو ـــــ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جو انسان اپنے آرام و آسائش کی خاطر اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کا وجود برداشت نہیں کر سکتا وہ دوسروں کے وجود کو کس طرح برداشت کرے گا۔ یہی انسان اگر کسی وقت صاحبِ اختیار و اقتدار ہوگیا تو ستر ہزار بچوں کا خون کر دے گا اور اسے کسی طرح کا صدمہ نہ ہوگا کہ اپنا اقتدار اسی بات پر موقوف ہے اور جنہیں قتل کرنا چاہتا ہے وہ اپنی اولاد نہیں ہے۔ فرعونیت کسی خاص سرزمین پر جنم نہیں لیتی۔ اس کا وجود ہر نفس بشر کے اندر پایا جاتا ہے۔ نفس میں صلاحیت اور پابندیٔ دین کا جذبہ ہوتا ہے تو انسان موسیٰ بن کر اندر کے فرعون کو ختم کر دیتا ہے اور نفس میں شرارت و شیطنت کے جراثیم ہوتے ہیں تو انسان اسی فرعون کو اتنا بڑھاوا دیتا ہے کہ اس کا سراپا وجود فرعون بن جاتا ہے اور پھر وہ انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ ان فلسفوں اور بہانوں کی شکل میں بلند کرتا ہے جو اسقاط کے جواز کے لئے تراشے جاتے ہیں اور جن کی بنا پر مہذب، پڑھا لکھا، دانشور طبقہ نسل کشی پر آمادہ

ہے اور ہوس راں حکمراں ان جذبات کی حوصلہ افزائی کرکے ان کی حمایت میں قوانین بنا رہے ہیں۔

اسلام نے ولادت و تربیت کے مرحلہ پر حسب ذیل امور کو قابل لحاظ قرار دیا ہے۔

۱۔ ولادت کے موقع پر کسی نامحرم مرد کی موجودگی اور اس کا ایسے اعمال انجام دینا جو عورت کی پردہ داری کے خلاف ہیں یا ایسے مقامات پر نظر کرنا جن پر نظر کرنا حرام ہے ـــــ جائز نہیں ہے۔ شوہر زوجہ کے تمام امور انجام دے سکتا ہے کہ وہ مکمل محرم ہے۔

۲۔ ولادت کے بعد بچہ کو غسل دینا مستحب ہے بشرطیکہ اس سے بچہ کو کوئی نقصان نہ ہو۔

۳۔ غسل کے بعد داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے۔

۴۔ بچہ کے حلق میں آبِ فرات اور خاکِ شفا کے قطرات و ذرات کا ڈالنا مستحب ہے۔

۵۔ اولاد کا باپ پر حق ہے کہ اس کا بہترین نام رکھے جو بابرکت اور خدا و رسولؐ یا معصومینؑ سے تعلق رکھتا ہو۔

۶۔ چار بچے ہوں اور ایک کا نام بھی محمد نہ ہو یہ بہت برا ہے۔

۷۔ جس بچہ کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابوالقاسم قرار دینا مکروہ ہے۔

۸۔ ساتویں دن بچہ کے سر کے بال کاٹ کر اس کے وزن کے برابر سونا یا چاندی تصدق کیا جائے۔ عقیقہ اس کے علاوہ دوسرا کام ہے۔

۹۔ ولادت کے موقع پر ولیمہ کرنا مستحب ہے جس طرح ختنہ کے موقع پر بھی ولیمہ مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ولادت کا ولیمہ اسی دن کیا جائے لیکن چند روز کی تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ ختنہ کرنا واجبات میں ہے اور بہتر یہ ہے کہ ساتویں دن ہو جائے۔ لڑکی کا ختنہ واجب نہیں ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ولی ہی ختنہ کرا دے البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر بلوغ سے پہلے ولی نے ختنہ نہیں کرا دیا ہے تو بلوغ کے بعد خود ختنہ کرائے۔

۱۱۔ کافر مسلمان ہو جائے تو اس کا فرض بھی ہے کہ اپنا ختنہ کرائے چاہے کسی قدر عمر رسیدہ ہو گیا ہو۔

۱۲۔ ختنہ کی احتیاط یہ ہے کہ سارے حشفہ کا غلاف الگ کر دیا جائے۔

۱۳۔ بچہ ختنہ شدہ پیدا ہوا ہے تو دوبارہ ختنہ ضروری نہیں ہے۔

۱۴۔ ختنہ کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ کافر حربی بھی یہ کام انجام دے سکتا ہے۔

۱۵۔ بچوں کا عقیقہ کرانا مستحب ہے کہ ان کی طرف سے ایک جانور ذبح کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ لڑکے کے لئے نر اور لڑکی کے لئے مادہ جانور ہو۔

۱۶۔ بہتر ہے کہ عقیقہ بھی ساتویں دن ذبح کرا دیا جائے۔ ویسے بالغ ہونے کے بعد تک استحباب باقی رہے گا۔

۱۷۔ جانور کو بھیڑ بکری، گائے یا اونٹ ہونا چاہئے۔ مرغی مرغہ پر عقیقہ نہیں ہو سکتا اور نہ جانور کے بجائے قیمت دی جا سکتی ہے۔

۱۸۔ مستحب ہے کہ جانور میں قربانی کے تمام شرائط پائے جائیں لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

۱۹۔ عقیقہ کا گوشت کچا یا پکا تقسیم کیا جا سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ پکا کر مومنین کی دعوت کر دے اور کم سے کم دس آدمیوں کو مدعو کیا جائے۔ باپ اور اس کے متعلقین کا کھانا مکروہ اور ماں کا کھانا خلافِ احتیاط ہے۔

۲۰۔ ماں کے لئے مفت یا اجرت لے کر بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے اور دودھ پلانے کے بعد بھی شوہر سے اجرت لے سکتی ہے کہ نفقہ باپ پر واجب ہوتا ہے ماں پر نہیں البتہ اگر ماں دودھ پلانا چاہے اور اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو اس کے خدمات کا رد کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲۱۔ ماں کا دودھ بچہ کے لئے بہترین غذا ہے اور شوہر کے لئے بہتر یہ ہے کہ ماں ہی سے دودھ پلائے کہ اس میں برکت پائی جاتی ہے۔

۲۲۔ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو برس ہے لیکن اس میں تین مہینے کم کئے جا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کم کرنا مناسب نہیں ہے بشرطیکہ کوئی نقصان نہ ہو۔ دو برس سے زیادہ بھی دودھ پلایا جا سکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۳۔ بچہ کی تربیت میں بھی پہلا حق ماں کا ہے کہ دو برس تک باپ کو اس سے جدا کرنے کا حق نہیں ہے، چاہے وہ دودھ نہ بھی پلاتی ہو۔ دو برس کے بعد لڑکے پر باپ کا حق مقدم ہو جاتا ہے۔ اور لڑکی پر سات برس تک ماں کا حق مقدم رہتا ہے چاہے ماں کی طلاق ہی کیوں نہ ہو جائے۔ البتہ اگر اس نے عقد ثانی کر لیا ہے تو اس کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

۲۴۔ لڑکے کے بالغ ہو جانے کے بعد پرورش کا حق ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنا صاحب اختیار ہو جاتا ہے۔ اب اس کے اختیارات میں ماں باپ کو بھی دخل دینے کا حق نہیں ہے۔

سبق ۴۵

آدابِ طہارت

اسلام کے بنیادی مقاصد میں ایک مسئلہ طہارت بھی ہے۔ اسلام اپنے چاہنے والوں کو ظاہر و باطن، جسم و روح، افعال و اعمال، عقائد و کردار ہر اعتبار سے طیب و طاہر اور پاک و پاکیزہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے اس طہارت کے حصول کے لئے بے شمار قوانین وضع کئے ہیں۔

روحانی طہارت کے لئے جہالت، بغض و حسد، کینہ، کدورت، بخل اور ایسے تمام بدترین صفات نفسانیہ کو عیب، نقص اور ایک طرح کا جرم قرار دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں پاکیزہ صفات کے اختیار کرنے کی پرزور دعوت دی ہے۔

مالی طہارت کے لئے خمس، زکوٰۃ، خیرات، انفاق و کرم، جود، سخاوت اور ایسے بہت سے اعمال کی دعوت دی ہے جن سے مال پاک و پاکیزہ ہوجاتا ہے اور زکوٰۃ کے تو معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔ اس کا استعمال نفس اور مال دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ گویا اس سے انسان کا مال بھی پاک ہوجاتا ہے کہ اس میں سے صاحبانِ حق کا حق نکل جاتا ہے اور صرف اپنا مال رہ جاتا ہے — اور نفس بھی پاکیزہ ہوجاتا ہے کہ اس سے حبِ مال اور ہوس دنیا نکل جاتی ہے۔ حبِ مال اور ہوسِ دنیا انسانی زندگی کے بے شمار جرائم کی بنیاد ہے۔ انسان میں حبِ دنیا پیدا ہوجائے تو اس سے کسی خیر کی امید نہیں ہے اور ہر شر و عیب کا خطرہ ہے۔ معصومینؑ کی دعاؤں میں یہ فقرہ خاص طور سے پایا جاتا ہے کہ "پروردگار میرے دل سے محبتِ دنیا کو نکال دے۔ ظاہر ہے کہ معصومؑ کو یہ خطرہ اپنے نفس یا اپنی زندگی کے لئے نہیں ہے، یہ خطرہ ہماری زندگی کے لئے ہے جس کی طرف دعاؤں

کی شکل میں ہمیں متوجہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو اس طرح کی کوشش بھی کرنی چاہئے اور اس مقصد کے لئے دعا بھی کرنا چاہئے۔

عقائد کی تطہیر کے لئے علم و معرفت کو واجب قرار دیا ہے اور اصول و عقائد میں تقلید کو حرام کر دیا ہے کہ انسان عقل و فکر اور ہوش و حواس سے کام لے کر پاکیزہ عقائد اختیار کرے اور اس کے دل و دماغ میں نامناسب اور خبیث عقائد کو جگہ نہ ملنے پائے۔

اعمال و افعال کی طہارت کے لئے واجبات اور محرمات کا سلسلہ قائم کیا جن کے ذریعہ انسان اپنے اعمال و افعال کو پاک و پاکیزہ بنا سکتا ہے۔ واجبات اعمال کو طیب و طاہر بناتے ہیں اور محرمات سے اجتناب زندگی سے کثافت و خباثت کو دور کرتے ہیں۔

ان تمام مسائل سے متعلق گفتگو عقائد اور اعمال کے ذیل میں ہو چکی ہے۔ اس وقت موضوعِ بحث جسمانی طہارت ہے جس کے لئے متعدد ابواب قائم کئے گئے ہیں اور اکثر کا تذکرہ ہو بھی ہو چکا ہے مقصود اصلی ان مسائل اور نکات کا تذکرہ ہے جن کی طرف عمداً ذہن متوجہ نہیں ہوتے اور اسلام کے علاوہ دیگر نظاموں میں ان کا تذکرہ بھی نہیں ہے اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ماحول کا پروردہ مسلمان ہو جاتا ہے یا جاہل مسلمان ماحول کا پلنے والا راہِ راست پر آجاتا ہے تو اسے عبادات اور مالیات کے احکام بتا دیئے جاتے ہیں اور وہ ان کے مطابق عمل شروع کر دیتا ہے۔ وہ یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کرتا کہ ان عبادات کے علاوہ بھی میری کچھ ذمہ داریاں ہیں اور اکثر بتانے والے بھی اس نکتہ سے غافل ہو جاتے ہیں کہ جن برائیوں کو نہیں دیکھتے ہیں ان کے بارے میں کیا ہدایت دیں اور کس طرح سمجھائیں کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا نہ ہونا چاہئے۔ یہ صرف صاحبانِ شریعت اور ذمہ دارانِ اسلام کی باریک بینی تھی کہ انھوں نے احکام کے بیان کرنے میں بلا تکلف ان نکات کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور ایک مکمل نظامِ حیات پیش کر دیا ورنہ نہ کوئی دریافت کرتا اور نہ کسی کو بتانے کی نوبت آتی اور اس طرح نجاست نسلوں میں منتقل ہوتی رہتی۔

اسلام کے علاوہ کون سا نظامِ حیات ہے جس میں ایک پیشاب یا پاخانہ کرنے کے لئے

اتنے زیادہ احکام بیان کئے گئے ہوں اور انسان کو ان تمام خصوصیات کی طرف متوجہ کیا ہو۔

آج کے دور میں اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جاہل انسان دیندار ہوجاتا ہے یا کافر مسلمان ہوجاتا ہے تو اس کی خلوتوں کا انداز وہی رہتا ہے جو اس نے دورِ قدیم میں پرانے ماحول میں سیکھا ہے اور اس طرح واقعی طہارت سے محروم رہ جاتا ہے کہ کوئی اس کی خلوت سے باخبر بھی نہیں ہوتا کہ اسے صحیح تعلیم دے سکے اور اسے غلطیوں کی طرف متوجہ کرسکے۔

ذیل میں اس سلسلہ کے چند نکات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

آداب بیت الخلاء

✪ انسان پیشاب یا پاخانہ کرنا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ قبلہ کی طرف منھ یا پیٹھ کرکے پیشاب پاخانہ نہ کرے چاہے کھڑے ہوکر پیشاب کرے یا بیٹھ کر، گھر میں ہو یا صحرا میں، عورت ہو یا مرد قبلہ کا احترام سب کے لئے ضروری ہے اور نہ معلوم ہو تو پہلے معلوم کرے کہ قبلہ کس طرف ہے۔ اس کے بعد اس رخ سے ہٹ کر پیشاب یا پاخانہ کرنے کا ارادہ کرے۔

آج کے دور میں انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ اکثر گھروں میں پخانے قبلہ کے رخ پر بنے ہیں اور صبح و شام یہ فعل حرام ہو رہا ہے یا بہت سے لوگ گھر سے باہر پیشاب کرنے میں راہگیروں کا خیال تو کرتے ہیں، قبلہ کا خیال نہیں کرتے۔ یہ انتہائی نامناسب بات ہے بلکہ بعض لوگ تو شرم و حیا کے حدود سے بھی گذر جاتے ہیں اور راہگیروں کی پرواہ کئے بغیر پیشاب کرنے کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور انھیں شرم و حیا کا بھی خیال نہیں رہ جاتا حب کہ یہ معلوم ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ ہونے کے علاوہ انسان میں بیحیائی اور اکثر اوقات نجاست سے لاپروائی کا جذبہ پیدا کراتا ہے اور پیشاب کی نجاست سے لاپروائی ایسا جرم ہے جس پر قیامت سے پہلے عذاب قبر کی بھی خبر دی گئی ہے اور انسان کو فشار قبر سے ڈرایا گیا ہے۔

✪ قبلہ کے لحاظ کے علاوہ ستر پوشی کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ کوئی سمجھدار دیکھنے والا

سامنے موجود نہ ہو۔ چھوٹا بچہ یا ایسی عورت سامنے ہے جس کا نظر کرنا جائز ہے تو کوئی بات نہیں ہے ورنہ ستر پوشی بہر حال ضروری ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، محرم ہو یا نامحرم۔

ستر پوشی سے مراد صرف آگے اور پیچھے کا چھپانا ہے۔ اس سے زیادہ کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں ہے دیگر مسائل سے ہے مثلاً نماز کا مسئلہ یا حجاب کا مسئلہ۔

✪ قبلہ کے مسئلہ میں بالکل قبلہ داہنے یا بائیں ہونا واجب نہیں ہے بلکہ ذرا بھی انحراف ہو جائے کہ اسے رو بقبلہ نہ کہا جائے تو کافی ہے جس طرح ستر کے مسئلہ میں اصل عضو کا ستر کافی ہے حجم کا چھپانا واجب نہیں ہے اور اس لئے لنگوٹ کا استعمال کرنا ستر پوشی میں شامل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عام حالات میں شرم و حیا کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اسلام حیا کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا اعلان ہے کہ "جس کے پاس حیا نہیں ہے اس کے پاس دین نہیں ہے۔

✪ پیشاب کی طہارت پانی کے بغیر ناممکن ہے۔ پانی موجود نہیں ہے تو کاغذ یا کپڑے سے خشک کر سکتا ہے لیکن طہارت اسی وقت حاصل ہوگی جب پانی سے دھولے گا۔ خشک کرنے کا فائدہ صرف یہ ہوگا کہ اس طرح لباس نجس نہ ہوگا ورنہ طہارت کے لئے بہر حال پانی ضروری ہے۔

✪ پیشاب کے استنجاء میں یہ احتیاط لازم ہے کہ دو مرتبہ پانی ڈالا جائے چاہے چند قطرے پانی کیوں نہ ہو لیکن اسے دو مرتبہ کر کے ڈالا جائے تاکہ دو مرتبہ دھونا صادق آجائے کہ پیشاب کی طہارت میں دو مرتبہ دھونا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ پانی ڈال دینا کافی نہیں ہے۔ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

✪ پیخانہ کی طہارت کے لئے پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کسی بھی چیز سے صاف ہو جائے پاک ہو جاتا ہے۔ بس یہ ضروری ہے کہ تین عدد ہوں چاہے کاغذ ہو یا کپڑا یا پتھر تین سے کم سے طہارت نہیں ہو سکتی چاہے صفائی ہو جائے۔

جس چیز سے پاخانہ صاف کیا جائے اس کا خود پاک ہونا ضروری ہے۔ نجس چیز سے طہارت کا کام نہیں لیا جا سکتا۔

پیشاب کی طہارت میں ہاتھ سے رگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مذی وغیرہ نکل آئے تو اس کا رگڑ کر صاف کرنا ضروری ہے۔

استبراء

استبراء واجبات میں نہیں ہے لیکن اس کا فائدہ یہ ہے کہ استبراء کے بعد اگر کوئی رطوبت نکل آتی ہے اور اس کے بارے میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ پیشاب کا کوئی باقی ماندہ قطرہ ہے تو اسے پیشاب نہیں قرار دیتے بلکہ پاک قرار دے کر طہارت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

استبراء صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ تھوڑی دیر انتظار کریں اور شرمگاہ کو عرض میں دبا دیں تاکہ سارے قطرات باہر نکل جائیں۔

مردوں کے استبراء کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی کو پاخانہ کے مقام کے پاس عضو تناسل کی جڑ تک تین دفعہ کھینچ کر لوٹیں۔ اس کے بعد اس انگلی کو عضو کے نیچے اور انگوٹھے کو اوپر رکھ کر کنارے تک تین مرتبہ کھینچیں اور پھر سرے کو تین مرتبہ نچوڑ دیں کہ جو کچھ اندر ہو نکل جائے اور یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ اب نالی میں پیشاب کا کوئی قطرہ نہیں رہ گیا ہے۔

مستحبات

مذکورہ واجبات کے علاوہ بیت الخلاء کے بہت سے آداب ہیں جن کا لحاظ رکھنا مکمل طہارت ظاہر و باطن کے لئے ضروری ہے:۔

۱۔ ایسی جگہ بیٹھے جہاں خلوت ہو اور پیشاب کرنے کے لئے بلند جگہ پر بیٹھ کر نرم زمین پر پیشاب کرے۔

۲۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بائیں پیر کو پہلے رکھیں اور نکلتے وقت داہنے پیر کو کہ یہ پیر اشرف ہے اور اسے کم وقفہ کے لئے وہاں رہنا چاہئے۔

۳۔ سر کو ڈھانک لے۔

۴۔ ناک کو بند کرلے۔ ایک ہی کپڑا دونوں کام آسکتا ہے۔

۵۔ بسم اللہ کی تلاوت کرے۔

۶۔ بائیں پیر پر زور دے کر بیٹھے کہ اس طرح فراغت میں سہولت ہوتی ہے۔

۷۔ استبراء کرے اور اس سے پہلے کھانس دے کہ اس طرح قطرات آسانی سے خارج ہوجاتے ہیں۔

۸۔ استبراء اور استنجاء سب بائیں ہاتھ سے کرے۔

۹۔ بیت الخلاء کے حالات سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے کہ جن غذاؤں کی تحصیل کے لئے اس قدر زحمتیں برداشت کیں اور دن رات کے حسین اوقات، حلال وحرام سب ایک کردیا، ان کا آخری انجام اس شکل میں سامنے آیا ہے کہ انسان چند لمحہ بھی برداشت نہیں کرسکتا ہے۔

۱۰ فراغت کے بعد شکر خدا کرے کہ اس نے بغیر کسی زحمت ومشقت کے فراغت نصیب کی۔

مکروہات

۱۔ چاند یا سورج کی طرف رخ کرکے پیشاب یا پاخانہ کرنا۔ شرمگاہ کا پردہ کرلینے یا مکان ودیوار وغیرہ سے یہ کراہت زائل ہوجاتی ہے۔

۲۔ ہوا کے رخ پر پیشاب یا پاخانہ کرنا۔

۳۔ سرراہ یا گھاٹ پر بیٹھ کر پیشاب پاخانہ کرنا۔

۴۔ قافلوں کی منزل، مسجد ومکانات کے راستہ میں، پھل والے درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ کرنا۔

۵ــ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

۶ــ حمام میں یا سخت زمین پر یا جانوروں کے سوراخ میں یا ٹھہرے ہوئے پانی میں بالخصوص رات کے وقت یا ہوا میں پیشاب کرنا۔

۷ــ پیشاب پاخانہ کرتے وقت یا مطلقاً بیت الخلاء میں کھانا پینا۔

۸ــ داہنے ہاتھ سے استنجا کرنا یا بائیں ہاتھ سے اس وقت استنجا کرنا جب اس میں کوئی ایسی انگوٹھی ہو جس پر نامِ خدا لکھا ہو۔

۹ــ بیت الخلاء میں دیر تک بیٹھنا۔

۱۰ــ مومنین کے قبرستان میں پیشاب پاخانہ کرنا۔

۱۱ــ بلا ضرورت کلام کرنا ــــ (ذکرِ خدا۔ آیۃ الکرسی۔ اذان کی حکایت اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

۱۲ــ پیشاب پاخانہ کا روکنا مضرِ صحت نہ ہو تو مکروہ ورنہ حرام ہے۔ کسی وقت ضرورت کی بنا پر روکنا مستحب یا واجب بھی ہو سکتا ہے۔

۱۳ــ نماز سے پہلے، سوتے وقت، جماع سے پہلے، منی نکلنے کے بعد، جانور پر سواری کرتے وقت پیشاب کرنا مستحب ہے۔

بعض علماء کا ارشاد ہے کہ منی یا ودی نکلنے کے بعد۔ جھوٹ بولنے یا ظلم کرنے کے بعد۔ زیادہ مہمل شعر پڑھنے کے بعد۔ قے کرنے کے بعد۔ شہوت سے بوسہ لینے کے بعد۔ کتے کو چھونے کے بعد۔ شرمگاہ کو مس کرنے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے لیکن مناسب یہی ہے کہ ان مقامات پر بہ رجائے مطلوبیت وضو کرے اور بالخصوص استحباب کی نیت نہ کرے۔

وضو کے مستحبات

۱ــ وضو میں پاؤ پانی سے زیادہ سے نہ کیا جائے۔

۲ــ وضو سے پہلے مسواک کی جائے چاہے اپنی انگلی ہی سے ہو۔

۳ــ جس برتن سے وضو کر رہا ہے اسے داہنی طرف رکھے۔

۴ــ وضو شروع کرنے سے پہلے پیشاب یا نیند کے بعد ایک مرتبہ اور پاخانہ کرنے کے بعد دو مرتبہ ہاتھوں کو دھوئے۔

۵ــ تین چلّو پانی سے تین مرتبہ کلی کرے اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے۔ یہ کام ایک چلّو پانی سے بھی ہو سکتا ہے۔

۶ــ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔

۷ــ پانی داہنے چلّو میں لے چاہے بعد میں بائیں چلّو میں لے کر داہنے ہاتھ کو دھوئے۔

۸ــ چہرہ اور ہاتھ کو دو دو مرتبہ مکمل طریقہ سے دھوئے۔

۹ــ مرد کہنیوں پر باہر کی طرف سے پانی ڈالے اور عورت اندر کی طرف سے۔

۱۰ــ ہر عضو میں اوپر کی طرف پانی ڈالے ــــ ورنہ اوپر سے نیچے کی طرف دھونا تو واجبات میں ہے۔

۱۱ــ اعضاءِ وضو پر پانی ڈالے، اعضاء کو پانی میں نہ ڈالے۔

۱۲ــ اعضاء پر ہاتھ بھی پھیرے۔ چاہے پانی اس کے بغیر پہنچ جائے۔

۱۳ــ حضورِ قلب اور توجہ کے ساتھ وضو کرے اور چہرہ دھوتے وقت آنکھوں کو کھلا رکھے۔

۱۴ــ وضو کے وقت انا انزلناہ اور وضو کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے۔

مکروہاتِ وضو

۱ــ مقدماتِ وضو میں کسی سے مدد لینا چاہے پانی ڈالنے ہی میں ہو۔

۲ــ وضو کی تری کا خشک کرنا۔

۳ــ استنجاء کی جگہ پر وضو کرنا۔

۴۔ آفتاب سے گرم کئے ہوئے پانی سے یا نقشی برتن سے وضو کرنا جس پر تصویریں بنی ہوں۔
۵۔ حرام گوشت جانور کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا۔ وغیرہ

حالتِ جنابت کے محرمات

۱۔ قرآن کے حروف کو مس کرنا یا خدا، رسولؐ اور معصومینؑ کے اسمائے گرامی کا مس کرنا۔
۲۔ مسجد الحرام یا مسجد النبی میں داخل ہونا۔
۳۔ دیگر مساجد میں ٹھہرنا گذرنا جائز ہے اور کوئی چیز اٹھانے کے لئے بھی داخل ہوسکتا ہے۔ رکھنے کے لئے داخل ہونا یا ایسی حالت میں باہر ہی سے رکھنا حرام ہے۔
۴۔ جن سوروں میں سجدہ واجب ہے ان کی تلاوت کرنا علی الاحوط آیات سجدہ کی تلاوت کرنا یقیناً حرام ہے۔ دعائے کمیل کی تلاوت میں بھی احتیاط کرنا چاہئے کہ اس میں ایک آیت سورۂ الٓم السجدہ کی ہے۔

مکروہاتِ حالتِ جنابت

۱۔ کھانا پینا۔ وضو کرلے یا ہاتھ دھوکر کلی کرکے ناک میں پانی ڈال لے یا صرف دونوں ہاتھ دھولے تو کراہت ختم ہوجاتی ہے۔
۲۔ سات آیاتِ قرآنی سے زیادہ کی تلاوت کرنا۔
۳۔ قرآن کی جلد، اس کے حاشیہ اور اوراق کا مس کرنا۔
۴۔ وضو کئے بغیر سوجانا۔
۵۔ خضاب لگانا۔
۶۔ تیل مالش کرنا۔
۷۔ بدخوابی سے جنابت کے بعد جماع کرنا۔ (جماع کے بعد جماع میں کراہت نہیں ہے۔)

۸ــ قرآن کا اٹھانا۔

۹ــ قرآن کا گلے میں آویزاں کرنا۔

۱۰ــ سجدے والے سوروں کی آیت پڑھنا۔ (ان میں سے کوئی عمل حرام نہیں ہے۔ سب مکروہ ہیں یعنی جائز ہیں اور ناپسندیدہ۔)

مستحباتِ غسلِ جنابت

۱ــ غسل سے پہلے پیشاب کرنا۔

۲ــ دونوں ہاتھوں کا تین مرتبہ کہنیوں تک دھونا۔

۳ــ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا تین مرتبہ یا کم سے کم ایک مرتبہ۔

۴ــ تین کلو پانی سے غسل کرنا۔

۵ــ تمام اعضاء پر ہاتھ پھیرنا۔

۶ــ جملہ اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا۔

۷ــ بسم اللہ اور دعاؤں کی تلاوت کرنا۔

۸ــ پے در پے عمل انجام دینا اور اوپر سے نیچے کی طرف دھونا۔

۹ــ کوئی شے پانی پہنچنے سے مانع نہ ہو اسے بھی ہلا دینا۔

۱۰ــ حالتِ جنابت والا انسان غسل جمعہ کر سکتا ہے بلکہ یہی غسل جنابت کے لئے بھی کافی ہو جائیگا۔ یہی حال حائضہ عورت کا ہے اگر حیض کا سلسلہ تمام ہو چکا ہے۔

احکامِ حائض

۱ــ جن عبادات میں طہارت کی شرط ہے ان سے اجتناب کرے۔ نماز کی قضا بھی نہیں ہے البتہ روزہ کی قضا واجب ہے۔

۲۔ نام خدا، صفاتِ خدا، اسماء انبیاء وائمہ معصومینؑ وحروف قرآن کو مس نہ کرے۔

۳۔ آیاتِ سجدہ بلکہ سورہ سجدہ کی تلاوت نہ کرے۔

۴۔ تمام مساجد میں توقف نہ کرے۔ یہی حکم مشاہد مقدسہ کا بھی ہے۔

۵۔ مساجد میں کوئی شے نہ رکھے۔

۶۔ مسجدِ حرام اور مسجد پیغمبرؐ سے عبور بھی نہ کرے۔

۷۔ حالتِ حیض میں مقاربت نہ کی جائے۔ دخول کے علاوہ باقی لذتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

۸۔ حالتِ حیض میں مقاربت کی جائے تو اس کا کفارہ دینا مستحب بلکہ مطابق احتیاط ہے۔ ابتدائی دنوں میں ایک دینار، درمیان میں نصف دینار، آخر میں ¼ دینار ـــــ عورت پر کفارہ نہیں ہے چاہے وہ اس عمل سے راضی ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ راضی ہونا جائز نہیں ہے۔

۹۔ اگر شوہر حاضر ہے اور عورت مدخولہ ہے اور حاملہ نہیں ہے تو حالتِ حیض میں طلاق جائز نہیں ہے۔ شوہر غائب ہو۔ عورت غیر مدخولہ ہو یا حاملہ ہو تو حیض کی حالت میں بھی طلاق ہوسکتی ہے۔

۱۰۔ خون کے ختم ہوجانے کے بعد غسل سے پہلے مجامعت جائز ہے۔ صرف شرمگاہ کو پاک کرلینا چاہیئے۔

مستحبات ومکروہات

۱۔ صفائی کا برقرار رکھنا اور کپڑے کا تبدیل کرتے رہنا مستحب ہے۔

۲۔ مستحب ہے کہ اوقاتِ نماز میں وضو کر کے مصلے پر بیٹھ جائے اور تسبیح وتہلیل وصلوات وقرأت قرآن میں مصروف رہے۔ اگرچہ اوقاتِ نماز کے علاوہ اس کے لئے قرائت بھی مکروہ ہے۔

۳۔ حالتِ حیض میں خضاب لگانا۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ قرآن کو اٹھانا۔ اس کے حاشیہ کو مس کرنا مکروہ ہے۔

۴۔ عورت کے لئے حالتِ حیض میں مستحب ہے کہ جمعہ کے دن غسل جمعہ کرے، وقت احرام غسل احرام

کرے۔ بوقت ضرورت کوئی دوسرا غسل کرے۔ صرف اس کے احکام حیض باقی رہیں گے اور مکمل طہارت حیض کے بعد ہی حاصل ہوگی۔

واضح رہے کہ ایسی حالت میں وضو یا غسل میں رفع حدث کی نیت نہیں ہوسکتی کہ جب تک حیض باقی ہے حدث رفع ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔

۵ ــــ نفاس والی عورت کا حکم واجبات، محرمات، مکروہات اور مستحبات میں بالکل حیض والی عورت کا ہے۔ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

احکام استحاضہ

✪ جو عورت حالتِ استحاضہ میں ہے اس کے استحاضہ کی تین قسمیں ہیں قلیلہ، متوسطہ، کثیرہ۔

✪ قلیلہ میں ہر نماز کے وقت روئی تبدیل کرنا ہوتی ہے اور ہر نماز کے لئے الگ الگ وضو کرنا ہوتا ہے۔ متوسطہ میں پانچ وضو کے علاوہ ایک غسل نماز صبح سے پہلے کرنا ہوتا ہے۔ کثیرہ میں ان سب کے ساتھ ایک غسل مزید ظہرین کے لئے اور ایک مغربین کے لئے کرنا ہوتا ہے۔

✪ استحاضہ والی عورت اپنے مذکورہ احکام پر عمل کرتی رہے تو اس کے لئے نماز، روزہ، مسجد میں داخلہ، قرآن کی تلاوت اور مقاربت سب جائز ہے ــــ اور احکام پر عمل نہ کرے تو مسجد میں داخلہ اور مقاربت وغیرہ حرام ہے۔

✪ اس عورت پر جس طرح یومیہ نمازیں واجب ہیں اسی طرح نماز آیات بھی واجب ہے اور اس کے لئے بھی وضو اور غسل کرنا ہوگا۔

اغسالِ مستحبہ

اسلامی اخلاقیات میں اہتمام طہارت کی سب سے واضح مثال غسل مستحب کا مسئلہ ہے جہاں واجب اغسال کے بعد بھی اسلام نے طہارت اور نظافت کا اہتمام کیا ہے اور اس بات کی کوشش

ہے کہ اسلامی زندگی میں کوئی ایسا موقع نہ آئے جب انسان طیب وطاہر اور پاک وپاکیزہ نہ ہو۔

اسلام میں مستحب اغسال کی تعداد اختلاف روایات کی بنا پر ۴۵۔۵۰۔۶۰۔۸۷ یا سو کے قریب ہے جن کی تین قسمیں ہیں۔ بعض اغسال زمانی ہیں جو کسی خاص وقت اور موقع پر مستحب ہوتے ہیں۔ بعض مکانی ہیں کہ کسی خاص جگہ پر مستحب ہوتے ہیں اور بعض فعلی ہیں جو کسی خاص کام کے لئے مستحب ہوتے ہیں۔ ان سب کی مختصر فہرست یہ ہے۔

زمانی اغسال

۱۔ غسلِ جمعہ: یہ غسل انتہائی اہم ہے۔ بعض علماء نے اس کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ روایات میں اس کے ترک کرنے والے کو فاسق کہا گیا ہے۔ اس کا وقت اذان صبح سے زوال تک ہے۔ اس کے بعد ہفتہ کی شام تک قربت کی نیت سے ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد یقینی قضا ہے۔ یہ غسل مرد، عورت، حاضر، مسافر، نماز جمعہ پڑھنے والا نہ پڑھنے والا سب کے لئے مستحب ہے۔

۲۔ ماہ رمضان کی ہر طاق رات میں غسل اور تیئیسویں شب میں دو غسل ایک اوّل شب ایک آخر شب۔ یہ تمام اغسال پوری رات میں کسی وقت بھی ہو سکتے ہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ ابتدائی حصہ میں ہوں بلکہ غروب سے پہلے ہوں تاکہ تمام رات غسل کے ساتھ گذرے۔

۳۔ روز عید فطر و قربان کا غسل: اس کا وقت فجر سے زوال تک ہے۔ اس کے بعد غروب تک بہ نیت قربت ہو سکتا ہے۔

۴۔ ۸ ذی الحجہ کا غسل (صبح سے شام تک کسی وقت)

۵۔ ۹ ذی الحجہ کا غسل (صبح سے شام تک کسی وقت)

۶۔ یکم رجب، پانزدہم رجب، آخر رجب، ۲۷ رجب کا غسل (صبح سے شام تک)

۷۔ روز غدیر ۱۸ ذی الحجہ کا غسل زوال سے پہلے پہلے۔

۸۔ روز مباہلہ ۲۴ ذی الحجہ کا غسل۔ بعض اقوال میں مباہلہ ۲۱ ذی الحجہ یا ۲۵ ذی الحجہ یا ۲۷ ذی الحجہ

کو ہوا ہے اور سب میں غسل اولیٰ ہے۔

۹ــــ ۱۵ر شعبان کا غسل۔

۱۰ــــ ۱۷ر ربیع الاوّل کا غسل۔

۱۱ــــ نوروز ۲۱ر مارچ کا غسل۔

۱۲ــــ ۹ر ربیع الاوّل کا غسل۔

۱۳ــــ ۲۵ر ذی قعدہ (دحوالارض) کا غسل۔

۱۴ــــ ہر شب جمعہ بلکہ ہر بابرکت رات کا غسل۔

نوٹ: ان اغسال میں غسل جمعہ کے علاوہ کسی غسل کی قضا نہیں ہے اور نہ کسی کو اس کے وقت سے پہلے انجام دے سکتے ہیں۔

مکانی اغسال

۱۔ داخلۂ مکہ، ۲۔ داخلۂ حرم، ۳۔ داخلۂ مسجد الحرام، ۴۔ داخلہ کعبہ، ۵۔ داخلہ حرم مدینہ، ۶۔ داخلہ شہر مدینہ، ۷۔ داخلہ مسجد النبی، ۸۔ داخلہ تمام مشاہد مقدسہ کے غسل۔ اور ان سب کا وقت داخلہ کا وقت ہے اگرچہ صبح کا غسل شام تک اور شام کا غسل صبح تک کام دے سکتا ہے۔

فعلی اغسال

۱۔ غسل احرام۔

۲۔ غسل طواف۔

۳۔ غسل وقوف عرفات۔

۴۔ غسل وقوف مشعر الحرام

۵۔ غسل ذبح و نحر۔

۶۔ غسل حلق و رمی جمرات۔

۷۔ غسل زیارت معصومینؑ (قریب سے ہو یا دور سے)

۸۔ معصومینؑ کو خواب میں دیکھنے کے لئے سوتے وقت غسل۔
۹۔ نماز حاجت یا طلب حاجت کا غسل۔
۱۰۔ نماز استخارہ یا مطلق استخارہ کے لئے غسل۔
۱۱۔ عمل ام داؤد کا غسل۔
۱۲۔ خاک تربت امام حسینؑ حاصل کرنے کا غسل۔
۱۳۔ زیارت امام حسینؑ کے سفر کا غسل۔
۱۴۔ نماز استسقاء یا دعائے استسقاء کا غسل۔
۱۵۔ کفر یا فسق سے توبہ کرنے کا غسل۔
۱۶۔ ظالم کے ظلم سے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرنے کا غسل۔
۱۷۔ ظالم کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے غسل اور دو رکعت نماز۔
۱۸۔ ردّ بلا کے لئے ۱۲۔۱۴۔۱۵ تاریخ کا روزہ اور زوال کے وقت غسل۔
۱۹۔ اہل باطل سے مباہلہ و مناظرہ کرنے کے لئے غسل۔
۲۰۔ عبادت کے لئے نشاط حاصل کرنے کے لئے غسل بالخصوص نماز شب کے لئے۔
۲۱۔ نماز شکر کے لئے غسل۔
۲۲۔ میّت کو غسل و کفن دینے کے لئے غسل۔
۲۳۔ جماع کے بعد دوبارہ جماع کرنے کے لئے غسل۔
۲۴۔ ہر قربۃ الی اللہ عمل انجام دینے کے لئے غسل۔
۲۵۔ چھپکلی مارنے کے بعد اس توفیق کے شکریہ کا غسل۔
۲۶۔ وقت ولادت بچہ کا غسل۔
۲۷۔ پورے گھن کے بعد قضا نماز پڑھنے کے لئے غسل۔
۲۸۔ عورت شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے خوشبو لگائے یا زینت کرے تو کفارہ کا غسل کرے۔
۲۹۔ شرابی شراب پی کر سو جائے تو اٹھ کر غسل کرے۔
۳۰۔ غسل میّت کے بعد میّت کے مس کرنے کا غسل۔

سبق ۴۶

آدابِ سفر و مرض

انسانی زندگی کے دو غیر معمولی حالات کا نام ہے سفر اور مرض۔ انسان فطری طور پر نہ مسافر پیدا ہوتا ہے اور نہ مریض۔ وہ اپنی زندگی میں نہ مسافرت کو عزیز رکھتا ہے اور نہ مرض کو ـــــ لیکن زمانے کے حالات اسے دونوں طرح کے حالات سے دوچار رکھتے ہیں اور وہ کسی وقت سفر سے دوچار ہوتا ہے اور کسی وقت مرض سے۔

یہ دونوں چیزیں بظاہر مختلف ہیں لیکن بہت سے مسائل میں اسلام نے دونوں کو یکجا کر دیا ہے جس کا نمایاں ترین مصداق روزہ ہے جہاں اسلام نے مسافر اور مریض دونوں سے روزہ اٹھا لیا ہے اور دونوں کو قابلِ رحم قرار دیا ہے۔ بہرحال جہاں ربّ العالمین نے یہ کرم کیا ہے کہ مسافر اور مریض کو ایک خاص چھوٹ دے دی ہے وہاں دونوں کو اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ اس رحمتِ پروردگار کی قدر کریں اور حالات کا بے سبب شکوہ نہ کریں۔

سفر انسانی زندگی میں بے شمار فوائد کا حامل ہوتا ہے۔ مولائے کائنات نے انسان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ مسافرت کی زندگی اختیار کرو کہ اس میں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے مسافرت کا بہترین مصرف عبرت کو قرار دیا ہے جس سے انسان دوسری اقوام کے انجام کا بچشم خود مشاہدہ کر سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام مسافرت کو صرف مسافرت کی شکل میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ اسے اصلاح زندگی اور تکمیل سیرت کا وسیلہ بنانا چاہتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں دونوں کے آداب بیان کئے گئے ہیں جن سے صاف اندازہ ہو سکتا

ہے کہ اسلام کس قدر جامع مذہب ہے اور اس نے کس طرح اخلاقیات کی اصلاح کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا ہے اور کسی حساس موقع کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔

آدابِ سفر

۱۔ سفر شروع کرنے سے پہلے مخصوص دعائیں پڑھے جو ائمہ معصومینؑ کی طرف سے وارد ہوئی ہیں۔

۲۔ تین یا اس سے زیادہ مناسب رفقاء سفر تلاش کرے۔ تنہا سفر کرنا مکروہ ہے۔ سرکار دو عالم کا ارشاد ہے کہ بدترین انسان وہ ہے جو اکیلے سفر کرے، اپنے عطایا سے لوگوں کو محروم رکھے اور اپنے غلام کو زدوکوب کرے ـــــ ظاہر ہے کہ یہ اعمال حرام نہیں ہیں لیکن انھیں اسلام نے بدترین عمل قرار دیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اسلام کا مذاقِ تربیت اور معیارِ تہذیبِ اخلاق بیحد بلند اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

۳۔ گھر سے باہر قدم نکالتے وقت سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ ناس و فلق اور سورہ توحید کی تلاوت کرے۔

۴۔ مسافر کو رخصت کرنا اور اس کے کان میں "اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ القُرآنَ لَرَادُّکَ اِلیٰ مَعاد" انشاء اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

۵۔ سفر کے دوران لقمان حکیم کی نصیحتوں پر عمل کرے جو انھوں نے اپنے فرزند سے بیان کی تھیں کہ جب کسی جماعت کے ساتھ سفر کرو تو ان سے ہر امر میں مشورہ کرو اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ اپنا زادِ سفر انھیں کھلاؤ اور وہ دعوت دیں تو قبول کرو، مدد مانگیں تو مدد کرو، سکوت اختیار کرو اور عبادت کرتے رہو۔ اپنے سامان سفر میں سے سخاوت کو شعار بناؤ۔

جب لوگ چل پڑیں تو حرکت کرو۔ جب کوئی کام کریں تو ہاتھ بٹاؤ۔ صدقہ یا قرض دیں تو تم بھی شریکِ عمل رہو۔ کوئی تم سے بڑا ہو تو اس کی بات سنو اور کوئی سوال کرے تو ہاں کہو ـــ نہیں نہ کہو۔

وقت نماز آجائے تو فوراً پڑھ لو تاکہ بندگی کا قرض ادا ہو جائے۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھو۔ اگر ممکن ہو تو ہر کھانے سے پہلے صدقہ دو۔ دوسروں کو کھلاؤ پھر خود کھاؤ ـــــ بلند آواز سے بات نہ کرو۔

اسلحہ۔ جراب۔ جوتہ۔ عمامہ۔ رسی۔ مشک۔ دھاگا۔ سوئی۔ دوا ساتھ رکھو معصیت خدا کے علاوہ ہر کام میں ساتھیوں کا ہاتھ بٹاؤ۔ راستہ گم ہو جائے تو اتر پڑو۔ ارادہ مشکوک ہو جائے تو توقف کرو اور مشورہ کرو۔ صحرا میں ایک شخص نظر آجائے تو اس کی رہنمائی پر آنکھ بند کر کے بھروسہ نہ کرو۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں " حج بیت اللہ کا سفر کرنے والوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک ان میں تین باتیں نہ پیدا ہو جائیں۔ ساتھیوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ غصہ آجائے تو ضبط کریں اور محرمات کے مقابلہ میں تقویٰ اور پرہیزگاری سے کام لیں۔ (مفتاح الجنات از سید محسن الدین العاملی)

محدث کبیر الشیخ عباس القمی نے مفاتیح الجنان میں حسب ذیل آداب سفر کی طرف اشارہ کیا ہے :-

۱۔ گھر سے قدم باہر نکالے تو بسم اللہ کو فراموش نہ کرے۔

۲۔ زادِ راہ ساتھ رکھے اور محفوظ رکھے کہ حفظ زادِ سفر کو " فقہ مسافر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ رفقاء کا ساتھ ہو تو کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ سرکار دو عالم کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک سفر میں دنبہ پکانے کا پروگرام بنایا گیا تو ایک شخص نے کہا میں ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں کھال الگ کروں گا، تیسرے نے کہا میں پکاؤں گا تو آپ نے فرمایا کہ میں لکڑیاں جمع کروں گا۔ لوگوں نے عرض کی حضور آپ زحمت نہ کریں۔ ہم یہ کام کر لیں گے۔ فرمایا کہ اسلام امتیازات کا حامی نہیں ہے۔ یہ رفاقت کا حق ہے کہ ساتھیوں کا ہاتھ بٹائے۔ اس سے زیادہ گرانبار کوئی نہیں ہے جو ساتھیوں کا ہاتھ نہ بٹائے اور اس انتظار میں رہے کہ لوگ سامان تیار کر دیں تو کھالے۔

۴۔ ایسے ساتھی کے ساتھ سفر کرے جو خرچ کرنے میں برابر کا حصہ لے سکے۔

۵۔ کسی جگہ کا پانی اس وقت تک نہ پیئے جب تک اس میں اپنے یہاں کا پانی شامل نہ کرے۔

۶۔ سفر میں جائے تو اپنے یہاں کی تھوڑی سی خاک ساتھ رکھے اور جب وہاں کا پانی پینے لگے تو ایک ذرہ اس میں گھول دے تاکہ خاکِ وطن کا اثر پیدا ہو جائے۔ اس سے زیادہ انسان کے لئے موافق طبع کوئی آب وخاک نہیں ہے۔ البتہ تھوڑی دیر انتظار کرے کہ خاک جم جائے تب پانی پیئے۔

۷۔ ہر سفر میں اچھا توشۂ سفر لے کر چلے۔ صرف زیارت امام حسینؑ کے سفر میں معمولی سامان ساتھ رکھے کہ ایک ایسے شخص کی زیارت کے لئے جا رہا ہے جسے تین دن تک آب ودانہ میسر نہیں ہوا۔ اس سفر میں بہترین غذاؤں کی معیت اس تصور کے منافی ہے جو زائرِ حسینؑ کے دل میں ہونا چاہیئے۔

۸۔ نماز فریضہ کی مکمل پابندی کرے کہ یہ بات اگرچہ ہر وقت اور ہر جگہ ضروری ہے لیکن اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ گھر میں انتہائی پابندی سے نماز ادا کرنے والے بھی سفر میں اس اہمیت سے غافل ہو جاتے ہیں اور مختلف بہانوں سے نماز کو قضا کر دیتے ہیں یا اوّل وقت سے ٹال دیتے ہیں کبھی احساس کمتری دامن گیر ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے یا میرے بارے میں کیا خیال قائم کریں گے۔ کبھی طہارت ونجاست کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور انسان مکمل طہارت کے انتظار میں نماز قضا کر دیتا ہے۔ کبھی سکون واطمینان کی تلاش ہوتی ہے کہ متحرک گاڑی یا جہاز میں نماز نہیں پڑھیں گے، گھر پہنچ کر سکون واطمینان سے قضا کریں گے۔ کبھی پلیٹ فارم اور ایرپورٹ کی زمین کی طہارت میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کبھی دوست احباب کی ناراضگی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی غیر مسلم یا بے دین میزبان آڑے آجاتا ہے۔ کبھی سرکاری یا غیر سرکاری میٹنگ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اجلاس کے درمیان سے کس طرح اٹھیں گے یا سرکاری میٹنگ کو کس طرح نظر انداز کر سکیں گے۔ کبھی شخصیت دردِ سر بن جاتی ہے کہ مہمانِ خصوصی کا محفل سے اٹھ جانا مناسب نہیں ہے۔ اور اس طرح کے بے شمار وہمی عذر ہیں جن کی بنا پر انسان بروقت نماز کو ترک کر دیتا ہے اور اپنی دانست میں مذہب پر احسان بھی رکھتا ہے کہ ہم نے اس کی آبرو بچالی، اسے اغیار کے سامنے بدنام نہیں ہونے دیا اور

نماز بھی گھر پر انتہائی سکون و وقار کے ساتھ ادا ہو گی اور خداوند عالم کی بارگاہ میں اس کی بارگاہ کے شایانِ شان پرسکون ہدیہ پیش کیا جائے گا۔ یہ بیچارہ یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتا کہ رب العالمین کی بارگاہ کسی بادشاہ کی سرکار نہیں ہے جہاں ظاہری حسن و جمال دیکھا جاتا ہے۔ اس کی بارگاہ بندگی اور اعانت کی آزمائش کی منزل ہے۔ وہ جس طرح کی عبادت چاہے اس طرح کی عبادت کرو۔ اس نے نماز کا قضا کر دینا حرام کر دیا ہے تو وقت کے اندر ادا کرو چاہے جس طرح ادا ہو سکے اور جس انداز کی نماز ہو۔

آدابِ مرض

مرض عام طور سے انسان کا اختیاری کام نہیں ہے اور مریض اپنی مرضی سے مریض نہیں ہوتا بلکہ مریض رہنا بھی نہیں چاہتا۔ اس کی زندگی میں لاشعوری طور پر کوئی ایسا حادثہ پیش آجاتا ہے جس کی بنا پر وہ مریض ہو جاتا ہے اور کسی نہ کسی درد یا تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور چوں کہ یہ درد یا تکلیف اس کے مزاج پر بار ہے لہٰذا اس کا پہلا ردِ عمل شکوہ و شکایت کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتا کہ جس خدا نے ہمیشہ ہر طرح کے ضرر اور نقصان سے بچایا ہے اس کی مصلحت ہوتی تو اس نقصان سے بھی بچا لیتا اور جو کام میں نے لاشعوری طور پر انجام دیا ہے۔ اس کا شعور پیدا کرا دیتا اور جو کام مجبوری کے تحت انجام دیا گیا ہے اس کی مجبوری سے محفوظ کر لیتا۔ یہ سارے حالات نہ پیدا ہونا علامت ہے کہ مصلحتِ الٰہی اس بیماری اور تکلیف سے وابستہ ہے اور جب مصلحتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہے تو مجھے صبر و شکر سے کام لینا چاہئے۔ شکوہ و شکایت و فریاد نہیں کرنا چاہئے۔ میری زندگی میں تو اس کا امکان قوی ہے کہ بیماری بدپرہیزی یا بے اعتدالی سے پیدا ہوئی ہے۔ خاصانِ خدا کی زندگی میں اس طرح کی بدپرہیزی اور بے اعتدالی کا تصور بھی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود انھیں امراض کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ حدیثِ کساء میں پیغمبرؐ کے ضعف کا تذکرہ ہے۔ جنگ خیبر میں مولائے کائناتؑ کے آشوبِ چشم کا ذکر ہے۔ سورہ ہل اتیٰ کی شانِ نزول میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی بیماری کا ذکر

ہے۔ صدیقہ طاہرہ کے حالات میں تین مہینہ تک مسلسل پہلوئے شکستہ کی تکلیف و اذیت کا تذکرہ ہے ــــــ لیکن ان تمام حالات کے باوجود کسی کی زبان پر شکوہ آیا نہ شکایت۔ تکلیف کا اظہار کیا نہ درد و اذیت کا۔ ہمیشہ صبر و شکر سے زندگی گذاری۔ حد ہے کہ جسے "عابدِ بیمار" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس کی زبان کبھی حرفِ شکایت سے آشنا نہیں ہوئی اور خارجی مصائب و آفات کے ساتھ بیماری کی شدت اور تکلیف کا سامنا بھی کرتے ہیں۔

یہ حقائق اور واقعات انسان کے سکون و اطمینان اور اس کی اصلاحِ نفس کے لئے کافی تھے لیکن اسلام نے مزید تاکید اور اہتمام تربیت کی بنا پر مرض کے آداب کو مختلف دفعات کی شکل میں بیان کر دیا ہے تاکہ مرتب نظام بھی سامنے آجائے اور یہ بھی نہ کہا جا سکے کہ وہ معصومین کا معاملہ تھا ہم سے کیا تعلق ہے ــــــ بیشک کردار کے خصوصیات معصومین کی ذات سے متعلق ہیں لیکن انکی طرف وارد ہونے والی تعلیمات ان کی ذات سے متعلق نہیں ہیں۔ ان کا تعلق اس امت سے ہے جس کے لئے ان تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور انھیں ایک مرتبہ شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

مرض کے واجبات

۱۔ انسان بیمار ہو جائے تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے یعنی ماضی پر شرمندہ ہو، حال کی اصلاح کرے اور مستقبل کے لئے یہ عزم مستحکم کرے کہ آئندہ اس طرح کی غلطی نہیں کرے گا ــــــ توبہ اس لئے لازم ہے کہ مرض بھی علاماتِ موت میں سے ایک علامت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہی بیماری زندگی کی آخری بیماری قرار پا جائے اور انسان بلا توبہ و استغفار دنیا سے گذر جائے اور اس کی بخشش و مغفرت مشکل ہو جائے۔

۲۔ انسان کے ذمہ جو بھی بدنی، مالی، خدائی، انسانی حقوق ہیں انھیں ادا کر دے۔ نماز، روزہ، خمس و زکوٰۃ باقی ہے تو ادا کر دے۔ حج بیت اللہ باقی ہے تو چلا جائے یا اگر ضعیفی وغیرہ کی بنا پر جانا ممکن نہیں ہے تو کسی کو نائب بنا کر بھیج دے۔ لوگوں کی امانتیں پہنچا دے۔ ان کے قرضوں

سے سبکدوش ہو جائے۔

۳۔ اگر یہ سارے اعمال ممکن نہیں ہیں تو ان کے بارے میں وصیت کرے اور ذمہ دار آدمی کو وصی بنائے بلکہ ممکن ہو تو سرمایہ کا بھی انتظام کر دے تاکہ بعد میں زحمت نہ ہو۔ وصیت اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس طرح ورثہ کو مرنے والے کے اعمال و حالات کی صحیح کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ اس کے فرائض کو ادا کر سکتے ہیں۔ وصیت کی تاکید ہر وقت کی گئی ہے اور بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ انسان جب بھی سوئے اس کا وصیت نامہ اس کے سر کے نیچے ہونا چاہئے۔ وصیت ایک انتہائی زندہ و کارآمد عمل ہے۔ اس سے زندگی کے بے شمار مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ وصیت کے بارے میں موت کا توہم پیدا کر لینا اور وصیت کے خیال سے مرنے کا اندازہ کرنا ایک وسوسہ شیطان کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ وصیت ایک زندگی ساز عمل ہے۔ اس کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے ورنہ اصل عمل تو اس بات کی علامت ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی زندہ ہے اور اس کے اعمال و خیرات کا سلسلہ جاری ہے۔ زندگی کے استمرار و دوام کو مقدمۂ موت کا نام دے دینا الفاظ و معانی کے ساتھ شدید ظلم اور ناانصافی ہے۔

مستحباتِ مرض

۱۔ صبر و شکر سے کام لے۔

۲۔ کسی مومن یا غیر مومن سے اپنے مرض کی شکایت نہ کرے کہ مجھے ایسا مرض لاحق ہو گیا ہے جو کسی کو نہیں تھا۔ بیانِ حال کے طور پر اظہار کرنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے جس طرح طبیب یا ڈاکٹر سے بیان کیا جاتا ہے

۳۔ تین دن تک اپنے مرض کا اظہار نہ کرے (جب تک ہلاکت کا خوف نہ پیدا ہو جائے۔)

۴۔ توبہ کر چکا ہے تو اس کی تجدید کرتا رہے۔

۵۔ فقراء کے لئے خیرات و تبرعات کی وصیت کرے۔

۶۔ تین دن کے بعد مومنین کو اپنے مرض سے باخبر کر دے تاکہ علاج کا انتظام ہو سکے کہ اب صبر و شکر کا اظہار ہو چکا ہے اور علاج لازم ہے۔

۷۔ لوگوں کو عیادت کی اجازت دیدے۔

۸۔ علاج و معالجہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لے۔

۹۔ جن چیزوں میں نقصان کا احتمال و امکان ہے ان سے پرہیز کرے۔ واقعی خطرہ ہے تو پرہیز واجب اور استعمال حرام ہے۔

۱۰۔ وہ یا اس کے قرابتدار صدقہ دیں۔

۱۱۔ بچوں کے لئے ایک وصی اور نگراں معین کر دے۔

۱۲۔ ۱/۳ مال کی وصیت کر دے۔ البتہ اگر مال کم ہے اور ورثہ کی پریشانی کا اندیشہ ہے تو ۱/۴ یا ۱/۵ کی وصیت کرے یا بالکل ترک کر دے۔

۱۳۔ اپنا کفن مہیا کرے کہ کفن مہیا کرنے والا غافلین میں شمار نہیں ہوتا اور جب بھی اس کی طرف نظر کرتا ہے ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ بیر اور کافور کا فراہم کرنا بھی مستحب ہے۔

۱۴۔ خدا سے حسنِ ظن رکھے اور یقین رکھے کہ وہ موت یا زندگی کوئی کام مصلحت کے خلاف نہیں نہیں کرتا۔ وہ موت بھی دیدے گا تو عین مصلحت کے مطابق ہوگی اور وہی گھر والوں کا محافظ اور روزی دینے والا ہے۔

۱۵۔ مومنین کے سامنے اپنے عقائد کا اقرار و اعلان کرے تاکہ وہ مرنے کے بعد شہادت دے سکیں سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا ہے کہ وقت موت بہترین وصیت نہ کرنا نقص عقل و انسانیت کی دلیل ہے۔
(خوشا کمال مسلم بن عوسجہ کہ ایک وصیت کی اور وہ بھی نصرت امام مظلومؑ کی)

مستحباتِ عیادت

واضح رہے کہ مریض کی عیادت اور دلجوئی کرنا بہترین کارِ خیر ہے۔ مومن کے دل کا خوش کرنا یوں بھی اسلام

میں عظیم ترین درجہ رکھتا ہے۔ پھر جب وہ بیمار ہو جائے اور اپنے حالات سے مایوس ہونے لگے یا مرض کا احساس ایک خاص کرب پیدا کرنے لگے تو عیادت خود ایک بہترین علاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ عیادت میں حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے :۔

۱۔ مریض کے پاس بیٹھے۔ دور سے دیکھ کر چلا نہ جائے کہ اس سے بعض اوقات مزید دل شکنی ہو جاتی ہے البتہ زیادہ دیر تک بھی نہ بیٹھے۔

۲۔ مریض کا ہاتھ پکڑ کر یا پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھے۔

۳۔ مریض کے واسطے کوئی تحفہ یا پھل وغیرہ لے کر جائے۔ اس کے یہاں ناشتہ پانی کا سہارا نہ ڈھونڈے۔

۴۔ مریض کے پاس ستر مرتبہ یا چالیس مرتبہ یا سات مرتبہ یا کم سے کم ایک مرتبہ سورہ حمد کی تلاوت کرے۔ روایت میں ہے کہ مریض کو خود چاہئے کہ اپنے گریبان کے اندر ایک مرتبہ سے ۷۰ مرتبہ تک سورہ حمد پڑھے یہاں تک کہ شفا حاصل ہو جائے۔

۵۔ مریض کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ کھائے جو اس کے لئے مضر ہو اور اس کا دل چاہنے لگے۔ اسی طرح کوئی ایسا کام بھی نہ کرے جس سے اس کو اذیت ہو۔

۶۔ مریض سے دعا کی التماس کرے کہ رب العالمین حاجی، غازی اور مریض کی دعا کو جلدی قبول کرتا ہے۔

سبق ۴۷

آدابِ اکل وشرب

کھانا پینا انسانی زندگی کی ایک ضرورت ہے اور اس کا تعلق اس کی عقل ومنطق سے نہیں ہے بلکہ اس کے حیوانی جزو سے ہے کہ انسان ایک ہوش مند حیوان کا نام ہے کہ جس میں ایک عنصر حیوانیت کا پایا جاتا ہے اور ایک نفس ناطقہ یا عقل ومنطق کا ـــــ اور حیوانی زندگی میں کھانے پینے کا کوئی طریقہ اور سلیقہ معین نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف فطری خواہش کا پورا کر لینا ہے اور نہ زندگی کا سامان فراہم کر لینا ہے جس طرح جنسی تقاضوں میں بھی اس کا کام اپنے جذبہ کی تسکین پیدا کر لینا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اخلاق وآداب کا کوئی سلسلہ نہیں ہے ـــــ لیکن انسان اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ حیوانیت ضرور رکھتا ہے لیکن اس کی حیوانیت اس کے نفسِ ناطقہ سے جدا نہیں ہوتی ـــــ کہ ایک وقت میں خالص حیوان رہے اور دوسرے وقت میں عقل مجسم ہو جائے۔ وہ اپنے اعمال وکردار سے اپنے کو حیوان محض بنا لیتا ہے لیکن واقعیت اس سے بالکل الگ ہے۔ واقعیت کے اعتبار سے اس کی حیوانیت نفس ناطقہ کے ساتھ ہے اور اس کا نفس ناطقہ اس کی حیوانیت کے ساتھ ـــــ اسلام نے اس نکتہ کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی فطری ضروریات کے لئے بھی آداب واصول وضع کر دیئے ہیں کہ وہ کھانا بھی کھائے تو انسانوں کی طرح اور جنسی ضرورت کی تکمیل بھی کرے تو نفسِ ناطقہ اور عقل منطق کے تقاضوں کے تحت۔

تہذیب مغرب نے اس نکتہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ انسان کی حیوانیت کے لئے الگ قوانین ہونے چاہئیں اور عقل وشعور کے لئے الگ اور اس کا یہ انجام ہوا ہے کہ انسان

لوٹ مار میں مبتلا ہوگیا۔ اپنے پرائے کا فرق مٹ گیا۔ حلال وحرام کا امتیاز ختم ہوگیا اور بھوک پیاس کے بعد یہ حیوانیت جنسی مسائل تک پہنچ گئی اور سرِ راہ وکوچہ وبازار جنسی اعمال کا مظاہرہ ہونے لگا۔ اس دیوانے کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا کہ انسان بالکل جانور نہیں ہے۔ اس کے ذمہ انسانیت اور اس کے اقدار کا تحفظ بھی ہے۔ اسے شرم وحیا کا جوہر بھی دیا گیا ہے اور اس سے بہت سی توقعات بھی وابستہ کی گئی ہیں۔

اس کی اس اخلاقی ابتری میں اس شراب کا بھی دخل ہے جس نے اسے مدہوش بنا دیا ہے اور اس کے اعصاب کو بے قابو کر دیا ہے اور اس کتے کی محبت کا بھی دخل ہے جس کی صحبت نے اسے سرکوچہ وبازار جنسی حرکات پر آمادہ کیا ہے اور اس سور کے گوشت کا بھی دخل ہے جس نے اسے اس قدر بے حیا بنا دیا ہے شوہر یا باپ کے سامنے غیر مرد بیوی یا بیٹی کو استعمال کرتا ہے یا ایک عورت بیک وقت مختلف افراد کے زیر تصرف رہتی ہے اور کسی کو حیا نہیں آتی اور یہ احساس بھی نہیں پیدا ہوتا کہ یہ ہماری ہے یا اس سے ہمارا کوئی انسانی رشتہ ہے۔

اسلام نے بنیادی طور پر ان تمام غذاؤں کو اس لئے حرام کر دیا ہے کہ انسان کا معاشرہ کبھی راہِ راست پر نہیں آسکتا اور اس میں شرافت وانسانیت کا احساس نہیں پیدا ہوسکتا۔

اسلام نے کھانے پینے کے آداب کو مختلف حصّوں پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ کیا کھایا جائے ؟

۲۔ کس طرح کھایا جائے ؟

۳۔ کتنا اور کہاں کھایا جائے ؟

ذیل میں انھیں نکات کی تفصیل کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔ کیا کھایا جائے

۱۔ چھوٹے جانوروں میں مرغ، کبوتر، چڑیوں کی تمام قسمیں مع بلبل سب حلال ہیں۔ چمگادڑ، مور، شاہین،

عقاب، باز، کوّے کی تمام قسمیں سب حرام ہیں۔ ان کے علاوہ ہر وہ جانور جس کے اڑتے وقت پر کم ہلتے ہوں یا بالکل نہ ہلتے ہوں وہ بھی حرام ہے۔

۲۔ دریائی حیوانات میں تمام وہ مچھلیاں جن پر چھلکا ہوتا ہے حلال ہیں باقی سب حرام ہیں۔ روہیان پر چھلکا ہوتا ہے لہذا حلال ہے۔

۳۔ بڑے جانوروں میں بکرا، بکری، بھیڑ، اونٹ، گائے، گھوڑا، خچر، گدھا، ہرن سب حلال ہیں۔ صرف گھوڑا، گدھا اور خچر کا گوشت مکروہ ہے۔

۴۔ جس جانور سے کسی "انسان نما حیوان" نے بدفعلی کی ہے اس کا گوشت حرام ہے۔ اسی طرح فضلہ خور جانوروں کا گوشت بھی حرام ہے جب تک انہیں پاکیزہ غذا نہ کھلائی جائے اور اس کا معیار یہ ہے کہ مرغی کو تین دن، بطخ کو پانچ دن، بکری کو دس دن، گائے کو بیس دن، اونٹ کو چالیس دن غلاظت کھانے سے محفوظ رکھا جائے یا اتنی مدت تک کہ انہیں فضلہ خور نہ کہا جا سکے۔ اس کے بغیر گوشت حرام رہے گا چاہے کتنا ہی لذیذ کیوں نہ ہو۔

۵۔ ذبیحہ میں سے حسب ذیل اجزا، حرام ہیں اور ان سب سے پرہیز کرنا احتیاطاً ضروری ہے۔
(۱) خون (۲) پیخانہ (۳) آلۂ تناسل (۴) شرمگاہ (۵) بچہ دانی (۶) غدود (۷) بیضے (۸) حرام مغز (۹) ریڑھ کی ہڈی کا درمیانی سفید دھاگا (۱۰) پشت سے دم تک جانے والی دو رگیں (۱۱) زہرہ (۱۲) طحال (۱۳) مثانہ (۱۴) آنکھوں کا ڈھیلا ـــــ گردہ مکروہ ہے۔ ہڈی اور کھال جائز ہے بشرطیکہ نقصان نہ کرتی ہو۔ (پرندوں میں ان میں سے اکثر اجزا نہیں ہوتے لہذا ان کے حرام ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔)

۶۔ اونٹ کا پیشاب حلال ہے۔ باقی جانور کے پیشاب سے احتیاط کرنا ضروری ہے۔

۷۔ مٹی کی تمام قسموں کا کھانا حرام ہے۔ صرف گل ارمنی جیسی مٹی کو بطور دوا استعمال کیا جا سکتا ہے، یا نہایت ہی مختصر خاکِ شفا بہ نیت شفا استعمال کی جا سکتی ہے اور اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ پانی میں گھول کر پئے تاکہ مٹی کھانے کا اطلاق نہ ہو۔

۸۔ ہر وہ شے جو انسان کی صحت کے لئے مضر اور اس کی ہلاکت کا باعث ہو اس کا کھانا حرام ہے۔

۹۔ شراب اور اس کی جیسی تمام نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔ شراب امام صادقؑ کے لفظوں میں "ام الخبائث" ہے۔ اس کا استعمال کرنے والا بعض اوقات ایسا بدحواس ہو جاتا ہے کہ اپنے خدا کو بھی نہیں پہچانتا۔ وہ ہر معصیت کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ حرمت کو برباد کر سکتا ہے۔ قرابت کو قطع کر سکتا ہے۔ ہر برائی کو اختیار کر سکتا ہے۔ شراب کا ایک گھونٹ پینے والے پر خدا، رسولؐ، ملائکہ اور تمام صاحبانِ ایمان کی لعنت ہے۔ اس کا نشہ انسان کے جسم سے ایمان کی روح نکال دیتا ہے اور اس میں ایک ملعون روح کو داخل کر دیتا ہے۔ شراب پینے والے کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی۔"

(امام علیہ السّلام کے ارشاد گرامی سے واضح ہو گیا کہ شرابی انسان صاحبانِ ایمان کی نگاہ میں قابلِ لعنت ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی مومن بلا مجبوری شرابی سے محبت کرتا ہے یا تعلقات رکھتا ہے اور اسے اندر سے قابلِ لعنت نہیں سمجھتا ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ خود بھی صاحبِ ایمان نہیں ہے ورنہ صاحبِ ایمان کا کام شرابی پر لعنت کرنا ہے، اس سے محبت کرنا نہیں ہے۔)

۱۰۔ کتا، سور اور تمام درندے گوشت خور جانور، بھیڑیا، چیتا، شیر وغیرہ کا گوشت حرام ہے۔

۱۱۔ جس دسترخوان پر شراب پی جا رہی ہو اس پر بیٹھ کر کھانا کھانا بھی حرام ہے۔ سرکار دو عالمؐ نے شراب کے سلسلہ میں اس طرح کے لوگوں پر لعنت کی ہے۔ کاشت کرنے والا۔ حفاظت کرنے والا۔ نچوڑنے والا۔ پینے والا۔ پلانے والا۔ اٹھانے والا۔ جس کی طرف اٹھا کر لے جائے۔ بیچنے والا۔ خریدنے والا اور اس کی قیمت کا استعمال کرنے والا ـــــ جو کی شراب حرام ہے لیکن آب جو حرام نہیں ہے۔

۱۲۔ مجبوری کے موقع پر ہر حرام حلال ہو جاتا ہے لیکن مجبوری کا فیصلہ معتبر اطباء کے مشورہ سے کیا جائے گا اور اپنے اور خدا کے درمیان کیا جائے گا۔ شراب کے معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ احتیاط ضروری ہے کہ یہ بدترین شے ہے اور اس کے استعمال کرنے والے کو بت پرست کا ہم پلّہ قرار دیا گیا ہے۔

۱۳۔ کشمش میں رس نہیں ہوتا لہٰذا اسے پانی میں ڈال کر پکا بھی لیا جائے تو اسے حرام نہیں کہا جائے گا

اور ایسے سالن، زردے وغیرہ کا استعمال صحیح ہے۔

۱۴۔ وحشی جانوروں میں ہرن، غزال، جنگلی گائے، پہاڑی بکرا، وحشی گدھا سب کا گوشت حلال ہے۔ درندوں میں شیر، چیتا، بھیڑیا، لومڑی، بجو وغیرہ اور اسی طرح خرگوش کا گوشت حرام ہے۔ کیڑے مکوڑوں میں سانپ، بچھو، چوہا، جوں کھٹمل اور مسخ شدہ جانوروں میں ہاتھی، بندر، ریچھ وغیرہ کا گوشت حرام ہے۔

کس طرح کھایا جائے

۱۔ کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے جائیں۔

۲۔ کھانے کے بعد دونوں ہاتھ دھوئے جائیں اور پھر رومال سے خشک کر لئے جائیں۔

۳۔ صاحبِ طعام سب سے پہلے شروع کرے اور سب کے بعد تک بیٹھا رہے۔ ہاتھ دھونے میں کھانے سے پیشتر سب سے پہلے صاحبِ طعام ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد داہنی طرف سے دور چلے اور کھانے کے بعد صاحبِ طعام کے بائیں طرف سے شروع ہو اور خود اس پر یہ سلسلہ ختم ہو۔

۴۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ کہے اور اگر مختلف غذائیں ہوں تو ہر غذا سے پہلے بسم اللہ کہے۔

۵۔ داہنے ہاتھ سے کھائے۔

۶۔ تین انگلیاں یا اس سے زیادہ سے کھائے۔ دو انگلیوں سے نہ کھائے کہ کھانے کی تحقیر ہوتی ہے۔

۷۔ اگر بہت سے لوگ ہیں تو اپنے سامنے سے کھائے اور دوسرے کے سامنے سے نہ کھینچ لے۔

۸۔ لقمے چھوٹے بنائے۔

۹۔ دسترخوان پر دیر تک بیٹھا رہے۔

۱۰۔ خوب چبا کر کھائے۔

۱۱۔ کھانے کے بعد شکر خدا کرے۔

۱۲۔ انگلیوں کو چاٹ لے۔

۱۳۔ کھانے کے بعد خلال کرے۔

۱۴۔ دسترخوان کے باہر جو ریزے گر گئے ہیں انھیں اٹھا کر کھالے۔ البتہ صحرا بیابان ہے تو جانوروں کے لئے چھوڑ دے۔

۱۵۔ صرف صبح اور شام کھانا کھائے درمیان میں نہ کھائے۔

۱۶۔ کھانے کے بعد چت لیٹ کر داہنا پیر بائیں پیر پر رکھ کر قیلولہ کرے۔

۱۷۔ کھانے کا آغاز اور اختتام نمک سے کرے۔

۱۸۔ پھلوں کو کھانے سے پہلے دھولے۔

۱۹۔ پیٹ بھرا ہو تو نہ کھائے۔

۲۰۔ زیادہ پیٹ بھر کر بھی نہ کھائے۔

۲۱۔ کھاتے وقت لوگوں پر نظریں نہ جمائے۔

۲۲۔ بہت گرم کھانا نہ کھائے۔

۲۳۔ کھانے کو منھ سے نہ پھونکے۔

۲۴۔ دسترخوان پر روٹی کے آجانے کے بعد دوسری چیزوں کا انتظار نہ کرے۔

۲۵۔ روٹی کو چاقو چھری سے نہ کاٹے۔

۲۶۔ روٹی کو کسی برتن کے نیچے نہ رکھے۔

۲۷۔ ہڈی کو بالکل گوشت سے صاف نہ کر دے کہ اس میں دوسری مخلوقات کا بھی حق ہے۔

۲۸۔ پھلوں کو چھلکا اتار کر نہ کھائے۔

پانی کس طرح پیا جائے

۱۔ پانی کو چوس کر پیا جائے۔ کتے کی طرح نہیں۔

۲۔ دن میں پانی کھڑے ہو کر پیا جائے۔

۳۔ پانی پینے سے پہلے بسم اللہ اور پینے کے بعد الحمد للہ کہا جائے۔

۴۔ پانی تین سانس میں دم لے کر پیا جائے، سب ایک ساتھ نہیں۔
۵۔ پانی رغبت اور لذت کے ساتھ پیا جائے۔ بے دلی اور نفرت کے ساتھ نہیں کہ یہ بہترین نعمتِ پروردگار ہے۔
۶۔ پانی پی کر امام حسینؑ اور ان کے اہلِ بیتؑ کو یاد کیا جائے اور ان کے دشمنوں پر لعنت کی جائے۔
۷۔ زیادہ پانی نہ پیا جائے۔
۸۔ چکنی غذا کے بعد فوراً پانی نہ پیا جائے۔
۹۔ رات کے وقت کھڑے ہوکر پانی نہ پیا جائے۔
۱۰۔ جس جگہ سے برتن ٹوٹا ہے اس جگہ سے پانی نہ پیا جائے اور بائیں ہاتھ سے پانی نہ پیا جائے۔

ان تمام احکامات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام اخلاقی تربیت میں عام مسائل ہی پر نگاہ نہیں رکھتا بلکہ زندگی کے بنیادی ضروریات کو بھی ضابطۂ اخلاق کے اندر لانا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ساری امتِ اسلامیہ کا اندازِ حیات ایک جیسا ہو۔ مسلمان جہاں بھی ہوں ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کا ایک انداز ہو اور وہ اپنے اندازِ حیات اور طریقۂ زندگی سے پہچان لئے جائیں کہ یہ ایک خدا کی مخلوق اور ایک نبیؐ کی امت ہیں۔

اس کے بعد انسان مخلوق ہونے کے ناطے ساری کائنات کے خصوصیات اور نفع و نقصان سے باخبر نہیں ہے لہذا رب العالمین کا فریضۂ حکمت تھا کہ وہ اپنے جاہل اور ناواقف بندوں کو کائنات کے خصوصیات سے باخبر کردے اور انھیں بتادے کہ کون سی چیز ان کی زندگی کے لئے مفید ہے اور کونسی مضر۔

پیغمبر اسلامؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے ان ارشادات کا منشا یہی ہے کہ اس طرح ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے اور کسی فائدہ سے محروم نہ رہنے پائے۔

کھانے پینے کے آداب میں دو طرح کی مصلحتیں کارفرما ہیں۔ بعض مقامات پر طبی مصلحتیں کام کر رہی ہیں کہ انسان کو ان تمام چیزوں کے استعمال سے روک دیا جائے جن میں ضرر پایا جاتا ہے چاہے اسے اس ضرر کا

اندازہ نہ ہو یا وہ اپنی نادانی کی بنا پر اس ضرر کی طرف قدم آگے بڑھانا چاہتا ہو اور اس سے پرہیز نہ کرنا چاہتا ہو۔

اور بعض مقامات پر اخلاقی مصلحتیں کارفرما ہیں جن کی بنا پر اسلام فقط خواہشات کی تسکین اور ضرورتوں کی تکمیل نہیں چاہتا بلکہ انسان کی زندگی کو انسانی زندگی اور اس کے ذہنی کیفیات کو اسلامی کیفیات بنانا چاہتا ہے۔

کھانے سے قبل و بعد ہاتھ دھونے کو طبی کہا جاسکتا ہے لیکن بسم اللہ اور الحمد للہ کہنے کو طبی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ صرف اخلاقی تعلیم ہے جس کے مادی فوائد بھی بے شمار ہیں۔ بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرنے والا حرام نہیں کھا سکتا کہ حرام نام شیطان لے کر کھایا جاتا ہے اور نام خدا لے کر نہیں بسم اللہ کہنے والا مال کو اپنی ملکیت نہیں سمجھ سکتا ورنہ اپنا نام لے کر کھاتا اور مال کو دوسرے کا سمجھنے والا زندگی کے ہر موڑ پر اس کی مرضی کا خیال رکھے گا اور اس کے خلاف اقدام نہیں کرے گا کہ غذا بھی اس کی ہے اور اس سے پیدا ہونے والی انرجی اور طاقت بھی اسی کی دین ہے۔ یہ ساری خصوصیات انسان کی ذہنی تربیت کے لئے بیحد مفید اور اس کے ذہن کو مسلمان بنانے کے لئے بیحد ضروری ہیں۔

سبق ۴۸

آداب موت وحیات

اسلام کے ضابطۂ اخلاق کی جامعیت اور ہمہ گیری کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ اس نے زندگی کے کسی شعبہ کو تشنہ اور معطل نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے ایک نہ ایک قانون وضع کر دیا ہے۔ زندگی تو زندگی ہے اس نے موت کے مسائل کو بھی تشنہ بیان نہیں چھوڑا ہے اور ان کی بھی مکمل وضاحت کر دی ہے اور پھر ان مسائل کو دو حصّوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ مرنے والے کے فرائض اور زندہ رہ جانے والوں کے فرائض۔

اس کی نگاہ میں یہ جائز نہیں ہے کہ مرنے والے کو اس کے فرائض سے آزاد کر دیا جائے اور وہ دنیا سے اس عالم میں جائے کہ زندگی کے آخری لمحات اطاعتِ الٰہی سے الگ ہو جائیں یا معصیتِ الٰہی میں گذر جائیں۔

اسی طرح وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ زندہ رہ جانے والے موت کے بعد اس کے احترام سے غافل ہو جائیں اور اسے ایک بے جان جسم سمجھ کر جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں پھینک دیں۔ اس نے مسلمان کے احترام کو حیات و موت میں یکساں قرار دیا ہے اور ہر مسلمان کا فرض قرار دیا ہے کہ دوسرے مسلمان کا احترام کرے چاہے وہ مردہ ہو یا زندہ۔

اسلام کے بعض احکام و قوانین کی طرف سابق میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس وقت ہنگامِ نزع سے دفن کے بعد تک کے مراحل میں اخلاقیات کے مکمل ضابطہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جس سے صاف اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام کس قدر جامع ہے اور اس کے قوانین میں کس قدر انسانیت اور ایمان

کا احترام پایا جاتا ہے۔

وقتِ آخر

انسانی زندگی کے آخری لمحات انتہائی قیامت کے لمحات ہوتے ہیں۔ جب جانے والا ساری کائنات کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور ہر ایک کی طرف حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ احباب چاہتے ہیں بچالیں۔ اعزا کی خواہش ہے کہ نہ جانے دیں۔ خود مرنے والے کی آرزو ہے کہ اپنے گھر میں اپنے اعزا اور احباب کے درمیان رہے ـــــ لیکن کسی کا کوئی بس نہیں چل رہا ہے۔ سانس اکھڑتی جا رہی۔ دم کھنچتا جا رہا ہے۔ زندگی کا خاتمہ ہو رہا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ کانٹوں پر ریشم کا کپڑا کھینچا جا رہا ہے۔ ایسی بیکسی اور بے بسی کے ہنگام میں بھی اسلام نے نہ مرنے والے کو غافل ہونے دیا اور نہ رہ جانے والوں کو۔

مرنے والے کا پہلا فریضہ قرار دیا کہ ممکن ہو تو یہ کرے، حقوق کو ادا کرے، وصیت کرے اور خود قبلہ رو ہو جائے تاکہ معنوی رخ بھی پروردگار عالم کی طرف رہے۔

اور زندہ رہ جانے والوں کا فریضہ قرار دیا گیا کہ اس کے ہوش و حواس کام نہ کریں تو وہ اسے قبلہ رُو کر دیں اور اس طرح لٹا دیں کہ سیدھا اٹھ کر بیٹھ جائے تو رخ خانہ کعبہ کی طرف رہے اور پھر غسل کے بعد تک اسی بات کا خیال رکھیں۔ نماز کے وقت یہ کیفیت بدل جائے گی کہ نمازی کو قبلہ رو کھڑا ہونا ہے اور پھر نماز سے دفن تک اس کیفیت میں رکھا جائے گا کہ ہمارے یہاں کے اعتبار سے سر شمال کی طرف ہوگا اور پیر جنوب کی طرف تاکہ نمازی کا رخ مغرب (قبلہ) کی طرف رہے اور دفن میں بھی اسی کیفیت کا لحاظ رکھا جائے گا اور میت کو کروٹ لٹایا جائے گا۔

اس کے علاوہ مستحب ہے کہ اسے شہادتیں اور عقائد کی تلقین کریں تاکہ وہ اپنی زبان سے دہرائے اور اپنے ذہن میں محفوظ کر کے ساتھ لے جائے۔

عقائد و شہادتین کے ساتھ کلماتِ فرج کی تلقین کریں تاکہ جاں کنی میں آسانی ہو۔

اس کے بعد بھی زحمت ہو تو اس جگہ لٹا دیں جہاں نماز پڑھا کرتا تھا تاکہ اس کی برکت سے نزع

روح میں آسانی ہوجائے۔

سورہ یٰسین وصافات وآیۃ الکرسی اور آیۃ سخرہ ـــــ سورہ بقرہ کی آخری تین آیتیں ـــ سورہ احزاب یا قرآن میں جو کچھ ممکن ہو اس کی تلاوت کریں کہ قرآن ایسے مشکلات کے حل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

واضح رہے کہ مردہ کے معاملات کی تکمیل سارے مسلمانوں پر واجب ہے لیکن ولی کا حق زیادہ ہے لہذا کوئی کام اس کی اجازت کے بغیر انجام نہ دیں۔ چاہے اجازت صریح ہو یا حالات سے اس بات کا یقین ہو کہ ولی ہمارے اقدام سے راضی ہے۔ ولی کی اجازت ممکن نہ ہو یا وہ ایسا نالائق ہو کہ نہ کام کرے نہ کرنے دے تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ممکن ہوگا تو حاکم شرع کی طرف رجوع کیا جائے گا ورنہ سارے امور مومنین کرام خود انجام دے لیں گے۔ ولی کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

ولی سے مراد زوجہ کے لئے شوہر ہے کہ وہ تمام اقربا سے زیادہ حق رکھتا ہے اور اس کے سامنے ماں باپ کی اجازت کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اس کے بعد طبقاتِ میراث کے اعتبار سے ولی طے ہوں گے۔ پہلے طبقہ میں ماں باپ اولاد ـــــ دوسرے طبقہ میں برادران اور اجداد۔ تیسرے طبقہ میں اعمام واخوان۔

ان تمام طبقات میں مرد عورتوں پر مقدم ہوں گے۔ البتہ ماں اولاد جمع ہوجائیں تو ماں کا حق مقدم ہے اگرچہ احتیاط یہی ہے کہ اولاد ذکور سے بھی اجازت لے لی جائے۔

اولیاء کی مکمل ترتیب یہ ہے پہلے شوہر ـــــ اس کے بعد باپ پھر ماں پھر لڑکے پھر لڑکیاں پھر نواسے اور پوتے پھر نواسیاں اور پوتیاں ـــــ پھر دادا اور نانا ـــــ پھر بھائی پھر بہن ـــــ پھر ان کی اولاد پھر چچا اور ماموں پھر ان کی اولاد وغیرہ۔

مستحبات بعد الموت

انسان کا انتقال ہوجائے تو حاضرین پر چند قسم کی اخلاقی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:۔

۱۔ آنکھوں کو بند کردیں اور منہ کو بھی بند کردیں۔

۲۔ جبڑوں کو باندھ دیں۔

۳۔ ہاتھوں کو پہلو میں پھیلا دیں۔

۴۔ پیروں کو سیدھا کر دیں۔

۵۔ ایک کپڑے سے میت کو ڈھانک دیں۔

۶۔ رات کا وقت ہے تو چراغ جلا دیں۔

۷۔ مومنین کو جنازہ میں شرکت کی اطلاع دیں۔

۸۔ دفن میں جلدی کریں۔ رات کا وقت ہے تو دن کا انتظار نہ کریں اور دن کا وقت ہے تو رات کا انتظار نہ کریں۔ کوئی خاص مجبوری ہے تو اور بات ہے۔

مکروہاتِ وقتِ موت

۱۔ ہنگامِ نزع اسے تنہا نہ چھوڑیں کہ اذیت ہوتی ہے۔

۲۔ پیٹ پر لوہے وغیرہ کا بوجھ نہ رکھیں۔

۳۔ میت کو تنہا نہ چھوڑیں کہ شیطان کوئی اثر کر سکے۔

۴۔ وقت احتضار جنب اور حائض اس کے پاس نہ آئیں۔

۵۔ زیادہ بات نہ کریں۔

۶۔ اس کے سامنے گریہ نہ کریں۔

۷۔ موت کا سامان اس کے پاس حاضر نہ کریں۔

۸۔ تنہا عورتوں کو نہ رہنے دیں کہ وہ چیخ مار کر روئیں۔

(موت کو ناگوار سمجھنا حرام نہیں ہے لیکن شانِ ایمان کے خلاف ہے۔ مومن کو لقاءِ الٰہی کے لئے تیار رہنا چاہئے اور حالات سے گھبرا کر موت کی آرزو نہیں کرنا چاہئے۔)

✪ مسلمان کی میّت کو غسل دینا واجب ہے چاہے شیعہ ہو یا غیر شیعہ۔ البتہ غیر شیعہ اپنے مردے کو غسل دے دے تو دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیعہ غیر شیعہ کو غسل دے گا تو طریقہ اپنا ہی اختیار کرے گا۔

✪ غسل دینے کے لئے نیت ضروری ہے اور تینوں غسلوں کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے۔ البتہ اگر کئی آدمی مل کر غسل دے رہے ہیں تو سب کو نیت کرنا ہوگی۔

✪ مردے کو تین غسل دیئے جائیں گے۔ پہلا بیری کے پانی سے، دوسرا کافور ملے پانی سے تیسرا خالص پانی سے۔

✪ مرد کی میّت کو مرد اور عورت کی میّت کو عورت کو غسل دینا ہے۔ صرف چند مقامات مستثنیٰ ہیں :-

۱۔ اگر میّت کی عمر تین برس سے کم ہے تو لڑکی کو مرد اور لڑکے کو عورت غسل دے سکتی ہے اور برہنہ بھی کر سکتی ہے۔

۲۔ شوہر زوجہ کو یا زوجہ شوہر کو بہر حال غسل دے سکتے ہیں اور سارے جسم پر نظر بھی کر سکتے ہیں۔ کپڑے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ موت سے محرمیت ختم نہیں ہوتی۔ دونوں ایک دوسرے کے محرم رہتے ہیں۔ طلاق کے بعد انتقال ہو تو دوسری بات ہے لیکن وہاں بھی عدت باقی ہے تو محرمیت برقرار رہے گی۔

۳۔ ہم جنس موجود نہیں ہے تو محرم دوسری جنس کو غسل دے سکتا ہے بشرطیکہ لاش کو برہنہ نہ کرے۔

۴۔ مسلمان ہم جنس غسل دینے والا نہ ہو تو اہلِ کتاب سے غسل دلوایا جا سکتا ہے لیکن پہلے انھیں خود غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے بعد غسل دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر دفن سے پہلے ہم جنس مل گیا تو دوبارہ غسل دیا جائے گا۔

۵۔ شہیدِ راہِ خدا میدانِ جہاد میں کام آجائے تو اسے غسل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حد یا قصاص کی بنا پر قتل کیا جا رہا ہے تو حاکم شرع اسے حکم دے گا کہ تینوں غسل کر کے

کفن پہن کر آئے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کے بعد صرف نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ اسے موت کے بعد مس کرنے میں غسل مس میت ضروری ہوگا۔

۶۔ اگر کوئی حالتِ احرام میں مرجائے تو غسل میں کافور کا استعمال نہ کیا جائے گا اور حنوط بھی نہ دیا جائیگا۔

۷۔ غسل دینا ممکن نہ ہو تو تیمم دلایا جائے اور احتیاط یہ ہے کہ ایک مرتبہ مردے کے ہاتھ سے اور ایک مرتبہ اپنے ہاتھ سے دو مرتبہ تیمم کرائے۔

۸۔ بیر اور کافور اتنی مقدار میں ملایا جائے کہ نہ خالص کہا جائے اور نہ مضاف۔ درمیانی کیفیت برقرار رہے۔

۹۔ انسان حالتِ جنابت یا حالتِ حیض میں مرگیا ہے تو دو غسلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف غسل میت کافی ہے۔

۱۰۔ میت بلا غسل یا غسل باطل کے ساتھ دفن ہوگئی ہے تو واجب ہے کہ اسے قبر سے نکال کر دوبارہ غسل دے کر دفن کریں بشرطیکہ توہین وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو۔

۱۱۔ جس تختہ پر غسل دیا جارہا ہے اسے ہر غسل کے بعد دھونا ضروری نہیں ہے۔ وہ خود بخود پاک ہوجاتا ہے۔ یہی حال لنگی کا بھی ہے۔

۱۲۔ مردہ کے عورتین پر نگاہ کرنا حرام ہے لیکن اس گناہ سے غسل باطل نہیں ہوتا۔

آدابِ غسلِ میت

۱۔ میت کو بلند مقام پر رکھا جائے چاہے تختہ ہو یا چبوترہ۔ اس کے بعد سر کو پیر سے بلند تر رکھا جائے۔

۲۔ حالتِ احتضار کی طرح رو بقبلہ لٹایا جائے۔

۳۔ قمیص کو پیروں کی طرف سے اتارا جائے چاہے پارہ پارہ ہی کیوں نہ ہوجائے بشرطیکہ وارث راضی ہو اس لئے کہ یہ اس کا حق ہے۔

۴۔ غسل کسی چھت کے نیچے دیا جائے۔

۵۔ غسل کے پانی کے لئے گڑھا کھود دیا جائے۔

۶۔ عورتین کے علاوہ سارا بدن کھول دیا جائے۔

۷۔ شرمگاہ کو بند رکھا جائے چاہے غسل دینے والے کے لئے نظر جائز ہی کیوں نہ ہو۔

۸۔ انگلیوں کو دھیرے دھیرے، نرم کر دیا جائے۔

۹۔ ہر غسل سے پہلے اس کے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھودے اور بہتر یہ ہے کہ اسی قسم کے پانی سے جو اس سے غسل دے رہا ہے۔

۱۰۔ میت کے سر کو غسل سے پہلے بیر کے جھاگ سے دھودے۔

۱۱۔ اس کی شرمگاہ کو بھی اسی طرح دھودے اور بہتر یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر یہ عمل انجام دے۔

۱۲۔ ابتدائی دونوں غسلوں میں آہستہ آہستہ پیٹ کو دبا دے۔

۱۳۔ ہر غسل سر کے داہنی طرف سے شروع کرے۔

۱۴۔ غسل دینے والا داہنی طرف کھڑا ہو۔

۱۵۔ غسل دینے والا ہر غسل میں تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولے۔ (اگرچہ واجب نہیں ہے۔)

۱۶۔ غسل دیتے وقت بدن کو ہاتھ سے ملتا بھی رہے۔

۱۷۔ غسل کا پانی چھ مشک کے برابر ہو۔

۱۸۔ غسل کے بعد بدن کو کپڑے وغیرہ سے خشک کر دیا جائے۔

۱۹۔ ہر غسل سے پہلے مردے کو وضو کرا دیا جائے۔

۲۰۔ ہر غسل میں ہر عضو کو تین مرتبہ دھویا جائے۔

۲۱۔ غسل دینے والا ہی کفن پہنائے تو پیروں کو گھٹنوں تک دھولے۔

۲۲۔ غسل دینے والا برابر ذکر خدا اور استغفار کرتا رہے۔

۲۳۔ بدن میں کوئی عیب ہو تو اس کا اظہار نہ کرے۔

مذکورہ بالا امور اگرچہ واجب نہیں ہیں اور سب کو ترک کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے اخلاقیات میں مرنے والوں کا کس قدر احترام کیا ہے اور جو مذہب مرنے والے کا اس قدر خیال رکھتا ہے اس کی نگاہ میں زندہ انسان کا کس قدر احترام ہوگا اور وہ انسان کو عظمت و شرافت کی کس بلندی پر دیکھنا چاہتا ہے۔

مکروہاتِ غسلِ میّت

۱۔ غسل کے وقت میّت کو اٹھا کر بٹھانا۔

۲۔ دونوں پیروں کے درمیان رکھ کر غسل دینا۔

۳۔ سر یا زیرِ ناف کے بالوں کا مونڈنا یا بغل بنانا یا مونچھیں کترنا یا ناخن کاٹنا۔

۴۔ بالوں کو سنوارنا۔

۵۔ گرم پانی سے غسل دینا خصوصاً وہ پانی جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔

۶۔ غسل کے دوران میّت کے اوپر سے گذرنا۔

۷۔ غسل کے دھوون کو بیت الخلاء، نالی وغیرہ میں بہانا۔

۸۔ میّت حاملہ ہے تو اس کے پیٹ کو ملنا بھی مکروہ ہے۔

میّت کا کوئی جزء غسل کے دوران جدا ہو جائے تو اسے محفوظ کر کے کفن میں رکھ دیں بلکہ دانت کے بارے میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ امام باقر علیہ السّلام نے زندگی میں جدا ہو جانے والے دانت کے بارے میں امام صادق علیہ السّلام کو وصیت فرمائی تھی اسے میرے ساتھ دفن کر دیا جائے۔

سبق ۴۹

تکفینِ میّت

اسلامی اخلاقیات میں جس طرح مردہ کو غسل دینا واجب ہے اسی طرح کفن پہنانا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر کفن رکھا رہ گیا اور وہ بلا کفن دفن ہو گیا تو سارے مسلمان مجرم قرار پائیں گے۔ یہ مرنے والے کا زندہ رہ جانے والوں پر ایک اخلاقی اور اسلامی حق ہے ـــــ لیکن اس سلسلہ میں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ مردہ کو کفن پہنانا واجب ہے کفن دینا واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی مرنے والے کا ترکہ نہیں ہے اور ورثہ بھی کفن دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مسلمانوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر چندہ کر کے کفن دیں۔ وہ جس کپڑے میں ملبوس ہے اس میں دفنایا جا سکتا ہے جس طرح کہ غسل دینا واجب تھا، مقدماتِ غسل کا فراہم کرنا واجب نہیں تھا اور اس لئے غسل دینے کی اجرت حرام تھی اور مقدمات کی اجرت جائز تھی۔

کفن میں تین کپڑے واجب ہیں۔ ایک لنگی جو ناف سے گھٹنوں تک ہو اور ایک قمیص جو دونوں طرف سے پنڈلیوں تک ہو یا کم از کم سامنے سے پنڈلیوں تک ہو اور پشت سے بھی بقدر ضرورت ہو۔ اور ایک چادر جس میں میّت کو لپیٹا جا سکے۔

✪ تمام کپڑوں کو ستر پوش ہونا چاہئے۔ بالکل ہلکا کپڑا جس سے بدن جھلکتا رہے جائز نہیں ہے۔

✪ زوجہ کا کفن اور دیگر اخراجات بنا بر احتیاط اس کے شوہر کے ذمہ ہیں اگر وہ بالکل فقیر نہیں ہے۔ اس ذمہ داری کا ماں باپ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ترکہ سے کوئی تعلق ہے۔ یہ

ایک طرح کا نفقہ ہے جو مرنے کے بعد زوجہ کو دیا جاتا ہے۔ البتہ اگر شوہر بالکل نادار ہو تو احتیاطاً اس کو دینا چاہئے جس پر اس کا نفقہ واجب تھا۔

✪ ترکہ اس قدر مختصر ہو کہ یا کفن دیا جائے یا قرضداروں کو دیا جائے تو کفن کا حق مقدم ہے، قرضہ اس کے بعد ادا کیا جائے گا۔

✪ بقدر واجب کفن ترکہ سے نکالا جائے گا۔ باقی کے لئے ورثہ کی رضامندی ضروری ہے۔ وارث نابالغ ہے تو اس کے مال میں واجب سے زیادہ تصرف کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ یا مومنین اپنے پاس سے عمامہ، شہادت نامہ، ران پیچ کمر بند وغیرہ دیں یا صرف واجب کفن میں کفنادیں۔

مستحباتِ کفن

۱۔ مرد کے لئے عمامہ مستحب ہے جسے سر پر لپیٹ کر دونوں سرے سینے پر ڈال دیئے جائیں۔ داہنا سرا بائیں طرف اور بایاں سرا داہنی طرف۔

۲۔ عورت کے لئے عمامہ کے بدلے مقنع مستحب ہے۔

۳۔ عورت کے لئے ایک سینہ بند ہو جسے پشت کی طرف باندھ دیا جائے۔

۴۔ ایک کمر بند دونوں کے لئے جسے کمر میں باندھ دیا جائے۔

۵۔ ایک کپڑا ساڑھے تین ہاتھ کا جس کی چوڑائی کم سے کم ایک بالشت ہو اسے کمر میں باندھ کر دونوں رانوں کو گھٹنوں تک لپیٹ دیا جائے۔

۶۔ چادر کے اوپر ایک چادر مزید ہو جسے برد یمانی کہا جاتا ہے بلکہ عورت کے لئے ایک تیسری چادر بھی ہو۔

۷۔ دونوں پیروں کے درمیان روئی وغیرہ رکھی جائے جس سے ستر عورتین ہو جائے بلکہ تھوڑا کافور بھی رکھ دیا جائے۔

۸۔ کفن بہترین کپڑے کا ہو کہ مرنے والے روز قیامت اپنے کفن کی خوبی پر فخر و مباہات کریں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ کو دو ہزار دینار کی مالیت کا کفن دیا گیا تھا جس پر سارا قرآن لکھا ہوا تھا۔

۹۔ کفن کو سوتی ہونا چاہئے۔

۱۰۔ کفن کو سفید ہونا چاہئے رنگین کفن مکروہ ہے۔

۱۱۔ پاک و پاکیزہ مال سے تیار کرنا چاہئے مشکوک مال سے نہیں۔ (اگر مرنے والے نے خمس نہیں نکالا ہے تو بغیر خمس نکالے کفن نہ دیا جائے کہ روز قیامت مستحقین اپنا کفن بھی واپس لے لیں اور مردہ بلا کفن رہ جائے۔)

۱۲۔ ایسے کپڑے کا ہو جس میں احرام باندھا تھا یا نماز پڑھی تھی۔

۱۳۔ کفن پر تھوڑا کافور وغیرہ ڈال دیا جائے بلکہ بہتر ہے کہ اسے معصومینؑ کی ضریح سے مس کیا جائے اور اس کے ساتھ خاک شفا بھی رکھی جائے۔

۱۴۔ چادر کا داہنا حصہ بائیں پر اور بایاں حصہ داہنے پر ڈال دیا جائے۔

۱۵۔ کفن کو اسی کے دھاگے سے سیا جائے۔

۱۶۔ کفن دینے والا باطہارت ہو اور اگر اسی نے غسل دیا ہے تو کفن دینے سے پہلے دونوں ہاتھ کو کہنیوں یا بازوؤں تک اور دونوں پیروں کو گھٹنوں تک دھوئے بلکہ بدن کا جو حصہ بھی نجس ہو گیا ہے اسے پاک کرلے۔

۱۷۔ کفن کے ہر ٹکڑے (قمیص، چادر، عمامہ وغیرہ) پر مرنے والے اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ یہ لکھا جائے کہ وہ توحید و رسالت و امامت و حشر و نشر و قیامت کی گواہی دیتا ہے۔

۱۸۔ کفن پر سارا قرآن، دعائے جوشن کبیر و صغیر لکھی جائے اور بہتر یہ ہے کہ دعائے جوشن شیشہ پر لکھ کر اسے دھو کر کفن پر چھڑک دیا جائے۔

۱۹۔ کفن پر امام رضا علیہ السلام کی وہ حدیث لکھ دی جائے جو آپ نے نیشاپور میں اپنے آباء و اجداد کے حوالے سے بیان کی تھی کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے

عذاب سے محفوظ ہوگیا" اس طرح تو معصومین کے اسماء گرامی بھی درج ہوجائیں گے۔

۲۰۔ کفن پر وہ تمام چیزیں لکھ دی جائیں جو روزِ قیامت کام آنے والی ہیں اور سب کو خاکِ شفا سے لکھا جائے یا روشنائی میں خاکِ شفا ملالی جائے۔ خالص مٹی کو پانی میں گھول کر بھی لکھ سکتے ہیں بلکہ بغیر روشنائی صرف انگلی سے بھی لکھ سکتے ہیں۔

۲۱۔ اپنا کفن، کافور، سدر اپنی زندگی میں مہیا کرے کہ اس طرح انسان غافلوں میں شمار ہونے سے بچ جاتا ہے اور جب بھی اس پر نظر کرتا ہے ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔

۲۲۔ میت کو تکفین کے وقت روبقبلہ رکھا جائے جس طرح احتضار کے وقت ہوتی ہے یا اس طرح جس طرح نماز کے وقت ہوتی ہے۔

نوٹ: اگر یہ ساری دعائیں اور آیتیں کفن پر لکھنے کے بجائے ایک دوسرے کپڑے پر لکھ کر سینے یا سر پر رکھ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ اس طرح بے حرمتی کا خطرہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔

مکروہاتِ کفن

۱۔ کفن کا لوہے سے قطع کرنا۔

۲۔ اس میں آستین اور بٹن وغیرہ لگانا۔ بلکہ اگر مجبوراً قمیص میں کفن دیا جارہا ہے تو آستین اور بٹن وغیرہ نکال دے۔

۳۔ جس دھاگے سے سلائی کی جائے اسے لعابِ دہن سے تر کیا جائے۔

۴۔ کافور وغیرہ کے علاوہ دوسری خوشبو استعمال کرنا۔

۵۔ کفن کا سیاہ ہونا۔

۶۔ سیاہ رنگ سے لکھنا۔

۷۔ کتان کا کپڑا استعمال کرنا چاہے مخلوط ہی کیوں نہ ہو۔

۸۔ ریشم کی آمیزش ہونا۔

۹۔ کفن کی خریداری میں زیادہ مول بھاؤ کرنا۔

۱۰۔ عمامہ کا بلا تحت الحنک ہونا مکروہ ہے۔

۱۱۔ کفن کا کثیف اور میلا ہونا۔

۱۲۔ کفن کا سلا ہوا ہونا۔ بہتر یہ ہے کہ ہر ٹکڑا ایک ایسا کامل ٹکڑا ہو جس میں سلائی کی ضرورت نہ پڑے۔

حنوط

غسل کے بعد اور تکفین مکمل ہونے سے پہلے میت کے ساتوں اعضاء سجدہ پر کافور ملنا واجبات میں ہے۔ ابتدا پیشانی سے کرے اس کے بعد جس ترتیب سے چاہے عمل کرے۔ کافور کی کم سے کم مقدار (غسل وغیرہ کے علاوہ) ایک مثقال (تقریباً ۵ ماشہ) اور زیادہ سے زیادہ ۷ مثقال ہو۔

✪ کافور کو خوشبودار ہونا چاہیئے اور ساتوں اعضاء کے علاوہ بغل کے اندر و جوڑوں پر، قدموں میں، ہتھیلیوں کے اور ہر اس مقام پر جہاں بدبو کا اندیشہ ہو کافور ملنا مستحب ہے۔ کافور نہ ہو تو دوسری خوشبو کی ضرورت نہیں ہے۔

✪ کافور کو میت کی آنکھ، ناک، کان میں نہ رکھا جائے اور نہ چہرہ پر ڈالا جائے۔

✪ بہتر یہ ہے کہ ہاتھ سے چور کیا جائے اور اس میں تھوڑی سی خاک شفا ملائی جائے۔

✪ جنازہ پر کافور رکھنا یا جنازہ کے ساتھ خوشبو لے کر چلنا مکروہ ہے۔

جریدتین

مذہب شیعہ میں ہر میت مومن کے ساتھ دو لکڑیاں رکھنا بیحد ثواب کا باعث ہے۔ روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب تک یہ لکڑیاں تر رہتی ہیں مرنے والے پر عذاب قبر نہیں ہوتا ـــــ سرکار دوعالمؐ ایک قبر کے قریب سے گذرے جس پر عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے ایک لکڑی لے کر اسے دو حصہ کیا اور ایک سرہانے، ایک پائینتی نصب کر دیا۔ فرمایا جب تک یہ لکڑیاں تر رہیں گی مرنے والے پر

عذاب نہ ہوگا۔

✪ بہتر یہ ہے کہ لکڑی کھجور، بیر، انار کی ہو ورنہ کوئی گیلی لکڑی ہو۔ خشک کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

✪ لکڑی کی لمبائی ایک بالشت سے لے کر ایک ہاتھ تک ہوسکتی ہے۔

✪ رکھنے کے لئے کسی طرح رکھ دی جائے استحباب ادا ہوجائے گا۔ اگرچہ روایات میں مختلف ترکیبیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک داہنی طرف گردن کے پاس جسم سے ملاکر اور ایک بائیں طرف قمیص اور چادر کے درمیان ـــــ ایک داہنی طرف بغل میں اور ایک دونوں گھٹنوں کے درمیان ـــــ دونوں داہنی طرف ....

✪ اگر لکڑی صرف ایک ہے تو اسے داہنی طرف رکھ دیا جائے۔

✪ بہتر یہ ہے کہ اس پر مرنے والے کی طرف سے عقائد کے اقرار کی تحریر لکھ دی جائے۔

تشییع جنازہ

اسلام میں اخلاقیات کی معراج مشایعت جنازہ کی شکل میں دیکھنے میں آتی ہے جہاں مرنے کے بعد مومن کا اس قدر احترام کیا جاتا ہے کہ جنازہ آگے آگے رہتا ہے اور تمام صاحبانِ حیثیت و وجاہت، اربابِ دولت واقتدار اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ خود پیدل چلتے ہیں اور جنازہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھاکر لے چلتے ہیں۔ دنیا میں بڑے سے بڑے صاحبِ اقتدار کے سامنے بہترین سواری پیش کردی جاتی ہے لیکن کوئی اپنے کاندھوں پر اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یہ صرف مرنے والے کی بیکسی کا احترام ہے کہ اسے کاندھوں پر اٹھایا جاتا ہے اور اس میں کسی طرح کا استثنا نہیں ہے بلکہ ہر صاحبِ ایمان سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ دوسرے صاحبانِ ایمان کو سہارا دے۔

مشایعت جنازہ سے انسان کو موت یاد آتی ہے اور یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح آج یہ بے بس ہوگیا ہے کہ زندہ افراد نہ اٹھائیں تو قبر تک بھی نہ جاسکے اسی طرح کل ہمیں بھی اسی منزل سے

گذرنا ہے ـــــ پھر اس کے بعد مرنے والا بھی زبانِ حال سے آواز دیتا ہے کہ یہ برتاؤ فقط مرنے والے کے ساتھ نہ کرو کہ مردہ پرست کہے جاؤ۔ یہی اصول زندگی میں بھی اپناؤ اور جہاں کوئی بیکس و بے بس نظر آئے اسے سہارا دے کر اوپر اٹھاؤ اور بے سہارا نہ رہنے دو۔

✪ تشییع جنازہ کے سلسلہ میں پہلا استحباب ورثہ سے متعلق ہے کہ مومنین کو مرنے کی اطلاع دیدیں اور انھیں نماز و استغفار کی دعوت دیں۔ اس کے بعد مومنین کے لئے مستحب ہے کہ جلد از جلد پہنچ جائیں اور جنازہ میں شرکت کریں کہ روایات میں مشایعت جنازہ کو دعوتِ ولیمہ پر مقدم قرار دیا گیا ہے اور اسے مومن کے پہلے تحفہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ اللہ ہر قدم پر ایک لاکھ نیکیاں دیتا ہے، ایک لاکھ برائیاں محو کرتا ہے اور ایک لاکھ درجات بلند کرتا ہے اور اگر نماز میں بھی شرکت کر لی تو اس کے مرنے پر ستر ہزار فرشتے اس کی مشایعت کریں گے اور اس کے لئے تا قیامت استغفار کرتے رہیں گے۔

مشایعت کی کوئی حد نہیں ہے چند قدم بھی ہو سکتی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ دفن تک ہو ورنہ کم سے کم نماز تک ہو۔

مستحباتِ مشایعت

۱۔ جنازہ کو دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ـــــ اور اللہ اکبر کہے۔

۲۔ جنازہ کو اٹھاتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کہے۔

۳۔ جنازہ کے ساتھ پیدل چلے۔ سوار نہ ہو ـــــ واپسی میں سواری میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ جنازہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھائیں اور جب تک مجبوری نہ ہو سواری پر نہ رکھیں۔

۵۔ مشایعت کرنے والا خضوع و خشوع کے ساتھ چلے اور یہ محسوس کرے کہ گویا خود بھی قبرستان کی طرف جا رہا ہے یا ایک دن جانا ہے۔

۶۔ جنازہ کے پیچھے یا داہنے بائیں چلے۔ آگے نہ چلے۔

۷۔ جنازہ پر جو کپڑا ڈالا جائے اس پر زینت و آرائش نہ ہو کہ انسان موت سے غافل ہو جائے۔

۸۔ چار آدمی مل کر اٹھائیں۔

۹۔ ہر آدمی چاروں طرف سے اٹھائے۔ پہلے میت کے داہنے کاندھے کو اپنے داہنے کاندھے پر رکھے، پھر پائینتی کی طرف آکر اسے بھی داہنے کاندھے پر لے۔ پھر گھوم کر بائیں پائینتی کو بائیں کاندھے پر اور پھر بائیں سرہانے کو بائیں کاندھے پر لے۔

۱۰۔ صاحب مصیبت ننگے پیر اور ایسی حالت میں ہو کہ صاحب مصیبت معلوم ہو۔

مکروہاتِ مشایعت

۱۔ ہنسی مذاق اور کھیل تماشہ نہ کرے۔

۲۔ ذکر خدا اور استغفار وغیرہ کے علاوہ کلام نہ کرے یہاں تک کہ سلام وغیرہ بھی نہ کرے۔

۳۔ عورتیں جنازہ میں شرکت نہ کریں۔

۴۔ تیز رفتاری سے نہ چلیں کہ مرنے والے کو اذیت ہو۔

۵۔ ہاتھوں کو رانوں پر یا دوسرے ہاتھ پر نہ ماریں۔

۶۔ صاحب مصیبت لوگوں سے استغفار وغیرہ کا مطالبہ نہ کرے۔ لوگوں کو خود یہ کام کرنا چاہئے۔

۷۔ جنازہ کے پیچھے آگ لے کر نہ چلیں ـــــ رات کا وقت ہو تو چراغ لے کر چل سکتے ہیں۔

۸۔ کافر، منافق اور فاسق کو تشیع میں شریک نہ کیا جائے۔

نمازِ میت

مسلمان کی میت پر نماز ادا کرنا واجب ہے۔ وہ مومن ہو یا غیر مومن، عادل ہو یا فاسق، پاکدامن ہو یا گنہگار۔ حد یہ ہے کہ خودکشی بھی کی ہے تو اس کی نماز جنازہ بہرحال واجب ہے بشرطیکہ

اس کی عمر ۶ سال سے کم نہ ہو ورنہ واجب نہیں ہے صرف مستحب ہے۔

✪ نماز کو غسل وکفن کے بعد اور دفن سے پہلے ہونا چاہئے۔ مجبوراً یا دھوکہ میں دفن ہوگیا ہے تو قبر پر بھی نماز ہوسکتی ہے۔

✪ نماز کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے اور ایک ہی درجہ کے مختلف ورثہ ہوں تو احتیاطاً سب سے اجازت لے لے۔

✪ وارث اگر عورت ہے تو خود بھی نماز ادا کرسکتی ہے دوسرے مردوں کی ضرورت نہیں ہے۔

✪ نابالغ کی نماز جنازہ کافی نہیں ہے۔ بالغ کو بہرحال ادا کرنا ہوگا۔

✪ بہتر یہ ہے کہ یہ نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور امام جامع الشرائط ہو۔ البتہ نماز کے ذکر تمام نمازیوں کو پڑھنا ہوں گے۔ امام ذمہ دار نہ ہوگا۔

✪ عورت نماز جماعت پڑھانا چاہے تو پڑھا سکتی ہے لیکن عورتیں ہی پڑھیں گی اور وہ بھی برابر سے کھڑے ہوکر۔

کیفیتِ نمازِ میّت

اس نماز میں پانچ تکبیریں ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد کلمہ شہادتین، دوسری کے بعد صلوات، تیسری کے بعد مومنین ومومنات کے لئے دعائے مغفرت، چوتھی کے بعد میّت کے لئے دعائے مغفرت، اور آخری کے بعد نماز تمام۔

✪ بہتر یہ ہے کہ یہ ساری دعائیں ہر تکبیر کے بعد پڑھے۔

✪ پانچ تکبیرات سے کم صحیح نہیں ہے جب تک تقیہ وغیرہ کا موقع نہ ہو۔

✪ تکبیرات کے بعد منقول دعائیں ہی لازم نہیں ہیں کوئی دعا بھی ہوسکتی ہے لیکن مفہوم شہادتین، صلوات اور استغفار ہی کا نکلتا ہو۔

✪ بقدر واجب دعا عربی زبان میں ہوگی۔ اس کے بعد دوسری زبان میں بھی ہوسکتی ہے۔

✪ اس نماز میں اذان، اقامت، سورہ حمد، رکوع، سجدہ، قنوت، تشہد، سلام وغیرہ کچھ نہیں ہے بلکہ قصداً پڑھے گا تو گنہگار بھی ہوگا۔

شرائط نمازِ میّت

۱۔ مردہ کو چت لٹایا جائے۔

۲۔ سر نمازی کے داہنی طرف اور پیر بائیں طرف ہو۔

۳۔ نمازی میّت کے پیچھے کھڑا ہو۔ جماعت لمبی ہے تو داہنے بائیں بھی واقع ہوسکتا ہے۔

۴۔ میّت سامنے موجود ہو۔ غائبانہ نماز نہیں ہوسکتی۔

۵۔ درمیان میں تابوت وغیرہ کے علاوہ کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہو۔

۶۔ نمازی اور جنازہ میں زیادہ فاصلہ نہ ہو۔

۷۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ پست و بلند نہ ہوں۔

۸۔ نماز رو بقبلہ اور کھڑے ہوکر میّت کو معیّن کرکے نماز پڑھے چاہے میت حاضر ہی کہہ کر معین کرے۔

۹۔ نماز میں قصد قربت ہو اور جگہ مباح ہو۔ تکبیرات کے درمیان موالات اور تسلسل ہو۔

۱۰۔ نمازی کے قیام میں استقرار ہو اضطراب اور حرکت نہ ہو اور ولی کی اجازت بہر حال حاصل ہو۔

آداب نمازِ میّت

۱۔ نمازی باطہارت ہو چاہے تیمم ہی کیوں نہ کرے کہ اس نماز میں وضو غسل کے ممکن ہوتے ہوئے بھی تیمم ہوسکتا ہے۔

۲۔ نمازی مرد کی کمر کے سامنے اور عورت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو ـــــ جماعت کا حساب الگ ہے۔

۳۔ نمازی ننگے پیر ہو۔ جوتہ چپل پہن کر یہ نماز مکروہ ہے۔
۴۔ تکبیرات کے وقت ہاتھ بلند کرے۔
۵۔ جنازہ سے قریب تر کھڑا ہو۔
۶۔ امام تکبیرات اور دعائیں بلند آواز سے پڑھے۔
۷۔ ایسی جگہ نماز ادا کرے جہاں زیادہ مومنین شرکت کرسکیں۔
۸۔ مسجد میں نماز نہ ہو کہ مسجد الحرام کے علاوہ باقی مساجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔
۹۔ نماز باجماعت ادا کی جائے اگرچہ فرادیٰ بھی ہوسکتی ہے۔
۱۰۔ ماموم ایک بھی ہو تو امام کے پیچھے کھڑا ہو جب کہ عام جماعت میں داہنی طرف کھڑا ہونا احوط ہے۔
۱۱۔ مومنین اور مومنات اور میت کے حق میں زیادہ دعائیں کی جائیں۔
۱۲۔ نماز سے پہلے تین مرتبہ الصلوٰۃ کہا جائے۔
۱۳۔ حائضہ عورت جماعت میں شریک ہو تو الگ صف میں کھڑی ہو۔ (واضح رہے کہ اس نماز میں طہارت شرط نہیں ہے۔)
۱۴۔ چوتھی تکبیر کے بعد میت کے حق میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔

دفن میّت

مرنے والوں کا زندہ رہ جانے والوں پر آخری حق واجب یہ ہے کہ انھیں سپرد خاک کردیں۔ اس طرح وہ توہین اور بربادی سے محفوظ ہوجائیں گے اور ان کی زندگی بھی خطرات سے باہر نکل آئیگی۔

✪ میت کو دفن کرنا واجبات سے ہے جس میں ولی کی اجازت تو ضروری ہے لیکن اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

✪ میت کو قبر میں باقاعدہ داہنی کروٹ لٹایا جائے تاکہ پورا جسم رو بقبلہ ہو نہ کہ صرف سر اور گردن۔

✪ مسلمان کا کافروں کے مقبرہ میں یا کفار کا مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کرنا حرام ہے۔

✪ غصبی جگہ، دوسرے مقاصد کے اوقاف یا دوسرے کی قبر میں دفن کرنا جائز نہیں ہے، جب تک کہ قبر بالکل برابر نہ ہو جائے۔

✪ میت کے شکم میں بچہ ہو تو اسے نکال لیا جائے اس کے بعد دفن کیا جائے اور زندہ کے شکم میں بچہ مر گیا ہے تو جس طرح ممکن ہو گا نکالا جائے گا چاہے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے لیکن حتی الامکان یہ کام عورتیں یا شوہر انجام دے۔ یہ ممکن نہ ہو تو محرم افراد اور وہ بھی ممکن نہ ہو تو نامحرم اطباء۔

مستحباتِ دفن

۱- قبر کی گہرائی گردن تک یا پورے قد و قامت کے برابر ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔

۲- زمین سخت ہو تو قبلہ کی طرف لحد بنائی جائے اور نرم ہو تو درمیان میں نہر کی شکل میں گڈھا بنایا جائے۔

۳- قریب کے قبرستان میں دفن کیا جائے ـــــ دور والے میں کوئی خصوصیت اور امتیاز ہے تو دوسری بات ہے۔

۴- جنازہ کو قبر سے دو تین ہاتھ دور رکھا جائے۔ پھر اور قریب کیا جائے۔ پھر اور قریب کیا جائے۔ تب قبر میں اتارا جائے۔

۵- مرد کے جنازہ کو پائینتی کی طرف سے سر کے بھل اتارا جائے اور عورت کے جنازہ کو قبلہ کی طرف سے برابر سے اتارا جائے۔

۶- عورت کو اتارتے وقت قبر پر چادر تان دی جائے۔

۷- تابوت میں سے دھیرے دھیرے نکالا جائے۔

۸- تابوت سے نکالتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ .... دعا پڑھے اور سورہ حمد، آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھے۔

۹- قبر میں رکھ کر بند کفن کھول دیئے جائیں۔

۱۰- چہرہ کھول کر رخسار کو خاک پر رکھ دیا جائے اور خاک ہی تکیہ بنا دیا جائے۔

۱۱۔ پشت کی طرف ٹیک لگا دی جائے تاکہ چت نہ ہونے پائے۔
۱۲۔ تھوڑی سی خاکِ شفا چہرہ کے سامنے رکھ دی جائے۔
۱۳۔ قبر میں رکھنے کے بعد دونوں بازو پکڑ کر تلقین پڑھے۔
۱۴۔ لحد کو اینٹ وغیرہ سے بند کر دیا جائے کہ مردہ پر مٹی نہ گرنے پائے۔
۱۵۔ دفن کرنے والا پائینتی کی طرف سے باہر آئے کہ یہی قبر کا دروازہ ہے۔
۱۶۔ قبر میں اتارنے والا ننگے سر، ننگے پیر اور باطہارت ہو۔
۱۷۔ قرابتداروں کے علاوہ حاضرین مٹی ڈالیں۔
۱۸۔ عورت کی میت کو شوہر یا محرم۔ اس کے بعد قرابتدار ورنہ اجنبی افراد قبر میں اتاریں۔ مرد کی میت کو اجنبی ہی اتاریں یہی بہتر ہے۔
۱۹۔ قبر کو زمین سے چار انگل اونچا رکھا جائے کھلی انگلی یا جڑی انگلی۔
۲۰۔ قبر کو چوکور بنایا جائے۔ اونٹ کے کوہان کی طرح نہ ہو۔
۲۱۔ قبر پر کوئی علامت بنا دی جائے۔
۲۲۔ سر سے پیر اور پیر سے سر کی طرف پانی چھڑک دیا جائے۔ باقی درمیان میں ڈال دیا جائے اور یہی کام چالیس دن یا چالیس مہینے تک کیا جائے۔
۲۳۔ قبر پر انگلیاں رکھ کر فاتحہ پڑھیں اور سات مرتبہ سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ پڑھیں۔
۲۴۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد ولی یا اس کا مجاز شخص دوبارہ تلقین پڑھے۔
۲۵۔ کسی پتھر یا تختی پر میت کا نام لکھ کر سرہانے نصب کر دیا جائے۔
۲۶۔ میت کے منہ میں عقیق رکھ دیا جائے جس پر عقائد کندہ ہوں۔
۲۷۔ قبر پر کچھ سرخ رنگ کی کنکریاں ڈال دی جائیں۔
۲۸۔ دفن کے قبل و بعد صاحبانِ عزا کو تعزیت پیش کی جائے اور دو یا تین دن تک جلسہ تعزیت رکھا جائے تاکہ تلاوت قرآن وغیرہ ہوتی رہے۔

۲۹۔ صاحبانِ عزا تک تین دن تک کھانا بھیجا جائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی فکر نہ کی جائے۔

۳۰۔ چالیس یا پچاس مومنین اس بات کی گواہی دیں کہ ہم مرنے والے کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔

۳۱۔ مومن پر گریہ کیا جائے۔

۳۲۔ صاحبِ عزا اپنے نفس کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مصائب کی یاد سے تسکین دے۔

۳۳۔ مصیبت میں صبر کیا جائے اور اہلبیتؑ کے مصائب کو یاد کیا جائے خصوصاً مرگِ اولاد میں۔

۳۴۔ جب بھی مرنے والا یاد آئے اِنَّالِلّٰہِ پڑھا جائے۔

۳۵۔ مومنین کے قبور کی زیارت کی جائے اور زائر قبر پر ہاتھ رکھ کر روبقبلہ سات مرتبہ اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ، تین مرتبہ الحمد، آیۃ الکرسی، سورہ ناس، سورہ ناس، سورہ فلق پڑھے۔ یہ استحباب دوشنبہ اور اور جمعرات کو زیادہ ہے بالخصوص عصر کے وقت اور ہفتہ کی صبح کے وقت کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر۔

۳۶۔ والدین کی قبر کے پاس حاجت طلب کی جائے کہ خداوند عالم اس مقام پر دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

۳۷۔ قبر کو مستحکم بنایا جائے۔

۳۸۔ اقربا کو آپس میں قریب قریب دفن کریں۔

۳۹۔ شکر خدا کیا جائے، انا للہ پڑھا جائے اور اولاد کی موت کے موقع پر نعم البدل کی دعا کی جائے۔

۴۰۔ شبِ دفن نماز ہدیہ میت پڑھی جائے۔ دو رکعت نماز پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد دس مرتبہ انا انزلناہ ـــــ دوسری روایت کی بنا پر پہلی رکعت میں حمد اور قل ہواللہ اور دوسری رکعت میں حمد اور الھٰکم التکاثر دس مرتبہ۔

- بہتر یہ ہے کہ یہ نماز چالیس آدمی پڑھیں ورنہ ایک نماز بھی کافی ہے۔
- اس نماز کا وقت تمام رات ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اول شب میں نماز عشا کے بعد پڑھی جائے۔
- میت کے دفن میں تاخیر ہو جائے، اور مدت کے بعد دفن ہو تو نماز ہدیہ میت میں بھی تاخیر

کی جائے گی اور بعد دفن پڑھی جائے گی۔

- تعزیت مرد وعورت، جوان و پیر سب کے لئے مستحب ہے جب تک جوان عورتوں کے تعزیت پیش کرنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔
- مستحب ہے کہ انسان اپنے مرنے کے بعد کھانے کے لئے ایک مخصوص مال کی وصیت کر جائے اور یہ بوجھ ورثہ کے سر نہ ڈالے۔

مکروہاتِ دفن

۱۔ دو میتوں کا ایک قبر میں دفن کرنا خصوصاً اگر مرد اور اجنبی عورت ہو۔ اسی طرح مرد اور اجنبی عورت کا ایک تابوت میں اٹھانا بھی مکروہ ہے۔

۲۔ قبر کا فرش پختہ بنانا مکروہ ہے اگر زمین تر نہ ہو ورنہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ باہر سے پختہ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۳۔ باپ کا بیٹے کی قبر میں اترنا۔

۴۔ قریبی قرابتداروں کا مٹی دینا۔

۵۔ قبر کو دوسری جگہ کی مٹی سے بند کرنا۔

۶۔ بلاضرورت قبر کی گچکاری وغیرہ کرنا خصوصاً اندر کے حصے میں۔

۷۔ بوسیدہ ہونے کے بعد قبر کو بھی تازہ بنانا مگر یہ کہ قبر بزرگانِ دین کی ہو کہ اس کی تجدید ضروری ہے

۸۔ قبر کا کوہان کی شکل میں بنانا۔

۹۔ بندگانِ دین کے علاوہ عام افراد کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا ـــــ چھت کے نیچے یا عمارت کے اندر دفن کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۱۰۔ مقبرہ کا مسجد بنالینا ـــــ اولیاء اللہ کے مقبرہ کی بات دوسری ہے۔

۱۱۔ قبروں کے پاس قیام کرنا ـــــ علاوہ اولیاء اللہ کی قبروں کے۔

۱۲۔ قبر پر بیٹھنا۔

۱۳۔ قبرستان میں پیشاب پاخانہ کرنا ـــــ بے حرمتی ہے تو حرام بھی ہے۔

۱۴۔ قبرستان میں ہنسنا۔

۱۵۔ گھروں میں دفن کرنا۔

۱۶۔ قبروں کو نجس کرنا۔

۱۷۔ بلاضرورت قبروں پر چلنا۔

۱۸۔ قبر پر ٹیک لگا کر بیٹھنا۔

۱۹۔ یکبارگی میت کو قبر میں اتار دینا۔

۲۰۔ قبر کا چار انگل سے زیادہ اونچا بنانا۔

۲۱۔ میت کے موت کے شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا۔ (مشاہد مقدسہ اور مقامات مشرفہ کے علاوہ۔)

مسائل

✪ میت پر گریہ کرنا جائز بلکہ بعض اوقات مستحب بھی ہے بشرطیکہ تسلیم و رضا کے خلاف نہ ہو ورنہ مکروہ اور موجب بربادی۔

✪ نظم و نثر میں میت کا مرثیہ پڑھنا جائز ہے لیکن رات کے وقت یہ کام نہ کرے کہ مکروہ ہے۔

✪ منہ پر طمانچے مارنا، منہ نوچنا، بال کاٹ ڈالنا حرام ہے۔ اعتدال سے زیادہ چیخ مار کر رونا بھی خلافِ احتیاط ہے ـــــ باپ اور بیٹے کے علاوہ کسی کے مرنے پر گریبان پھاڑ ڈالنا بھی خلافِ احتیاط ہے۔

✪ عورت مصیبت کے موقع پر بال کاٹ ڈالے تو ماہِ رمضان کا کفارہ ہے اور نوچ ڈالے تو قسم کا کفارہ ہے۔ یہی حال منہ نوچنے کا ہے۔

✪ مرد، بیوی یا بیٹے کے مرنے پر گریبان پھاڑ ڈالے تو قسم کا کفارہ ہے یعنی دس مسکینوں کا کھانا یا کپڑا۔

✪ عام حالات میں دفن کے بعد دوبارہ قبر کا کھولنا یا میت کا باہر نکالنا حرام ہے۔ صرف بارہ مقامات پر جائز ہے۔

✪ اولاد اور اقربا سے موت کا مخفی رکھنا جب تک کوئی مصلحت نہ رکھتا ہو مکروہ ہے۔

✪ مومن کے لئے مستحب ہے کہ اپنی قبر تیار کرائے اور اس میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کرے۔

✪ مومن کے لئے کفن اور دفن کی زمین کا ہدیہ دینا مستحب ہے کہ ایک کفن دینے والا تا قیامت لباس پہنانے والا شمار ہوتا ہے۔

✪ مومن کی قبر کو اپنے ہاتھ سے کھودنا مستحب ہے کہ اس کے مکان کی تعمیر کے برابر ہے۔

✪ اپنے ہاتھوں سے میت کو غسل دینا مستحب ہے کہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ جناب موسیٰ نے سوال کیا پروردگار میت کو غسل دینے والے کا اجر کیا ہے؟ ارشاد ہوا میں اسے گناہوں سے دھو کر پاک کر دیتا ہوں۔

✪ کفن مہیا کرنا، گھر میں رکھنا اور اسے دیکھتے رہنا مستحب ہے کہ اس سے انسان کو برابر ثواب ملتا رہتا ہے۔

سبق نمبر ۵۰

آدابِ دُعا

کسی بھی ضابطۂ اخلاق کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک مخلوقات کے باہمی روابط وتعلقات کے ساتھ عبد ومعبود کے روابط وتعلقات کے قواعد وضوابط نہ معین کر دیئے جائیں۔ انسان ضعیف وناتواں اور بے بس وبے کس پیدا ہوا ہے۔ وہ کسی قدر قوت واستعداد اور حکومت واقتدار کا مالک کیوں نہ ہو جائے اس کی فطری کمزوری دور ہونے والی نہیں ہے۔ وہ ایسا ہاتھی ہے جو چیونٹی کے ناک میں چلے جانے سے مرجاتا ہے اور ایسا صاحبِ اقتدار ہے کہ ایک مکھی پر قابو نہیں پاسکتا۔ اس کی کمزوری اسے اشارہ کرتی ہے کہ طاقت کے سرچشمہ سے ارتباط قائم رکھے ورنہ بیکسی وناتوانی کے ہاتھوں اضطراب وانتشار کی موت مرجائے گا۔ خاصانِ خدا کے سکون واطمینان کا واحد راز یہی تھا کہ انھوں نے اس بلند وبرتر طاقت سے اپنا ارتباط برقرار رکھا تھا اور ہر آن اس ارتباط کی تجدید کرتے رہتے تھے ورنہ ظاہری اعتبار سے وہ بھی گوشت وپوست کے انسان تھے کہ جب مصلحتِ خداوندی کا تقاضا ہوا تو قوتِ صبر کے مظاہرہ کے لئے خاموش ہوگئے اور انتہائی بزدل انسانوں نے کبھی گلے میں رسّی ڈال دی اور کبھی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ کائنات پر اقتدار واختیار رکھنے والے انسان ایک قطرۂ آب یا ایک دانۂ انگور سے شہید ہو جائیں۔ یہ انسان کے لئے ایک تنبیہ اور ایک اشارہ تھا کہ انسان مادی اعتبار سے انتہائی کمزور واقع ہوا ہے۔ اس کی کل قوت رب العالمین سے ارتباط سے ہے جس کی بنا پر وہ اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ صاحبان اقتدار اس کو قتل کرنے کے لئے پریشان رہتے ہیں اور وہ قتل ہونے سے پریشان نہیں ہوتا۔ لشکر اور اسلحہ فراہم کرنے والے مضطرب رہتے ہیں اور

اس کے سکون و اطمینان میں فرق نہیں آتا۔

قرآن مجید نے اس نکتہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے کہ یاد رکھو" اگر تمھاری دعا نہ ہوتی تو پروردگار تمھاری طرف توجہ بھی نہ کرتا"

"جو لوگ دعا سے استکبار اور غرور کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلت و خواری کے ساتھ داخل کئے جائیں گے۔

روایات میں دعا کو مومن کا اسلحہ یا سپر کہا گیا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ دعا انسان کی فطری کمزوری کا بہترین علاج ہے۔ اگر جہادِ زندگی میں پیش قدمی کرنا چاہتا ہے تو دعا اسلحہ ہے اور حالات و آفات و مصائب سے بچنا چاہتا ہے تو دعا ایک سپر ہے۔" دعا کا اثر آہنی نیزہ سے زیادہ ہوتا ہے۔" "دعا انبیاء کا اسلحہ ہے"—— "دعا دفع بلا کا بہترین ذریعہ ہے"

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص رات بھر سنتی نمازیں پڑھتا رہے اور ایک شخص مصلے پر بیٹھ کر دعا کرتا رہے تو دونوں میں کون افضل ہے؟ —— فرمایا دعا کرنے والا —— اور شاید اس کا راز یہ ہو کہ نماز پڑھنے والا حسبِ عادت عمل کرنے میں معبود کی طرف سے غافل ہو سکتا ہے۔ نماز غنودگی اور غفلت میں بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن دعا کرنے والا مالک کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا اور اس کی توجہ بہرحال اس طرف برقرار رہے گی بشرطیکہ دعا کر رہا ہو، دعا پڑھ نہ رہا ہو کہ دعا پڑھنا اور ہے اور دعا کرنا اور —— دعا پڑھنے والا تو غافل ہو سکتا ہے لیکن حالت و اضطرار کے عالم میں دعا کرنے والا اس سے غافل ہو جائے جس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے ہے اور حاجت طلب کر رہا ہے یہ ناممکن ہے۔

دعا کے لئے روایات میں بے شمار آداب بیان کئے گئے ہیں جو اسے منزلِ قبولیت سے قریب کر دیتے ہیں اور انسان کو واقعی منزلِ دعا تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان آداب میں بعض کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ انسان باوضو اور با طہارت ہو۔

۲۔ رو بقبلہ ہو کر دعا کرے۔

۳۔ توجہ قلب کے ساتھ دعا کرے کہ امام باقرؑ کے لفظوں میں یہ دعا کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔
۴۔ خوشبو لگا کر دعا کرے۔
۵۔ خدا پر بھروسہ رکھے کہ وہ دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔
۶۔ دعا سے پہلے صدقہ دے۔
۷۔ کسی فعل حرام یا مومن سے قطع تعلق کی دعا نہ کرے۔
۸۔ اصرار کے ساتھ دعا کرے۔ رواروی میں دعا نہ کر دے کہ خدا بندوں سے مانگنے میں اصرار کو برا سمجھتا ہے اور اپنے سے باصرار مانگنے کو پسند کرتا ہے۔
۹۔ حاجت کو واضح طور پر بیان کرے کہ خدا جاننے کے باوجود انسان کی صلاحیت کو دیکھنا چاہتا ہے۔
۱۰۔ خفیہ طور سے دعا کرے کہ ریاکاری شامل نہ ہونے پائے۔
۱۱۔ صرف اپنی ذات کے لئے نہیں تمام مومنین کے لئے دعا کرے۔
۱۲۔ اجتماعی طور سے دعا کرے کہ جہاں چالیس آدمی مل کر دعا کرتے ہیں یا چار آدمی دس مرتبہ دعا کرتے ہیں خدا فوراً قبول کر لیتا ہے۔ (امام جعفر صادقؑ)
۱۳۔ خدا کی بارگاہ میں خشوع و خضوع اور ذلت و مسکنت کا مظاہرہ کرے کہ پروردگار نے جناب موسیٰ سے کہا تھا کہ مجھ سے دعا کرنے سے پہلے میرا خوف پیدا کرو۔ خاک پر رخسار کرو۔ ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہو اور مناجات کی شکل میں دعا کرو۔
۱۴۔ دعا سے پہلے حمد و ثنائے پروردگار کرے یعنی اس کے اوصاف کا ذکر کرے جو دعا سے مناسبت رکھتے ہوں۔
۱۵۔ دعا سے پہلے صلوات پڑھے کہ امام صادقؑ کے لفظوں میں بغیر صلوات کی دعا ہیں منڈلاتی رہتی ہے اور عرش اعظم تک نہیں جاتی۔ وہاں تک پہنچانے کا وسیلہ یہی صلوات ہی ہے۔
۱۶۔ دعا کو صلوات پر ختم کرے کہ خدا کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اول و آخر سے صلوات قبول

کرے اور درمیان کی دعا کو رد کر دے۔

۱۷۔ خدا کو محمدؐ و آل محمدؐ کے حق کی قسم دے۔

۱۸۔ گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرے کہ یہ جانِ دعا اور روحِ دعا ہے۔ امام صادقؑ کے الفاظ میں سجدہ و گریہ تقرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ خدا کی نگاہ میں کوئی قطرہ اس قطرۂ اشک سے زیادہ محبوب نہیں ہے جو تاریکیٔ شب میں خوف خدا سے آنکھوں سے ٹپک جائے۔ امام صادقؑ کا ارشاد ہے کہ تین قسم کی آنکھیں روز قیامت نہیں رو سکتیں۔ وہ آنکھ جس نے محرمات پر نگاہ نہ کی ہو ــــ وہ آنکھ جو اطاعتِ خدا میں بیدار رہی ہو ــــ اور وہ آنکھ جو تاریکیٔ شب میں خوفِ خدا میں روئی ہو۔

۱۹۔ دعا سے پہلے اپنے گناہوں کا اقرار کرے تاکہ رقتِ قلب اور مکمل توجہ پیدا ہو۔

۲۰۔ دل کا رخ خدا کی طرف ہو اور فقط تفریحاً دعا نہ کرے۔

۲۱۔ بلا نازل ہونے سے پہلے دعا کرے تاکہ بلا نازل ہی نہ ہونے پائے۔

۲۲۔ دعا سے پہلے ہر مومنین کے حق میں دعا کرے۔

۲۳۔ برادرانِ ایمانی سے التماسِ دعا کرے اور صرف اپنی دعا پر بھروسہ نہ کرے۔

۲۴۔ ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے اور اس کے پانچ طریقے ہیں۔ بلا سے پناہ مانگتا ہو تو ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے۔ رزق کی دعا کرنا ہو تو ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف رکھے۔ دنیا سے علیحدگی چاہتا ہے تو درمیانی انگلی سے اشارہ کرے۔ فریاد کرنا ہے تو ہاتھوں کو سر سے زیادہ بلند کرے۔ تضرع وزاری کرنا ہے تو درمیانی انگلی کو چہرہ سے قریب حرکت دے۔

۲۵۔ بار بار دعا کرے چاہے قبول ہو یا نہ ہو۔

۲۶۔ دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر دے۔

۲۷۔ لوگوں کے حقوق ادا کر کے دعا کرے۔

ان تمام آداب کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد انسان استجابتِ دعا کی امید بھی کر سکتا ہے اور اپنے نفس کو واقعی طیب وطاہر بھی بنا سکتا ہے۔

بسمہ سبحانہ

جب تلک دہر میں آثارِ قلم زندہ ہیں
ہم پسِ مرگ بھی سمجھیں گے کہ ہم زندہ ہیں

کلیم الہ آبادی

دورانِ عشرۂ محرم مولانا سید صفی حیدر دام اقبالہ نے اکثر اپنی تقاریر میں مولانا سید غلام عسکری اعلی اللہ مقامہ کا تذکرہ اس طرح سے کیا کہ میرے احساسات نے مجھے اپنے ماموں جان سید علی حیدر کاظمی مرحوم کو یاد کرنے کے لیے مجبور کیا۔

التماسِ فاتحہ
برائے
سید علی حیدر کاظمی مرحوم

روانگی سے قبل مولانا موصوف نے تذکرہ
کیا کہ علامہ جوادی مرحوم کی فروعِ دین سے متعلق ایک
کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ علامہ سے مجھے جو وابستگی رہی وہ
ان کی برمنگھم میں مستقل آمد و رفت اور ان کی نشست میں بہت
کچھ حاصل کرنے کی وجہ سے ہے۔ ان کی محبت کا ایسا اثر تھا کہ
مجھے ان کے جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل
ہوئی۔ مولانا سید صفی حیدر نے مجھے ایک سعادت
سے نوازا میں ان کا مشکور ہوں۔
علامہ جوادی جیسی شخصیت کی یہ کتاب جس کی
طباعت کا شرف مجھے ملا ہے اور پھر اپنے ماموں جان سید علی حیدر
کاظمی مرحوم کی خدمت میں ایک نذرانۂ عقیدت ہے، پروردگار اس چھوٹی سی خدمت کو قبول فرمائے۔

علامہ جوادی مرحوم نے اپنی کتابوں اور دینی خدمت کے ذریعہ وہ مقام حاصل کیا کہ انھیں آسانی سے بُھلایا نہیں جاسکتا ہے۔ اسی طرح سید علی حیدر کاظمی صاحب مرحوم نے انجمن وظیفہ سادات کی سالوں بے بہا خدمت سکریٹری کی حیثیت سے کی ہے۔ انتقال سے کچھ ایام قبل ایسا ہی دیکھا گیا کہ خود انجمن کے سکریٹری ہوتے ہوئے وظائف کی رپورٹ کاندھوں پر لاد کر لے جا رہے ہیں تاکہ مزدوری بچ جائے اور انجمن کے کام آسکے یا اس سے کسی بچے کو وظیفہ دیا جاسکے۔ رب العالمین ان دونوں مرحومین کے مرتبہ کو بلند کرے ناظرین سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس ناچیز کو یاد رکھیں۔

مولانا سید غلام عسکری مرحوم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم، سید علی حیدر کاظمی مرحوم اور میری والدۂ ماجدہ سیدہ امۃ الزہرا مرحومہ کے لیے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب فرمائیں۔

خیر اندیش: سید مظفر عباس۔ برمنگھم۔ انگلینڈ

TANZEEMUL MAKATIB

GOLAGANJ LUCKNOW – 226 018 U P (INDIA)

Phone : 91 522 2215115,Fax : 91 522 2228923

e mail : tanzeem@tanzeem.com